سلسلہ تبلیغ و اشاعت نمبر ۱۶

جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

اشتراکیانِ روس — اور — مادہ پرستوں

کو

دعوتِ اسلام

حصہ اوّل

اس کتاب میں علمی و عقلی اور دیگر مسلمہ معیار سے ثابت کیا گیا ہے

کہ

- آسمانی مذاہب اور سائنس کے درمیان تضاد نہیں ہے۔
- اور مادی طاقت، روحانی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔
- اب مادی طاقتوں سے امن قائم نہیں ہو سکے گا۔
- اور چیلنج کیا گیا ہے کہ — بین الاقوامی نظام اور جامع المذاہب مذہب کے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔
- اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایسا نظام اور مذہب صرف اسلام ہی ہے۔
- اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ سورج روشن ہے، اور اس کا فیض تمام دنیا کو پہنچ رہا ہے، تو کوئی بھی دانا اور بینا اس کو جھٹلا نہیں سکے گا — اور نہ سورج کے حق میں اس کے قول کو حسنِ عقیدت اور جانبداری پر محمول کرے گا۔
- اسی طرح اسلام کو بھی اس کتاب میں سورج کی تمثیل میں حسّی، علمی و عقلی اور مسلمہ تاریخی معیار سے پیش کیا گیا ہے۔

مرتبہ

ابو احمد عبد اللہ لودھانوی گوجرانوالہ

مغربی پاکستان

عبد الصمد ناظم شعبہ نشر و اشاعت پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور سے طبع کرا کر دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت ۵ر

فہرست

اشتراکیانِ روس اور مادہ پرستوں کو دعوتِ اسلام

عنوانات

"احساسِ فرض"

بقول شخصے میری غرض بھی اس کد وکاوش سے علمی تفریح اور اصلاحی لٹریچر میں اضافہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک صدائے قلب ہے، جو صرف اس لیے تہِ قلب سے نکل کر نوکِ قلم پر آئی ہے کہ دنیا کے سامنے پھر اس بھولے ہوئے سبق کی یاد تازہ ہو جس نے تیس سالہ پاک حکومت کے دور میں ایران، فارس، سندھ، مکران، روم، مصر، شام، عراق اور سرزمین عرب کے گوشہ گوشہ میں امن و اطمینان، خوشحالی و خوشدلی پیدا کر دی تھی، اور جس نے سرمایہ و محنت اور سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان عدل کی ترازو اس طرح قائم کی تھی کہ۔ اس دور میں نہ طبقاتی جنگ کی ضرورت پیش آئی، اور نہ موجودہ کشمکش ہی کا ہنگامہ برپا ہوا، کیونکہ وہاں نہ سرمایہ دار کو یہ موقع حاصل تھا کہ وہ غریبوں کو اپنی اغراض پر قربان کر سکے، اور نہ مزدور و محنت کش کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ غیر کی ملکیت پر قابض ہونے کے خواب دیکھے بلکہ اس نظام میں تمام ملکوں، شہروں اور آبادیوں میں ایک ایسی درمیانی حالت قائم ہو گئی تھی کہ اختلافِ مدارج کے باوجود سب خوشحال تھے، چین و آرام ہر ایک کو میسّر تھا، خیرات دینے والے بہت تھے، مگر لینے والا میسّر نہ آتا تھا۔ کاش! موجودہ برسرِ اقتدار حکومتوں میں سے کسی کو توفیق حاصل ہو کہ پھر اسی نظام کے ہمہ گیر اور عالمگیر عادلانہ اصولِ حیات پر اپنے نظام کو تبدیل کرے اور اس پوری انسانیت کے لیے جو موجودہ مشکلات میں پڑ کر جاں بلب ہو رہی ہے چشمۂ آبِ حیات ثابت ہو اور ظلماتِ مظالم میں ٹھوکریں کھانے والی دنیا کے لیے روشنی کا مینار بن جائے۔

ابو احمد عبداللہ

پیش لفظ

جب تلک بدلے نہ جائیں یہ نظام، دانش و تہذیب ہے دیں سود لئے خام

سوالات

۱ ۔ کیا دنیا والے امن و سلامتی کے طالب ہیں؟

۲ ۔ اور بہترین نظامِ زندگی کے لیے اپنے موجودہ ساختہ نظاموں سے دست بردار ہو سکتے ہیں؟

۳ ۔ کیا ان کو حق و سچائی سے محبت اور باطل و جھوٹ سے نفرت ہے اور وہ ایسے نظریہ اور عقیدے کو جو سب کے لیے بہتر ہو قبول کر سکتے ہیں؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر

۴ ۔ کیا اپنے قومی، سماجی اور ایسے مذہبی عقائد و نظریات، اور ایسے اعمال کو جو اپنے اندر ارتقائی حالات کے ساتھ چلنے کی وسعت نہ رکھتے ہوں، اور ان کی بنا محض ظنیات، تخمینات اور توہمات ہوں، تو وہ ان سے دست بردار ہو کر ایسے نظریات اور عقائد کو جن کی بنیاد ٹھوس حقائق اور یقینیات پر ہو۔ ان کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہیں؟

اگر اس کا جواب بھی اثبات میں ہے!

تو پھر ہم دنیا کے ایسے سنجیدہ اور غیر متعصب عقلاء کے سامنے ایسی ہی باتیں آئندہ پیش کر رہے ہیں، جو ہر صحیح تنقیدی معیار سے ثابت شدہ حقائق اور سچائیاں ہیں۔

حیرت ہے کہ حق موجودہ تذبذب انگیز دور میں کچھ ایسا ہی اجنبی ہو کر رہ گیا ہے کہ ـــ اکثر لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے، اور وہ اسے صحیح ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ مگر اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل و دانش سے نوازا ہے اور قوت فیصلہ دی ہے، تو اس کو اس کے لیے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ حق اور باطل، صحیح و غلط کو پہچاننا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

دنیا کا کارخانہ علل و اسباب پر وابستہ کیا گیا ہے ـــ جو چیزیں کسی خاص مقصد کے لیے وضع کی گئی ہیں، وہ مقصد کے خلاف محل پر بھی مستعمل ہو سکتی ہیں۔ جب کوئی فرد یا جماعت کسی علت یا سبب کو اس کے شرائط سے عمل میں لائیں گے، اور کسی مطلب حق یا باطل کے حاصل کرنے کے لیے اس مطلب کے ذرائع اور اسباب کو مع شرائط اختیار کریں گے تو وہ مطلب حاصل ہو جائے گا ـــ مگر سنجیدہ عقلاء کو زیب نہیں دیتا کہ ایسے اسباب و ذرائع کو مقصد کے خلاف محل پر خود استعمال

کریں اور دوسروں کو کرنے دیں ۔

۲۔ غیر مسلم برادران کی عظیم غلط فہمی

ہمارے بھائی غیر مسلم یہی سمجھتے چلے آرہے ہیں کہ، اسلام و قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ تینوں مسلمانوں کی مخصوص چیزیں ہیں اور مسلمانوں ہی کے لیے ہیں۔ اور ہمارا ان سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہونا چاہیے ــــ لیکن یہ ان برادران کی ایسی غلط فہمی اور خام نظریہ ہے، جس کے لیے ان کے پاس کوئی سند اور ثبوت نہیں، اور نہ اس غلطی کی کوئی توجیہہ ہو سکتی ہے !

زندہ تاریخ شاہد ہے کہ ــــ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو نبی رسول ہونے، اور قرآن مجید کو کلام خدا ہونے اور اسلام کو دین اللہ ہونے کی حیثیت سے انسانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس وقت اس مسلم قوم کا ایک فرد بھی دنیا میں موجود نہ تھا، جس کی طرف غیر مسلم اسلام کو منسوب کر کے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تینوں چیزیں مسلمانوں کے لیے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ان سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہونا چاہیے۔

ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں ان تین چیزوں نے وجود بخشا ہے اور انہی کو اختیار کر کے یہ لوگ مسلمان کہلائے، اور

جب ہی سے یہ لوگ دنیا میں مسلمان کے لقب سے مشہور چلے آرہے ہیں بہرحال یہ لوگ بھی دنیا میں ایک قوم شمار کی جاتی ہے، مگر اس قوم کا قوام اسلام سے ہے۔ وطن و نسل، ملک اور زبان اور رنگ وغیرہ سے نہیں ہے۔ پس دیگر اقوام سے جن جن قوموں یا افراد نے اسلام قبول کیا وہ اس عالم گیر برادری میں داخل ہوتے رہے۔ اسی طرح یہ مسلم قوم بڑھتے بڑھتے اس وقت اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس قوم کو جنس انسانیت سے جو فصل مقوم اور ممیز کرتی ہے۔ وہ اسلام ہے۔ اس کی قومیت کا دائرہ دنیا کی دیگر تمام قوموں سے وسیع اور بلند تر ہے جس میں دنیا کی ساری قومیں سما سکتی ہیں۔ اس کا دائرہ دائرۂ اسلامیت ہے، جو (دائرہ انسانیت مطلقہ سے جہاں تمام دائرے ختم ہو جاتے ہیں) وسعت اور پہنائی کے لحاظ سے دائرہ انسانیت مطلقہ سے صرف ایک ایک مرحلہ نیچے ہے، لیکن رفعت اور کمالیت کے اعتبار سے انسانیت سے افضل اور اکمل ہے؛ کیوں کہ انسانیت کی تکمیل اور تنظیم اسلام ہی سے ہوتی ہے؟

(۱)

یہ ساری کائنات ایک خدا کی حکومت میں جکڑی ہوئی ہے۔ وہی اس کا خالق و مالک اور فرماں روا ہے۔ یہ زمین بھی اسی کی حکومت کا ایک

صوبہ ہے، اور اس کے مرکزی اقتدار میں جکڑا ہوا ہے۔ انسان اسی صوبہ میں خدا کی پیدائشی رعیت ہے، اور اس کی مخلوق اور اس کا پروردہ ہے۔ خود نہیں جی رہا بلکہ اس کے جلائے جی رہا ہے۔ اس لیے انسان کے ذہن میں اپنی خود مختاری کا اگر کوئی زعم ہے، تو وہ ایک غلط فہمی او نظر کے ایک دھوکے اور فریب سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

پس جب کہ انسان اپنی زندگی کے بڑے حصّہ میں صریح طور پر رعیت ہے اور اپنی محکومی کو جانتا ہے۔ اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر موت کی آخری ساعت تک خدا کے قانون طبعی سے اس طرح بندھا ہوا ہے کہ ایک سانس تک اس کے خلاف نہیں لے سکتا، اس پر فطرت کی قوّتیں اور قوانین اس طرح حاوی ہیں کہ انسان جو کچھ کر سکتا ہے اس کے تحت ہی رہ کر کر سکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے آزاد ہو جانا ممکن نہیں ہے۔

اب رہ گیا انسانی زندگی کا اختیاری حصّہ، جس میں انسان اپنے ارادہ کی آزادی محسوس کرتا ہے اور اپنے پسند کے مطابق انفرادی و اجتماعی عمل کی راہیں انتخاب کرنے کی طاقت پاتا ہے ——— اور بلاشبہ اس کو اس حد تک آزادی ہی حاصل ہے ——— مگر یہ آزادی انسان کو فرمانروائے کائنات کی رعیت ہونے سے خارج نہیں کر دیتی، بلکہ یہ اختیار دینی ہے

کہ چاہے تو اطاعت کا رویہ اختیار کر لے، جو پیدائشی رعیت ہونے کی حیثیت سے اسے اختیار کرنا چاہیے، اور چاہے تو خود مختاری و بغاوت کا رویہ اختیار کر لے، جو اپنی فطری حقیقت کے اعتبار سے اسے اختیار نہ کرنا چاہیے — لیکن حق و باطل کی ماہیت اور حقیقت میں غور و فکر کرنے کے بعد صریح طور پر حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ — انسان اپنی زندگی کے اختیاری حصہ میں بھی اسی خدا کی حاکمیت تسلیم کرے، جو اس کی زندگی کے پورے غیر اختیاری حصہ کا اور اس تمام کائنات کا جس میں زندگی بسر ہو رہی ہے آپ سے آپ مالک و حاکم ہے۔ یہ بات کئی وجوہ سے حق ہے

۱ - اس لیے بھی حق ہے کہ — انسان کی قوتیں اور اس کے جسمانی آلات خدا ہی کا عطیہ ہیں ؛

۲ - اس لیے بھی حق ہے کہ — انسانی اختیارات خود اس کے حاصل کردہ نہیں، بلکہ اس کے سپرد کردہ ہیں ؛

۳ - اس لیے بھی حق ہے کہ جن چیزوں پر یہ اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں، وہ سب خدا کی ملک ہیں ؛

۴ - اور اس لیے بھی حق ہے کہ جس ملک میں استعمال کیے جاتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کا ملک ہے ؛

۵ - اور اس لیے بھی حق ہے کہ عالم کائنات اور حیاتِ انسانی کی ہمواری

کا تقاضا یہی ہے کہ ــــ ہماری زندگی کے اختیاری اور غیر اختیاری دونوں حصّوں کا مالک وحاکم اور سرچشمۂ احکام ایک ہی ہو ــــ اور دونوں کے الگ الگ ہوجانے سے ایسا تضاد پیدا ہوجاتا ہے، جو موجبِ فساد ہوکر رہتا ہے ــــ شخصی زندگی میں تو یہ فساد محدود پیمانہ پر ہی ظاہر ہوتا ہے ــــ مگر بڑی بڑی قوموں کی زندگی میں اس کے بُرے نتائج اتنے بڑے پیمانے پر نکلتے ہیں کہ خشکی اور تری اور ہوا فساد سے بھر جاتی ہے۔

(۲)

اسلام کی مقرر کردہ حدود ہماری ترقی کو روکنے والی نہیں بلکہ ہمیں سیدھی راہ پر لگانے اور ہمارے سفرِ زندگی کو بے راہ روی سے بچانے کے لیے ہیں ــــ ان مستقل قوانین کا ایک معتد بہ حصہ ایسا ہے جن پر کل تک دنیا اعتراض کر رہی تھی ــــ مگر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے تجربات اور تلخ تجربات نے کل معترضین کو آج معترف بنا دیا ہے اور انہی قوانین کی خوشہ چینی پر مجبور ہو رہے ہیں۔

علمِ قانون کے جتنے شعبوں پر انسانی تصور آج تک پھیل چکا ہے، ان میں سے کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں اسلام نے ہماری رہنمائی نہ کی ہو[1]۔

---

[1] انقلاب انگیز مکتوب حصہ اوّل صہ ۱۲۵۔

پس ان وجوہات سے جو اوپر بیان کی گئیں دائرۂ اسلامیت کی دائرہ انسانیت پر افضلیت اور اکملیت ثابت ہوتی ہے، اور اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اسلام سب انسانوں کی مشترکہ متاع ہے، پس جو لوگ اس کو صرف مسلمانوں کی مخصوص چیز قرار دے رہے ہیں وہ متعصب اور ضدی اور اندھے مقلّد ہیں۔ ضد اور تعصب اور اندھی تقلید ایسے مہلک امراض ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے عقلمندوں کو بھی حقیقت اور سچائی کے قبول کرنے سے روک کر گمراہی کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں، ان کی سند اور دلیل صرف یہی ہوتی ہے کہ

بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا — بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

سورہ بقرہ ۱۷۱

قرآن مجید نے جواب میں یہ کہا

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ — کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں، اور نہ سیدھی راہ پائی ہو ۔

ماہ فشاند نور سگ عوعو کند ٭ ہر کسے بر خلقت خود مے تند

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

راست خواہی ہزار چشم چناں ٭ کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

افسوس کہ اس ترقی یافتہ علمی و عقلی اور سائنسی دور میں جب کہ

ہر ایک چیز کو تنقید کے معیاروں پہ پرکھ کر قبول کیا جاتا ہے خرافات و اوہام کے پیچھے چل کر بے سمجھے بوجھے غلط رسوم و رواج سے سمٹے و چمٹے رہنا انسان کا بہت بڑا عیب ہے، ایسے انسان چوپائیوں سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عقل و فکر کی صلاحیت دے کر دوسری مخلوق سے ممتاز کیا تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے سمجھ سے کام نہ لیا ؛

پس یہی رویہ ان کا اسلام و قرآن اور محمد رسول اللہ کے بارہ میں چلا آرہا ہے، جیسا کہ سورج روشن اور واضح ہے اسی طرح یہ تینوں چیزیں واضح ہیں، اور سورج کی طرح ان کی روشنی سب پر پڑ رہی ہے اور ان کے فیوض سے ہر ایک شخص حسب استعداد اس قدر روشنی حاصل کر سکتا ہے، جو ان پر ایمان لانے کی دعوت دے رہی ہے۔ پس جو شخص انکار یا شک اختیار کرتا ہے وہ ایسا ہی ہوگا جو سورج کا انکار کرتا ہے، یا اس میں شک کرتا ہے ؛

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت عام پیش کر دی گئی ہے جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا جی چاہے نہ قبول کرے ؛

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے، بیشک
تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔
فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ پھر جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر

بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَہَا الخ

ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(پ ۳ - ع ۱)

لیک دعوت وارد است از کردگار ٭ با قبول و ناقبول اور اچہ کار

۳ - تذکیرات

سچّی اور اچھی باتیں

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝

ہم نے بنی آدم کو معزز اور مکرم بنایا ہے اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں دسترس دی ہے اور انھیں پاک رزق دیا ہے اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا کی۔

(پ ۱۵ - ع ۸)

تشریح: یہ دنیائے انسان کا سب سے بڑا انقلابی اعلان ہے جس میں انسان کی برتری کا اظہار کیا گیا ہے۔ یعنی دنیا میں جس قدر بھی انسان ہیں وہ انسان ہونے کی حیثیت سے سب کے سب مکرم اور معزز ہیں، ان میں نہ کوئی ذلیل ہے نہ کمینہ اور غیر شریف۔ ہر انسان احترام کے قابل ہے اور اس کا اپنی جگہ ایک بڑا مرتبہ ہے۔ چونکہ انسان محترم اور

۸۷۲۱

مکرم ہے، اس لیے اسے یہ طاقت بخشی گئی ہے کہ خشکی پر بھی حکم رانی کرے اور سمندروں پر بھی اپنا حکم چلائے۔ نیز اسے کھانے کے لیے پاک چیزیں دی گئی ہیں اور اسے خدا کی مخلوق پر برتری بھی عنایت کی گئی ہے، جو لوگ آج انسانیت کا دم بھرتے ہیں اور جن کا دعویٰ ہے کہ وہ عالمگیر انسانیت کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں وہ اس آیت پر غور کریں کہ، اسلام نے انسانیت کو اونچا اٹھا کر عالم گیر برادری کی کیسی بنیاد ڈالی ہے۔

(۲) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔ (پ ۱ - ع ۱۴)

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ آپ غافلوں کو بیدار کریں اور نیک لوگوں کو خوشخبری بتائیں، اور جو لوگ جہنم رسید ہوں گے ان کے بارے میں آپ سے باز پرس نہ ہوگی۔ (قرآن)

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کو روحانی اصلاح کے لیے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ کے پاس نہ فوج ہے، نہ تلوار ہے، نہ حکومت ہے، صرف حق ہے، دلائل ہیں اور واقعات ہیں، اور انہی ہتھیاروں سے آپ باطل کے قلعوں کو مسخّر کر سکتے ہیں، آپ کا کام یہ ہے کہ جو لوگ اپنے انجام سے غافل ہیں انھیں بیدار کریں، اور جو لوگ نیک عمل ہیں انھیں خوشخبری سنائیں، اور بتائیں کہ ان کے اچھے اعمال اکارت نہیں جائیں گے۔

باقی یہ بات کہ لوگ آپ کی بات مانتے ہیں یا نہیں۔ سو اس کے بارے میں کسی سے سوال نہیں ہوگا، اہل حق کا کام حق کا پہنچانا ہے نہ کہ نتائج کا ذمہ دار بننا، اگر کوئی شخص اپنی بدکرداری کی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری اہل حق کے سر نہ ہوگی۔ ان کا کام تو ابلاغ ہے اور دوسروں کا کام جاننا اور عمل کرنا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار سے پھیلتا تو کیا پیغمبر اسلام سے اس کا خطاب اس انداز کا ہوتا؟

۴۔ تفہیمات

(۱)

پچھلے چند سالوں میں انسان نے زمان و مکان کی تسخیر میں حیرت انگیز ترقی کی ہے، اس سے دنیا کے دور دراز گوشے سمٹ کر ایک دوسرے کے بالکل قریب آ گئے ہیں۔ اب مشرق و مغرب میں وہ پہلا سا حجاب نہیں رہا جو کبھی تھا، اسی بنا پر یورپ نے مشرق اور اس کے مسائل کو سمجھنا بھی شروع کیا ہے، اور اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً مشرقی فلسفہ، مشرقی آرٹ اور مشرقی تہذیب عتیق پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ فکر و نظر کی یہ تبدیلی صرف ان تہذیبوں کے بارے میں ہے جن کا

مغربی اقدار سے براہِ راست کوئی ٹکراؤ نہیں، باقی رہا وہ تمدن جسے اسلام کہا جاتا ہے، اس کے متعلق یورپ کا رویہ اب بھی بالکل وہی ہے جو آج سے کئی سو سال پہلے تھا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ــــ آج کا یورپ انتہائی مادیت پرست ہے۔ اس ایک رخی ترقی نے اہلِ یورپ کے سامنے اَن گنت نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں، وہ اپنے اندر ایک زبردست "روحانی خلا" محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ انھیں کہیں سے چند ایسی روحانی اقدار مل جائیں جو ان کی بنیادی اور دل پسند اقدار سے متصادم ہوئے بغیر ان کی مضطرب روح کو قدرے سکون بخش سکیں ـــــــــ لیکن جب وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں، تو وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ـــ اسلام بذاتِ خود ایک عملی ضابطۂ حیات اور پورا فکرِ عمل ہے، جس میں اگر ایک طرف خدا اور بندے کے رشتے سے بحث کی گئی ہے، تو دوسری طرف انسان، اور انسان کے تعلقات پر پوری شرح و بسط کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق اسلام نے جامع و مانع احکام نہ دیے ہوں ـــ ایک ہی نقطۂ نظر اور ایک طرزِ فکر سے حیاتِ انسانی کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلام کی روحانیت کوئی ایسی چیز نہیں جسے اس کے باقی شعبوں سے الگ کر کے اپنایا جا سکے۔ اس دنیا کی زندگی کو ایک خاص

طرز سے بسر کرنے کا نام ہی دراصل اسلام ہے۔ یہی روحانیت ہے اور یہی مادیت ہے۔ یہی دنیا ہے اور یہی دین۔ ان دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ اسلام میں جو چیز عقیدہ کی شکل روحانیت کہلاتی ہے وہی جب معرض وجود میں آتی ہے تو دین نام پاتی ہے، اس بنا پر اسلام کے کسی جزو کا کسی دوسرے نظام فکر سے پیوند نہیں لگایا جا سکتا، اور نہ یہ دین کسی دوسرے کو گوارا کرتا ہے۔

(۲)

پس اہل یورپ اگر کبھی اسے قبول کر سکتے تو وہ صرف اپنا پورا نظام حیات بدل دینے کے بعد۔ ورنہ مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے ملاپ کی کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہو سکتی ۔۔۔ اسی وجہ سے یورپ نے اسلام کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے اس کے علاوہ ابھی تک یورپین اقوام کے دل و دماغ میں صلیبی جنگوں کی یاد پوری طرح تازہ ہے ۔۔۔ ان جنگوں نے اگر یورپ کو ایک طرف یک جہتی عطا کی تو دوسری طرف انھیں اسلام سے پوری طرح بدظن بھی کر دیا!

صلیبی جنگوں سے مراد محض کشت و خون نہیں؛ قوموں کے درمیان کتنی ہی لڑائیاں لڑی گئیں، اور پھر ان کی یاد دلوں سے محو ہو گئی۔ صلیبی جنگوں سے جو نقصان ہوا، وہ صرف اسلحہ کی حد تک محدود نہ رہا، بلکہ

یہ زیادہ تر علمی نقصان ثابت ہوا۔ یعنی ایک سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق اسلامی تعلیمات کو توڑ موڑ کر اس طرح پیش کیا گیا کہ اہل یورپ اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متنفر ہو جائیں۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں اس خیال کو یورپین دل و دماغ میں پیوست کیا گیا کہ اسلام کشت و خون کی تعلیم دیتا ہے ...... ایسے دور میں خدا کے رسول کا نام تک مسخ کر کے سامنے لایا گیا۔ وہ رسول جس نے اپنے پیروؤں کو سارے انبیاء کرام کی تعظیم کی تعلیم دی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ آزادی کی فکر سے بالکل ناآشنا تھا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے بااختیار (متعصب) لوگوں نے دین اسلام اور تہذیب اسلامی کے خلاف نفرت کے بیج بو دیئے، جس کی وجہ سے صدیوں تک اہل یورپ اسلام کے صحیح حالات سے بے خبر رہے ٭

(۳)

تاریخ کی یہ ستم ظریفی ہے کہ اسلام کے خلاف یورپ کی نفرت جو سراسر مذہبی تھی، آج بھی اس کے ذہن میں محفوظ ہے۔ اگرچہ اب یورپ مذہب سے تو بہت حد تک آزاد ہو گیا ہے مگر اسلام کے معاملہ میں اس کے تعصبات اسی طرح قائم ہیں ٭

(۴)

اس وقت یورپ کے پاس کوئی اخلاقی معیار ایسا نہیں ہے جسے سب کے سامنے پیش کیا جا سکے اور وہ اسے قبول کر لے، مگر اسے معلوم نہیں کہ ادراک بغیر اخلاقی نصب العین کے بالکل بیکار ہے۔ اور وہ تباہی اور بربادی کی طرف لے جانے والا ہے۔ معاشرتی مصلحین انقلاب کے شیدائی، اور اشتراکی سب کے سب خارجی تبدیلیوں میں ہی انسانی فلاح ڈھونڈھ رہے ہیں۔ دوسری طرف خدا کے پرستار اصلی مشن کو فراموش کر چکے ہیں۔ ان کا کام اب صرف اسی قدر رہ گیا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں من مانے خیال گھڑ گھڑ کر انھیں خالق کائنات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذہب کوئی حیات آفریں اور زندہ جاوید تحریک نہیں بلکہ چند بے جان رسومات کا مجموعہ ہے۔ ذہین لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کی جو صفات یہ مذہبی لوگ بیان کرتے ہیں، دنیا کے واقعات ان کی تردید کرتے جا رہے ہیں، تو وہ مذہب کو ہی خیرباد کہہ دیتے ہیں ۰

(۵)

مغربی ذہن چونکہ انسانیت کے بارے میں انتہائی مایوس کن اور تاریک تصوّر رکھتا ہے۔ اس لیے اس نے تحلیل نفسی میں انسان کے تاریک ترین پہلوؤں کو ہی اجاگر کرنے کی ہی کوشش کی ہے۔ اس کا ادعا یہ ہے کہ وہ اعمال جو ظاہر میں نہایت ہی پاک اور شریفانہ معلوم

ہوتے ہیں، ان کے محرکات بھی انتہائی ذلیل اور گھناؤنے ہیں ــــ نیکی، تقویٰ، شرافت، صداقت ایسے انسانی اخلاق جن کو دنیا نے ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، اور جن کی ہمیشہ انسانوں نے قدر کی۔ وہ بھی اپنے اصل کے اعتبار سے نہایت گھٹیا اور پست ہیں۔ شرافت کی، اقدار کی جس قدر مٹی تحلیل نفسی نے پلید کی ہے، وہ شاید ہی کسی اور نے نہیں کی ــــــ ان کے نزدیک انسان چونکہ نرا حیوان ہے، اس لیے انھوں نے اس کے اعمال کے محرکات کو بھی سراسر حیوانی پہلو ہی میں تلاش کیا ہے۔

(۴)

آزادی جس کے لیے لوگوں میں بے حد تڑپ تھی اور جس کے حاصل کرنے کے لیے انھوں نے نہ صرف جسمانی قربانیاں دیں بلکہ اپنی اقدار کو بھی قربان کر دیا جن پر کہ ان کا معاشرہ قائم تھا، وہ اپنے چاہنے والوں کے لیے وبال جان بنتی جا رہی ہے۔

پہلی جنگ کے بعد یورپ کے اخلاقی و معاشرتی انحطاط نے اہل یورپ کو سخت مایوس کر دیا۔ اس یاس و قنوطیت کے اثرات کو کم کرنے کے لیے انھوں نے گانے بجانے، مصوری اور تھیٹر کی طرف توجہ کی اور مصنوعی طریقوں سے اپنے غم کو فرحت و انبساط میں تبدیل کرنے

کی سعی کی، اس میں وہ کسی حد تک کامیاب تو ہوئے، مگر وہ روحانی کمی جو درحقیقت کسی انسان سے اس کا سکون و اطمینان چھین لیتی ہے، وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

اہل یورپ کا ایک ہی نصب العین ہے کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ دنیاوی فوائد و لذائذ سمیٹے جائیں۔ نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کی وجہ سے یورپ میں رہنے والا ہر فرد خود غرضی کا پتلا بن گیا۔

(۷)

اہلِ یورپ کا حقیقی خدا کوئی روحانی قسم کا نہیں ہے۔ ان کا معبود صرف مادی آسائش ہے، اور اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص ہیں جو دینی طریقہ پر سوچتے اور مذہبی احساس رکھتے ہیں، اور عقائد کو اپنی تہذیبی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ مستثنیٰ مثالیں ہیں۔ یورپ کا عام اور متوسط آدمی خواہ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتا ہو، یا فاشزم پر۔ سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، جسمانی مشقت کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا ہو۔ وہ ایک ہی مذہب رکھتا ہے۔ اور وہ مادی ترقی کی پرستش ہے۔ اور اس کی غایت حیات یہ ہے کہ، وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان، پُر راحت اور عام محاورہ

کے مطابق قدرت سے آزاد بنائے ــ اس مذہب کے معابد بڑے بڑے کارخانے۔ کیمیاوی دارالصنعت، تاج گھر اور بجلی کے مراکز ہیں ـــــ اس مذہب کے پیشوا، بنکوں کے افسر انجینیر اداکار اور بڑی بڑی صنعتوں کے ناظمین اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ یہاں اخلاقی انحطاط کا اندازہ اس ایک امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ ابھی تک اس بات پر متفق نہیں ہو سکے کہ "خیر" کیا ہے اور "شر" کیا ہے۔ انھوں نے اپنے سارے معاشی اور معاشرتی مسائل کو ایک اصول سے حل کرنے کی کوشش کی ہے، اور وہ ہے "عملی افادیت" اور یہ وہ حسینہ ہے جو اپنے کو ہر وقت اس شخص کے سپرد کرنے کے لیے تیار رہتی ہے، جو اسے حاصل کرنے کی ذرا بھی آرزو رکھتا ہو۔ قوّت اور مسرت کے اس چٹورپن کا لازمی اثر یہ ہے کہ ـــــ مغربی سوسائٹی ایسے متحارب گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئی ہے، جو کیل کانٹے سے لیس اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جب کبھی ان کے مفادات ٹکرائیں تو وہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں، تمدنی نقطہ سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہاں انسانوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کا اخلاق اس کے دنیاوی فوائد کا تابع ہے، اور جس کے نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار مادی کامیابی ہے ؂

(۸)

مادی ترقّی خواہ انسانی زندگی کے لیے کتنی ضروری اور فائدہ مند ہو، مگر اسے کبھی بھی منتہائے مقصود نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس لیے جو لوگ صرف خارجی ماحول یعنی معاشی، سیاسی، اور معاشرتی حالات میں تبدیلی کر دینے سے انسانیت کو آرام و سکون میسّر کرنے کے آرزو مند ہیں، وہ جنّت الحمقاء میں بستے ہیں۔

۵۔ اِسلام

اسلام، عام اصطلاح کے مطابق ایک مذہب نہیں، بلکہ ایک دین، ایک طرزِ زندگی، ایک اسلوبِ حیات ہے۔ یہ ایک محض دینیات کا مجموعہ نہیں، بلکہ انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا ایک ہمہ گیر پروگرام ہے، جس کی بنیاد شعورِ حق یا شعورِ ذاتِ باری پر رکھی گئی ہے ——— قرآن میں کفارہ کے مسیحی عقیدہ کی طرف کہیں خفیف سے خفیف اشارہ بھی نہیں ہے، نہ ہی اس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ انسان اور اس کی قسمت کے درمیان پیدائشی گناہ حائل ہے۔ قرآنِ پاک میں صاف صاف طور پر فرمایا گیا ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ   لیکن فائدہ بھی اسی کو ہو گا اور برائی کی ذرہ بھی اسی پر پڑے گی۔ (پ۳ - ع)

یہاں تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کرنے کے لیے کسی قسم کی رہبانیت اختیار کرنی نہیں پڑتی۔ پاکبازی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ گناہ کی حالت اس کی فطری حالت نہیں، بلکہ یہ درحقیقت انسان کی پیدائشی خصوصیات سے بغاوت ہے، جو خداوند تعالیٰ نے اس میں اوّل روز ہی ودیعت کر رکھی ہیں، یہاں انسانی فطرت کے بارہ میں کسی قسم کی دوعملی نہیں جسم اور روح دونوں سے ایک ہی طرح بحث کی گئی ہے، بلکہ دنیا کے معمولی معاملات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ جب ایک انسان جسم اور روح کا حسین امتزاج ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ۔۔۔ اس دین کامل میں انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں کا احاطہ نہ کیا گیا ہو۔ قرآن حکیم نے اپنے پیروؤں سے اس چیز کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ۔۔۔ یہ مادی زندگی ایک ارفع اور اعلیٰ زندگی کے لیے ایک ضروری منزل ہے۔ اور انسان کا حقیقی مقصد یا غایت الغایات روحانی ہی ہے۔ مادی خوش حالی اگرچہ کوئی بری چیز نہیں، لیکن یہ مقصود بالذات نہیں۔ اس بناء پر انسانی خواہشات کو اخلاق کے تابع ہونا چاہیے۔ اس اخلاق کا مقصد صرف یہی نہیں کہ ۔۔۔ خدا اور بندے کے تعلق کو استوار کرے، بلکہ

اس کا فرض یہ بھی ہے کہ انسان اور انسان کے تعلق میں بھی انسان کی رہنمائی کرے، وہ نہ صرف ایک فرد کی روحانی ترقی کا ضامن ہو، بلکہ وہ ایک ایسا ماحول پیدا کرے، جو انسانوں کے روحانی ارتقاء کے لیے ممد و معاون ثابت ہو، تاکہ پوری انسانی زندگی بہتر اور شادکام بن سکے۔

اسلام کے دوسرے معجزات کی طرح ایک بڑا معجزہ یہ بھی ہے، کہ اس نے جسم اور روح کی دوئی کو مٹا کر اسے ایک وحدت بنا دیا ہے اسی سے دین اور دنیا کی تفریق مٹی ہے اور حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں کے درمیان بُعد ختم ہوا ہے۔ اگر روح و مادہ کی ثنویت کو مانا جائے اور اسے مختلف اجزا میں بانٹ لیا جائے تو اس سے زندگی کی اصل حقیقت مسخ ہو جاتی ہے ہر دنیاوی معاملہ میں بھی نقطۂ نظر ایک ہے۔ نیت کا روحانی چشمہ گدلا ہو جانے سے اعمال کے اندر خلوص ختم ہو جاتا ہے۔ اور صرف یہ مادی زندگی منتہائے مقصود بن جاتی ہے۔ سیاست و اخلاق معیشت و روحانیت کی اسی تفریق کے باعث جدید تمدن اپنی روحانی قدر و قیمت کھو بیٹھا ہے اور اس کے جو تلخ نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔

بہرحال یورپ کی اندرونی وحدت جو پارہ پارہ ہو رہی ہے، ان کا اخلاق جس سرعت سے بگڑ رہا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی تہذیب کا مذہب صحیح سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس وقت کی سوسائٹی کا

نقشہ یہ ہے کہ وہ خدا کو اپنے سماج سے خارج کر چکے ہیں (
ان کی اکثریت شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی نہج پر سوچ رہی ہے کہ

چونکہ ہماری عقل، ہماری سائنس کے تجربات، ہمارے اعداد و شمار ہمیں زندگی، اس کے آغاز اور انتہا کے متعلق کوئی حتمی چیز بتانے سے قاصر ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنی ساری توجہ مادی اور عقلی ترقی پر صرف کرنی چاہیے، اور اپنا وقت اس قسم کے اخلاقی اصول اپنانے میں ضائع نہ کرنا نہ کرنا چاہیے، جو مافوق الطبیعی بنیادوں پر قائم ہوں اور جن کا کوئی سائنٹیفک ثبوت ہم مہیا کرنے سے قاصر ہوں۔"

مغربی سوسائٹی نے اگرچہ خدا سے واضح طور پر انکار تو نہیں کیا، لیکن اس کے نظام حیات میں کسی "ان دیکھے" خالق پر ایمان لانے کی گنجائش موجود نہیں ہے۔

۲۔ عیسائیت

چونکہ عیسائیت نے شروع ہی سے اپنے آپ کو دنیا اور اس کے سارے معاملات سے الگ کر لیا تھا، اس لیے وہ اس قابل نہ تھی کہ

مغربی تہذیب کو وہ کوئی اخلاقی تہذیب بنا سکتی ۔ اس کے پیروؤں کے ذہن میں یہ خیال بالکل راسخ ہو چکا تھا کہ، مذہب کو انسان کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک مذہب کا فرض ایسی قدر تھا کہ وہ انسانوں کے اندر ایک انفرادی اخلاق پیدا کر دیں اور وہ بھی صرف شہوت رانی پر پابندی کی حد تک ۔ ان کے اس طرز فکر کو کلیسا کے پرانے طرزِ عمل سے غذا ملی جس نے خدا اور قیصر کے حصول کو الگ الگ کر کے صرف خدا کے متعلق بحث کی تھی اور سیاست اور معیشت کو قیصر کا حصہ سمجھتے ہوئے اس سے اپنے آپ کو بالکل بے تعلق کر رکھا تھا ـــــ چونکہ عیسائیت نے اپنے ماننے والوں کو "امور دنیا" کے بارے میں کوئی رہنمائی نہ دی، اس لیے عیسائیت اپنے اس اصلی مشن میں ناکام رہی ـــــــــ حالانکہ اس کا حقیقی مقصد یہ ہونا چاہیے تھا کہ ـــ وہ نہ صرف لوگوں میں نیکی کا شعور پیدا کرے، بلکہ انھیں نیکی پر چلنے کا راستہ بھی بتلائے ۔

بہر حال یورپ کے رہنے والوں میں اب چونکہ یہ عام احساس پیدا ہو رہا ہے کہ ـــ ان کا مذہب ان کی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا اس لیے عیسائیت پر سے ان کا اعتماد قریب قریب اٹھ گیا ہے اور اس کے ختم ہونے کے ساتھ ان کا اس چیز پر بھی ایمان نہیں رہا، کہ یہ

کائنات کسی بہت بڑے مدبّر کی تدبیر کا نتیجہ ہے۔ ایمان و ایقان کے اس زیاں کی وجہ سے وہ اب ایک قسم کے مکمل اخلاقی و روحانی خلا میں زندگی بسر کر رہے ہیں ؎

بہر حال یہ دنیا اب شورشوں اور بغاوتوں کی دنیا ہے۔ خونریزی تباہی زبردست آزادی جن کی کوئی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی وہ اس تہذیب کے نوامیس عالیہ میں روایات کے بدھن اب ٹوٹ رہے ہیں۔ مقاصد حیات ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ زندگی کے لیے نئے نئے راستوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش ہو رہی ہے۔ عالمگیر جنگ کے بطن سے بہت چھوٹی چھوٹی جنگوں نے جنم لیا۔ بہت سے انقلابات و تباہ کاریاں دیکھنے میں آئیں، یہ ناکامیاں اس کی شاہد ہیں کہ مادی اور صنعتی ترقی پر اعتماد اس انتشار اور آنارکی کی کیفیت کو نظم میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے صرف روٹی ہی درکار نہیں۔ لوگ ابھی تک اس غلط فہمی کے شکار ہیں کہ انسان آہستہ آہستہ اپنی مشکلات پر قابو پا لینے میں کامیاب ہو جائے گا، لیکن حالات یہ ہیں کہ

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی !

تہذیب جدید دجّال کی طرح کانی اور یک رخی ہے، وہ صرف انسان کے ایک پہلو یعنی مادی ترقی کی طرف دیکھتی ہے اور اس کے روحانی پہلو کو بالکل نظر انداز کرتی ہے، اس نے صنعتی کمالات کی وجہ سے انسانوں کو طبعی استعداد سے کہیں زیادہ بڑھ کر دیکھنے اور سننے کے قابل بنا دیا ہے، وہ اب زیادہ فاصلے کو تھوڑے عرصے میں طے کر سکتے ہیں۔ اس کی مادی ترقی نظر کو اس قدر خیرہ کرنے والی ہے کہ جن لوگوں کا ایمان کمزور رہے انھوں نے اس کو خدا تسلیم کر لیا ؛

اس امر کا انھیں یقین ہے کہ یہ تہذیب انھیں راحت اور حقیقت سے ہم کنار کر دے گی۔ اٹھارہویں و انیسویں صدی میں انھوں نے دنیا کے اطراف و اکناف میں عیسائیت کو پھیلانے کے منصوبے بنائے — لیکن اب ان کا مذہبی جوش اور ولولہ سرد پڑ گیا ہے کہ —— اس کی حیثیت پس پردہ ساز کی سی رہ گئی ہے، جو بجتا تو ہے مگر ان کی زندگی کو متاثر نہیں کرتا —— ان لوگوں نے اب زندگی کے مادی نظریہ کی اشاعت شروع کی ہے — ان کا عقیدہ اب یہ ہے کہ دنیا کے سارے مسائل کا رخانوں تجربہ گاہوں، ماہرین شماریات کی میزوں پر حل کیے جا سکتے ہیں ؛

مغربی انسان نے درحقیقت دجّال کی پرستش شروع کر دی ہے، عرصہ ہوا وہ شریعت کو چھوڑ بیٹھا ہے، اس کا اب فطرت سے تعلق باقی

نہیں رہا۔ زندگی اس کے لیے ایک معمہ ہے۔ وہ شک کی بیماری میں مبتلا ہے۔ وہ اپنے عزیز و اقارب حتیٰ کہ اپنے آپ سے بیگانہ ہے۔ اپنی اس تنہائی کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کو خارجی ذرائع سے مفتوح کرے اس کا محض زندہ رہنا اسے اندرونی طور پر اطمینان اور تسکین عطا نہیں کر سکتا چونکہ اس کا اپنے خدا سے رشتہ منقطع ہو گیا ہے، اس لیے اس نے اپنی رفاقت کے لیے مشین کو منتخب کیا ہے۔ وہ اب اپنی ساری توجہ اسی پر صرف کر رہا ہے، لیکن اس نے اس کے لیے نئی ضروریات اور نئے خطرات پیدا کر دیے ہیں۔ مشین کا پہیہ اب اس کا خدا ہے ـــ لیکن اس نئے مذہب کے پروہت اور پادری غالباً اس حقیقت سے واقف نہیں کہ یہ حیرت انگیز صنعتی ترقی علم کے اضافہ اور وسعت کا نتیجہ نہیں بلکہ روحانی ناکامی اور مایوسی کا اثر ہے اور یہ حیرت انگیز مادی کمالات جن کی موجودگی میں انسان یہ گمان کر بیٹھا ہے کہ ـــ وہ فطرت کو مسخر کر لے گا ـــ درحقیقت ایک مدافعانہ انداز فکر کے ترجمان ہیں۔ اس کے چمکتے ہوئے "ظاہر" کے پیچھے ایک "نامعلوم" کے وجود کا احساس انگڑائیاں لے رہا ہے۔ (ماخوذ)

سائنس درحقیقت ایک مؤثر آلہ اور قوت ہے۔ جس کو حق اور باطل دونوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر جو سائنسدان بوجوہ مذکورہ بالا

خدا سے اور مذہب کے بنیادی اصولوں سے منحرف ہو گئے تھے انھوں نے سائنس وغیرہ کو اپنے مطالب کے لیے استعمال کیا، اور ان کے ساتھ دنیا کی مادی طاقتیں تھیں، اور دنیا کا یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ ؎

ہر کہ شمشیر زند سکّہ بنامش خوانند

یعنی فیصلہ اس کا مانا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں طاقت ہو۔ طبعاً انسان اس کی طرف مائل ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں دنیا کی دولت ہو اور قوت جاہ بھی رکھتا ہو۔

اس کا علاج یہ ہے کہ یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ "حق" اپنی جگہ خود معیار شرافت ہے، اور دولت و مادی قوت سے زیادہ قوت اور معنویت اسی میں ہے اور پھر حق کی ترویج اور دنیا میں اس کو قائم کرنے کے لیے سائنس اور دیگر ذرائع کو کام میں لایا جائے تاکہ دنیا میں امن و سلامتی قائم ہو کائنات کے آثار کا مشاہدہ اور ان کے اسرار کی تحقیقات وغیرہ کوئی چیز بھی دین آسمانی کی ضد نہیں ہے، علمی تحقیقات و ایجادات اور ارتقائی حالات، حق و باطل میں اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ مادی ذرائع اور علمی ترقیات کی ضرورت جتنی باطل کو ہے، اتنی بلکہ اس سے زیادہ حق کو بھی ہے۔ اور شیطان بھی ان کا اتنا ہی محتاج ہے جتنا ایک کلمہ حق کا داعی۔

اصطلاح تمدن میں جس کا نام ترقی ہے، وہ تکمیل ضروریات کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اپنی ضروریات و تکمیل ضروریات کے لحاظ سے ہر دور ترقی کا دور ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر دور اپنے ماضی کی نسبت سے شاندار اور مستقبل کے اعتبار سے پست اور تاریک ہوتا ہے۔ گویا ترقی حاجتوں کی فراوانی کا دوسرا نام ہے۔ ہونا بھی یہی چاہیے، کیونکہ انسان سراپا احتیاج ہے اور حاجتوں کے ظہور سے انسان کے فال کمالات البتہ ہیں۔

جو لوگ مذہب کی غرض صرف مادی ترقی قرار دیتے ہیں وہ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ روح اور مادہ کے فرق کو نہیں سمجھتے اور دونوں کی حدود سے غافل ہیں ــــ مادی ترقیات، روح و خدا کے انکار کے بعد بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان مسائل میں عقل انسانی مکتفی ہے۔ ضروریات انسانی ان کے محرک، اور میدان عمل بہت وسیع ہے ــــ مگر روح و مذہب کے معاملے میں انسانی دراز دستیاں ناکارہ، عقل ناکام اور میدان عمل نامعلوم۔ یہاں اقرار خدا اور معلم مذہب کے اتباع سے مفر نہیں۔ اسی لیے قرآن مجید مطالعہ فطرت پر زور دینے کے بعد بھی اس کی کوئی تفصیل نہیں بتاتا اور نہ کوئی معلم مذہب یعنی پیغمبر مخصوص طبعیات و کیمیات کی تعلیم کے لیے مبعوث ہوئے۔ برخلاف فطرت کے اجمالی احکام دے کر عقائد و اعمال

مذہب کی تفصیلات بیان کرنے کی ذمہ داریاں ان کے سپرد ہیں ؛
واقعات و مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ مادیات کے حدود میں انسانی
صلاحیتیں ناکامی سے کامیابی کی طرف یوماً فیوماً بڑھتی جارہی ہیں۔ ایک
غلطی کی تصحیح دوسرا فرد کر دیتا ہے۔ عناصر کو شکست و ریخت اور جمع و
ترکیب کی حد تک انسان بڑا قادر و توانا ہے ـــ مگر روحانیت کے
مسائل میں اس کی عقل کچھ ایسی کوتاہ دست و سست قدم ہے کہ بیرونی
کی رہنمائی کے بغیر آگے بڑھتی نظر نہیں آتی۔ بڑے سے بڑا فلسفی و
سائنس دان جب مادی ادراک کے منازل طے کر کے روحانیت کی سرحد
پر جا کر کھڑا ہوتا ہے تو وہ روح کی اہمیت اور خدائے کائنات کے اقرار
میں اس کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ مگر اللہ سے لے کر بھی (خود انسان و خدا
کے درمیان رشتے کا سراغ لگانے سے بالکل مجبور ہے ؎

چوں خدا اندر نیاید در عیاں ؛ نائبِ حق اند ایں پیغمبراں

۷ ـــ کمالیّت انسان

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان کے صحیح مقام و مرتبہ کا
تعیّن ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہوتا ہے، یعنی جسم اور جسمانیات میں

ترقی کرنے سے کمال حاصل نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی کمالیت اس کے باطن اور روح کے ساتھ وابستہ ہے۔ خارج میں جو انتسابات ہوتے ہیں۔ دراصل ان میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور نہ ان کی بنا پر ہم کسی کے کمال پہ مُہر تصدیق ثابت کر سکتے ہیں، مثلاً کسی کی فربہی، تنومندی، درازقدی، ماہ طلعتی جامہ زیبی، زیب وزینت اور شان وشوکت وغیرہ سے کسی کی عظمت میں عقل مندوں کے نزدیک کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی قیمت پر انھیں صاحب مجد وشرف کہا جا سکتا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جہاں تک ان ظاہری تکلفات اور اوصاف کا تعلق ہے، انسان اور حیوان دونوں ایک سطح پر نظر آتے ہیں۔ موازنہ ومقابلہ کی صورت میں ہمیں بلا تامل یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک انسان اپنے ظاہری اوصاف میں ایک حیوان سے کہیں فروتر ہے نہ اس میں حیوان کی سی فربہی ہے، نہ تنومندی، نہ درازقدی ہے ؎

ماننا پڑے گا کہ ایک انسان کی عظمت کا دارومدار اگر کسی چیز پر ہے، تو وہ صرف باطنی تشخصات اور روحانیت پر ہے۔ اس کے کمال کی آئینہ داری داخل سے ہے، نہ اس کے خارجی ڈیل ڈول سے۔ خارج میں تو یہ اتنا بے بس و بے کس ہے کہ ایک حقیر ترین دشمن پر بھی اس کا قابو نہیں چلتا۔ لیکن جب باطن اوصاف ظاہر پہ پرتو ڈالتے ہیں، تو اس کے اندر اتنی توانائی آ جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے پسپا نہیں کر سکتی ؎

ظاہرش را پشہ آرد بچرخ ✧ باطنش آمد محیط ہفت چرخ

ہم نے مادہ اور روح - اور مادی و روحانی طاقت سے دوسری جگہ اپنے اسی مجموعہ میں سائنس اور اسلام کے عنوان کے تحت مفصل بحث نقل کی ہے - اور یہ ثابت کیا ہے کہ مادی ترقی روحانی ترقی کے مقابلے میں ہیچ ہے اور روحانی طاقت کے مقابلہ میں مادی طاقت کوئی وزن نہیں رکھتی

---

۸ — اشتراکیت پر ایک سرسری نظر

کمیونسٹ فکر نے طبقہ بندی ختم کرنے کے لیے (اپنے پروگرام کو تین اجزا پر شامل کیا) (۱) قومی ملکیت - (۲) معاشی مساوات - (۳) مزدور راج ——— ان تین اصولوں کو اپنے پروگرام کی بنیاد بنایا تھا لیکن یہ اصول یا تو قطعی طور پر ناکام ہو گئے، یا جس افادیت کی توقع ان سے کی گئی تھی، وہ حاصل نہیں ہو سکی - کیوں کہ ایک خدا ناآشنا (بلکہ خدا پرستی سے چڑ رکھنے والی) سوسائٹی ، اور مستقل اخلاقی حدود سے انکار کرنے والے انسانوں میں سرے سے یہ ممکن ہی نہیں کہ طبقہ بندی ختم ہو جائے ——— کیونکہ کائنات اور انسان کے غلط مطالعہ کے تحت جو اصول نظام زندگی کی تاسیس کے لیے اختیار کیے جائیں گے ——— وہ فطرۃً غلط ہوں گے - اسی وجہ سے یہ

پروگرام بیش بہا قربانیوں اور تیس سال کی محنتوں کے باوجود اس سرزمین میں ناکام ہوا جہاں اس کا مکمل تجربہ کیا گیا ہے۔

قومی ملکیت ——— افرادِ انسانی کی خودی کی کامل نفی کا دوسرا نام ہے، جس کے اختیار کرنے کی وجہ سے کمیونزم نے انسان کی تربیت کرنے اور اسے ایسے عقائد اور ایسی سیرت سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا جو اسے اندر سے بدلے، اور ایک قابلِ اعتماد ہستی بنائے۔ بلکہ اسکی بجائے اصلاح کو باہر سے لادنا چاہا اور زبردستی قومی ملکیت کے اصول کو معاشرہ انسانی پر نافذ کر کے انسانوں کی حیثیت کو دھوبی کے بیل، اِکہ بان کے گھوڑے اور کمہار کے گدھے کی سی بنا دی۔ یہ انسانی سوسائٹی کے ساتھ ذلیل ترین کارروائی ہے جو آسمان کے نیچے روا رکھی جا رہی ہے۔

کامل معاشی مساوات جب اس غیر فطری تصور کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، تو پہلے قدم پر ہی شکست کا اعتراف کرنا پڑا؛ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ اشتراکیت کے معاشی مساوات کی معیارِ زندگی ہمارے سامنے ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ معاشی مساوات کا نعرہ بلند کر کے دنیا کی آنکھوں میں جرأت بیباکانہ سے خاک جھونکی جا رہی ہے!

معاف کرنا، جس دین کے اولین مبلغ اور سابقون الاولون اپنے دین کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، اس کے تابعین اور تبع تابعین آخر کہاں تک زمین

پر قائم کر دکھائیں گے۔ اس جنت مساوات میں روز کی روٹی کھانے والے بھی ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو وہ لوگ بھی ہیں جن کی بچتیں کئی کئی ہزار روبل کی مقدار میں خود حکومت کے بنکوں میں موجود ہیں اور ان پر سود دیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ بچتیں کالے کاروبار کرنے میں بھی کثرت سے استعمال کی جاتی ہیں۔ جن کا اعتراف حکومت کے ایک بیان میں کیا گیا ہے۔ پھر اس جنت میں بالکل اسی طرح پیدل چلنے والے اور موٹر کاروں کے مالک پہلو بہ پہلو ہمارے ملکوں جیسے پائے جا رہے ہیں۔

مزدور راج

عقل اسے تسلیم ہی نہیں کر سکتی کہ کوئی سٹیٹ متوسط اور بالائی طبقہ کے ذہین عناصر کو درکنار رکھ کر کارخانوں کے مزدوروں اور کھیتوں میں پسینہ بہانے والے کسانوں کو تمدن و سیاست کی باگ ڈور سونپ دے۔ مخلصوں نے پہلے یہی سوچا تھا۔ غیر مزدوروں کو زندگی میں مداخلت کرنے سے الگ رکھنا چاہا تھا، لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس طرح کام نہ چلے گا، چنانچہ پھر سرمایہ دار اور متوسط خاندانوں کے نوجوان ہی بھرتی کرنے پڑے ——— پس مزدور راج، روس میں بھی اسی معنی میں ہے، جس معنی میں امریکہ میں عوام کا راج ہے۔ یعنی مزدور ووٹ دیتے ہیں اور ان کے ووٹوں پر غیر مزدور راج کرتے ہیں۔

الحاصل نظام کوئی بھی ہو، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ہر سوسائٹی میں

کچھ لوگ دماغ، مال، اثر و رسوخ اور اختیارات کے لحاظ سے فوقیت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور کچھ ان پہلوؤں میں پسماندہ ہوتے ہیں ——
اب اوپر والے قوی طبقہ کو آخر کون سی قوت ایسی ہے جو نیچے والے کمزور طبقہ سے ناجائز فائدے حاصل کرنے سے ساری عمر روک رکھے؟
صرف آپ ایک قانون کی طاقت کو سامنے لا سکتے ہیں، لیکن یہ ہمیشہ عاجز رہا ہے۔ ماہرین فن نے قانون کے سائے میں قانون شکنیاں کرنے کے سینکڑوں ڈھنگ ایجاد کیے ہیں ——— باقی رہی رائے عام! سو جتنی آسانی سے رائے عام کو دھوکے دیے جاتے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے محض رائے عام بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

درحقیقت انسان کو قوت و اختیار کے غلط استعمال سے روکنے والی اصل چیز داخلی اخلاقی احساس ہے۔ لیکن جب آپ نے اس احساس کی بنیاد یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرہ ہی کو اکھیڑ ڈالا تو انسان کو دانستہ بدیوں سے روکنے والی چیز کون سی رہ گئی۔

چنانچہ کمیونزم کے نظام لادینی میں اگر ایک قسم کی طبقہ بندی ختم ہوئی تو اس نے دوسرے پیرایہ میں ظہور کیا . . . . . . اگر یہاں دو طبقات مستقل نشو و نما پا چکے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جسے استعمال کیا جا رہا ہے اور دوسرا وہ ہے جو ایک لمٹیڈ فرم بنا کر پہلے طبقوں کی کمائیوں کو ایک

مرکزی فنڈ میں جمع کرنے کے بعد حسب منشا اس کا بٹوارہ کرتا ہے ورکرز کماتے ہیں اور اہل دماغ کھاتے ہیں ــــ مشکل یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور سرمایہ داری کے خلاف ( ) انقلاب اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن روس میں اہل دماغ کے خلاف ورکرز کے لیے انقلاب اٹھانے کے سارے دروازے بند ہیں اور ان پر کڑے پہرے قائم ہیں ؟

آپ مخالفین کے الزامی پراوپیگنڈے کے شکوے کو چھوڑئیے لیکن یہ تو آپ بھی تسلیم کریں گے کہ، جس معاشرہ کے نظام زندگی میں "حق اور عدل" کا جوہر صاف صاف جھکتا ہوا موجود ہوگا ـــ اس کی روش سرمایہ دار ممالک سے قطعاً متضاد ہوگی ــــ اب اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے بعد بتائیے کہ کیا فی الواقع روس بین الاقوامی فضاؤں میں کوئی ایسی پاکیزہ پالیسی لیکر آیا ہے، جو امریکہ و برطانیہ کی پالیسی کے مقابلے میں اپنی اخلاقی فضیلت کو نمایاں کر رہی ہو!

کیا روس جوڑ توڑ، سازباز، نفع پرستی، کمزور آزاری، دھینگا مشتی اور نمائش کاری کے ٹھیک انہی ہتھیاروں سے مسلح نہیں ہے، جن سے امریکہ و برطانیہ مسلح ہیں؟ کیا روس نے اقوام متحدہ کے ادارے میں کارروائیوں میں حصہ لیتے ہوئے اپنی حق پرستی اور عدل پسندی کا ثبوت سرمایہ دار ممالک سے کسی طرح زیادہ پیش کیا ہے؟ ـــ یقیناً نہیں۔ تو پھر جس طاقت کے

معاملات گھر سے باہر غلط اصولوں پر چل رہے ہوں۔ اس کے اندرونِ خانہ کے ہنگامے آخر کیسے پاکیزہ اصولوں کے مظہر ہو سکتے ہیں۔ آپ کا اپنے ملکوں کو آہنی حصار بنا دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے اندر عالمی ضمیر کو مطمئن کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اپنے اعمال کے مظاہر کو اس طرح ملفوف رکھنا اس بات کی دلیل نہیں بن جاتا کہ وہ صحت مند بھی ہیں۔

بہرحال سرمایہ داری اور کمیونزم نظام جو اس وقت سروں پر چھایا ہوا ہے۔ اس سے دنیا کے ہر گوشے میں خطرناک مفاسد پیدا ہو رہے ہیں، اور ہر جگہ سے اس کے خلاف احتجاج کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں ـــ یہ نظام افراد، جماعتوں اور قوموں کو دولت پرست بناتا ہے ـ دولت کو چند مرکزوں میں سمیٹنا اور اس کی گردش کی رفتار کو گھٹاتا۔ امیر کو امیر تر، غریب کو غریب تر بناتا ہے ـ معاشی ناہمواریاں پیدا کرتا ہے ـ سوسائٹی کو طبقات میں بانٹ کر باہم لڑاتا ہے ـ بین الاقوامی فضائیں جنگوں کے طوفان پیدا کرتا ہے۔ طاقتوروں کو کمزوروں کی صیادی میں مبتلا کرتا ہے ـــ اس نظام کے تحت خدا پرستی، اخلاق، امن وسکون، اخوت ومساوات وغیرہ کے پنپنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ چنانچہ ہر روز اس کے کرشمے دیکھے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت اس سے انکار کر رہی ہے ؎

۹۔ معاشی اور سیاسی اصلاح کا مختصر اسلامی نقشہ

یہاں یہ معاملہ نہیں ہے کہ کوئی سطحی جذباتی نعرہ لے کے "توڑ پھوڑ دو" کا ایک پروگرام اختیار کیا گیا ہو۔ یا اندھا دھند ہر مرض کا علاج قومی ملکیت کو قرار دے دیا گیا ہو! بلکہ یہاں اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ ــــ انسان کے حقِ آزادی اور حقِ ملکیت کو سلب کیے بغیر اور اس پر پوری اصلاح باہر ہی باہر سے بالجبر مسلّط کیے بغیر سوسائٹی کو ایک ایسا نظامِ عدل فراہم کر دیا جائے، جس کے تحت معاشی ناہمواریوں کا وجود برقرار نہ رہ سکے ــــ اس اسکیم کے تحت انسانی طبقات کو لڑانے کی بجائے ان میں تعاون پیدا کر کے بغیر کسی خون خرابے کے ایک تدریج سے ہمہ گیری انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

یہ اسکیم چار اجزاء پر مشتمل ہے۔ (۱) ذہنی اعتقادی اصلاح ۔ یعنی آدمی کے طرزِ فکر اور زاویہ نگاہ کو تربیت سے ایسا بنا دینا کہ ایک ایک فرد رضا کارانہ طور پر اس نظامِ عدل کا پرزہ بننے کے قابل ہو جائے۔ (۲) دوسرا جزو تعمیرِ اخلاق ہے، یعنی ایسے اخلاق کا بیج بو دینا جو خیر و صلاح کے برگ و بار لاتے ہیں۔ (۳) تیسرا جزو یہ ہے کہ، با اخلاق افراد سے ایک ایسا صالح معاشرہ تعمیر کرنا جس کے ماحول میں مفاسد خود بخود مرتے ہیں اور بھلائیاں خود بخود نشو و نما پاتی ہیں۔ (۴) اس اسکیم کا چوتھا جزو یہ ہے کہ، "قانونی تدابیر

سے ان رخنوں کو بند کرنا جن سے کوئی بگاڑ سر اٹھا سکتا ہو۔

جس طرح سیاست اور معاشرت کے لیے اسلام کا اصلاحی پروگرام انھیں چار اجزا پر مشتمل ہے بالکل اسی طرح اقتصادی اصلاح کا اسلامی پروگرام بھی انہی چار اجزا سے مرکب ہے۔ اس کو تفصیلاً انشاء اللہ دوسرے حصہ میں بیان کیا جائے گا۔

اس پورے پروگرام پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس وسیع اور دور رس حکمت سے پوری منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ اس کی تشریح آگے آئے گی۔ (ماخوذ)

۱۰- اشتراکیانِ روس کو عالمگیر تعمیری انقلاب کی دعوت اور عالمگیر پروگرام کی پیشکش

(علامہ اقبال مرحوم کا نظریہ)

(۱) روس را قلب و جگر گردیدہ خوں ۔ از ضمیرش حرفِ لا آمد بروں

روس کا دل اور جگر خون ہو چکا ہے اسی لیے تو اس کا ضمیر پکار اٹھا "لا"

(۲) آں نظامِ کہنہ را برہم زد است ۔ تیز نیشے بر رگِ عالم زد است

اس نے نظامِ کہنہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور دنیا کی رگ پر تیز نشتر چلایا

(۳) کردہ ام اندر مقاماتش نگہ ٭ لا سلاطیں لا کلیسا لا الٰہ

میں نے ان کے تخیل کا تجزیہ کیا ہے کہ اس میں بادشاہت اور خدائی سب کا انکار ہے

(۴) فکرش اندر تند باد لا بماند ٭ مرکب خود را سوئے الا نہ راند

اس کا یہ تخیل انکار (لا) کی آندھی میں ہی رہ گیا، اس نے رہوار تخیل کو مثبت پہلو (الا) کی طرف جولانی نہ دی

(۵) آیدش روزے کہ از جوش جنوں ٭ خویش را از تند باد آرد بروں؟

ایکدن ایسا بھی آئیگا کہ جوش جنوں کے باعث، اپنے آپکو اس تاریک آندھی سے باہر نکالے گا

(۶) در مقام لا نیا ساید حیات ٭ سوئے الا مے خرامد کائنات

کیونکہ کائنات منفی پہلو کا سہارا نہیں لے سکتی، کائنات کے لیے ہمیشہ مثبت پہلو کی ضرورت ہے

(۷) لا و الا ساز و برگ امتاں

ہر قوم کے لیے منفی پہلو (لا) کے ساتھ مثبت پہلو (الا) کی بھی ضرورت ہے

نفی بے اثبات مرگ امتاں

کیونکہ محض نفی (لا) پر قانع ہو کر رہ جانا قوم کی تباہی کا سبب ہوتا ہے

برادرانِ انسانی! اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں یہ بات عرض کرے کہ میں آپ کو ایک ایسی بہترین بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کے اختیار کرنے میں آپ کا، بلکہ ساری انسانیت کا فائدہ اور بھلا ہے مزید براں یہ کہ زمانہ موجودہ بھی اس بات کا شدت سے تقاضا کر رہا ہے اور دنیا جس چیز کی تلاش میں ہے وہ "امرت رس" بھی درحقیقت یہی بات

ٹھہرتی ہے؟ ہاں تو کیا آپ حضرات اس شخص کی ایسی بات سننے اور اس میں غور کرنے سے انکار کر دیں گے؟ ہرگز نہیں لیکن اس کے پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری گذارش یہ بھی ہے کہ آپ اپنے دلوں، دماغوں کو جانب داری اور تعصبات کی آلائشوں سے صاف اور ہر نفسانی جذبات سے خالی فرما لیں، نہایت ہی سادہ مزاج اور ٹھنڈی طبیعت سے اس بات کو سنیں، اور اسی طرح اس میں غور بھی فرمائیں ۔ یہ اس لیے عرض کرنا ضروری خیال کیا گیا کہ جو بات پیش کی جانے والی ہے ۔ اس کا عنوان اور معنون دونوں ایسی چیزیں ہیں جس کے متعلق آپ کی طبیعتوں میں کافی کبیدگی اور نفرت بیٹھ چکی ہے اس لیے آپ کی طرف سے نہایت بردباری اور کشادہ دلی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے چوٹی کے عقل مند بڑے بردبار اور وسیع القلب لوگوں کی شناخت یہی ہے کہ وہ ہر ایک کی بات کو سنجیدگی سے سنتے ہیں اور انصاف پسندی سے اس میں غور کرتے ہیں۔ ذاتی رجحانات اور اپنے نفسیاتی میلانات سے مغلوب نہیں ہوتے ۔

پس اس تمہید کے بعد جس مقصدی بات کا پیش کرنا ہے، اس کا عنوان ہے مذہب اور اس کا معنون ہے اسلام ۔ یعنی آپ کی خدمت میں مذہب اسلام کو پیش کرنا مقصود ہے ۔

اسلام دنیا کی معاشی اور سیاسی مشکلات کا بہترین حل پیش کرتا ہے

یہ وہ بہترین چیز ہے جس کو پہلے بھی ایک بہت بڑے فلسفی، متبحر عالم سیاست حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ۱۹۲۲ء میں روس پہنچ کر جب کہ بالشویکی انقلاب پورے زور پر تھا۔ بالشویکی تحریک کے سرگرم قائدوں کے سامنے بلکہ بقول بعض خاص ڈکٹیٹر سٹالن آنجہانی کے سامنے بھی اسلام کو پیش کیا اور بتلایا کہ اسلام دنیا کی معاشی اور سیاسی مشکلات کا حل کمیونزم سے زیادہ بہتر طریقہ سے پیش کرتا ہے۔ سٹالن آنجہانی نے مولانا موصوف کو جواب میں یہ بات کہی کہ ــــ مولانا ممکن ہے یہ بات صحیح ہو، لیکن کیا آپ ایک چپہ بھر زمین کا پتہ دے سکتے ہیں جہاں قرآن اور سنت کا نظام رائج ہو اور دیگر بالشویکی انقلابیوں نے یہ تمنا ظاہر کی کہ اگر کسی خطہ زمین میں اسلامی نظام پر حکومت ہوتی تو ہم اس کو قبول کر لیتے۔ اسی نظام پر یہاں بھی حکومت قائم کرتے۔

اس واقعہ سے یہ بات ٹپک رہی ہے کہ آپ حضرات کو کسی مذہب کے ساتھ محض مذہب ہونے کی بناء پر دشمنی یا نفرت نہیں ہے؛ ورنہ سٹالن آنجہانی اور دیگر بالشویکی تحریک کے علمبرداروں کا جواب یہ نہ ہوتا جو اوپر نقل کیا گیا ــــ بلکہ جواب یہ ہوتا کہ مولانا جبکہ ہم تو نفسِ مذہب ہی کے خلاف ہیں تو پھر اسلام اور غیر اسلام کے کمیونزم سے بہتر ہونے یا نہ ہونے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن ان حضرات نے یہ رویہ اختیار نہیں کیا، بلکہ مولانا مرحوم کی باتوں کو غور سے سنا اور سنجیدگی سے ان میں غور کیا، اور پھر نظام اسلام کو پسند بھی کیا، مگر عذر ایسا معقول پیش کیا، جس پر مولانا اپنے تاثر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ـــ اس موقع پر مجھے اشکبار آنکھوں سے خاموش ہونا پڑا۔ معلوم ہوا کہ مطلق مذہب کے ساتھ جو آپ کی طبیعتوں میں کبیدگی اور نفرت جاگزیں ہوئی ہے وہ خارجی وجوہات اور اسباب پر مبنی ہے؛ نفس مذہب سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ پس ہم بھی انہی وجوہات و اسباب کو مدنظر رکھ کر آپ کے سامنے اسلام کو پیش کر رہے ہیں؛ کسی چیز سے نفرت یا انکار بلاوجہ نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے دواعی اور اسباب ہوتے ہیں۔

۱۱ـ حریت پسندوں کی جنگ

نشأۃ جدیدہ کے عہد میں جب یورپ، کی نئی علمی تحریک رونما ہوئی تو اس تحریک کا مقابلہ ان مذہبی عیسائیوں سے ہوا جنھوں نے اپنے مذہبی معتقدات کو قدیم یونانی فلسفہ و حکمت کی بنیادوں پر قائم کر رکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس مذہب کی بنیاد ایسے فلسفہ و حکمت وغیرہ پر رکھی جائے گی جو تغیر پذیر چیزیں ہوں ـ ایسا مذہب نئی ارتقائی تحریکوں کے مقابلہ میں کب ٹھہر سکتا ہے ـــ پس جب

ان مذہبی لوگوں نے اس نئی علمی تحریک کو قوت سے روکنا چاہا، تو یہ تحریک جو حقیقی بیداری سے پیدا ہوئی تشدد سے دبنے کی بجائے اور بڑھتی چلی گئی، حتیٰ کہ حریت فکر کے سیلاب نے مذہبی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد نفس مذہب خواہ وہ کوئی مذہب ہو اس تحریک کا مدمقابل قرار دیا گیا۔ اور نئی تحریک کے علم برداروں نے لازم سمجھا کہ، خدا یا کسی فوق الطبیعت ہستی کو فرض کیے بغیر کائنات کے معمے کو حل کیا جائے اور ہر اس طریقہ کو خلاف حکمت قرار دیا جائے جس میں خدا کا وجود فرض کر کے مسائل کائنات پر نظر کی گئی ہو۔۔ بہرحال خدا۔ روح۔ روحانیت اور فوق الطبیعت کے خلاف ایک تعصب پیدا ہو گیا، جو عقل و استدلال کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ سراسر جذبات کی انگیختگی کا نتیجہ تھا۔۔۔ وہ خدا سے اس لیے بیزار تھے کہ وہ ان کی آزاد خیالی کے دشمنوں کا معبود تھا۔ ورنہ وہ خدا سے اس لیے تبرّی نہ کرتے تھے کہ دلائل و براہان سے اس کا عدم وجود اور عدم وجوب ثابت ہو گیا تھا۔۔ بعد کی پانچ صدیوں میں ان کی عقل و فکر اور ان کی جد و جہد نے جتنا کام کیا اس کی بنیاد یہی غیر عقلی جذبہ تھا۔

غرضیکہ وہ تخم جو مغرب کی نشأۃ ثانیہ کے زمانہ میں بویا گیا تھا۔ چند صدیوں کے اندر ایک غیر فطری تمدن و تہذیب کا ایک عظیم الشان شجر بن کر سارے یورپ پر پھیل گیا اور اس کی شاخیں یورپ سے باہر بھی تمام

دنیا تک پہنچ گئیں ۔

لیکن اب اہل یورپ بھی اس شجر سے (جس کو اپنے ہاتھوں لگایا تھا) بیزار ہیں! اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کر دی ہیں جن کو حل کرنے میں ہر کوشش بہت سی الجھنیں پیدا کر دیتی ہے۔ سرمایہ داری پر تیشہ چلا تو اشتراکیت نمودار ہو گئی، جمہوریت پر ضرب لگائی تو ڈکٹیٹرشپ پھوٹ نکلی۔ اجتماعی مشکلات کو حل کرنا چاہا، تو نسوانیت پھوٹ نکلی اور برتھ کنٹرول کا ظہور ہوا۔ اخلاقی مفاسد کا علاج کرنے کے لیے قوانین سے کام لینے کی کوشش کی، تو قانون شکنی اور جرائم پیشگی نے سر اٹھایا۔ غرضیکہ فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ جو تہذیب و تمدّن کے اس (درخت) سے نکل رہا ہے، اور اس نے مغربی اور غیر مغربی زندگی کو از سرتاپا مصائب و آلام کا ایک پھوڑا بنا دیا ہے، جس کی ہر رگ میں ٹیس اور ریشے میں دکھن ہے۔ اب مغربی قومیں درد سے بیتاب ہیں اور ان کے دل بیقرار ہیں، اور ان کی روحیں کسی "امرت رس" کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ مگر انھیں خبر نہیں کہ "امرت رس" کہاں ہے ۔

۱۱ - مذہب کی تلاش

یہی وجہ ہے کہ مذہب کا انکار جسے روشن خیالی کی دلیل سمجھا جاتا

تھا، اور صاحب نظر بننے کے لیے مذہب کی تردید ضروری قرار دی جاتی تھی؟ اب یورپ کے اعلیٰ طبقوں میں اسے کور بینی سے تعبیر کیا جارہا ہے اور مذہب کی ضرورت کا یورپ میں آج کل اہل فکر کو شدید احساس ہو رہا ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر انسانیت کو بچنا ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی مذہب تلاش کریں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مذہب وسیع ترین مفہوم انسانیت کا ہی حامل ہو سکتا ہے ؏

۱۲ - روسیوں کی خدمت میں التماس

برادران انسانی! جیسا کہ پہلے بتلایا گیا ہے کہ اسلام دنیا کی معاشی اور سیاسی مشکلات کا بہترین حل پیش کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے بہترین مذہب اور عالمگیر نظام زندگی ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔ غیر مسلم مذہبی لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر تو مذہبی تعصب کے سنتری پہرہ دار ہیں۔ لہٰذا ان سے اسلام کو اپنانے کی امید نہیں۔ اس لیے آپ کے عقل مند اور انصاف پسند حضرات کے سامنے اسلام کو جو درحقیقت یہی مذہب وسیع ترین مفہوم انسانیت کا حامل ہے، پیش کیا جانا ضروری سمجھا گیا — اور اسلام کو اس وقت آپ جیسے اصحاب عزم انقلابیوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ ماضی قریب میں ایک عظیم الشان مادی انقلاب برپا کر کے دنیا کے ایک بڑے ملک کی کایا پلٹ چکے ہیں جس کی نظیر مسلمانوں کے انقلاب کے بعد (جو انھوں نے تیرہ سو

برس پہلے برپا کیا تھا) نہیں ملتی۔ اور بقول علامہ اقبال مرحوم آپ نے کار خداوندی کیا۔ بہرحال اب اس انقلاب عظیم کے لیے بھی جس کا موجودہ زمانہ شدت سے تقاضا کر رہا ہے۔ آپ جیسے باہمت لوگوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے ہم آپ حضرات کو اس کام کے مستحق ہونے کی وجہ سے خصوصی انتخاب اور التماس کرتے ہیں کہ انسانیت، دوستی اور خدمت انسانی کے جذبہ سے اٹھیں ___ دردوں اور دکھوں کی ماری ہوئی دنیا کو موجودہ انتشار اور مصیبتوں سے نجات دلانے کے لیے کمر ہمت باندھیں اور ایک نئی قسم کی تعمیری عالمگیر اور انقلاب انگیز اقدام کے لیے دوسرا قدم اٹھائیں۔

آپ کا پہلا انقلاب مادی اور صنعتی تھا، لیکن ضروری نہیں کہ انقلاب ہمیشہ مادی اور صنعتی ہو، بلکہ اب تو انسان کی نفسی اور ذہنی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے، انسانیت کی ارتقاء کی اگلی منزل طبعی نہیں بلکہ نفسی اور ذہنی ہو گی ___ ہمارے اس دور میں انسان نے صنعت و حرفت میں پورا کمال حاصل کر لیا ہے۔ اب اس کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اس منزل سے آگے بڑھے اور اپنا قدم آگے بڑھائے، اور اس کا قدم مادی نہیں بلکہ نفسی اور ذہنی ترقی کی طرف ہو۔ جو طبقے اب تک صرف مادہ ہی کو مقصد حیات اور حاصل حیات سمجھتے رہے ہیں۔ وہ زندگی کو ماورائے مادہ پر بھی ماننے کے لیے مجبور ہو رہے ہیں۔ زندگی صرف مادہ تک نہیں ختم ہو جاتی

بلکہ یہ مادہ کسی اور وجود کا پرتو ہے ، اور اس وجود کا مرکز ایک اور ذات ہے جو خود زندگی ہے اور زندگی کا سہارا اور باعث بھی وہی ذات " الحیّ القیّوم " ہے ـــــ مادیین کا تصور کائنات سرے سے غلط نہیں ہے ، بلکہ مادیت حقیقت کا صرف ایک رخ ہے ، اور یہ رخ حقیقت کے ایک پہلو کا ترجمان ہے ، لیکن حقیقت کا ایک اور پہلو بھی ہے جو مادہ سے وراء اور بالاتر ہے ، اس کو مذہبی زبان میں " آخرت " کہا گیا ہے۔ زندگی کا مادی تصور حیات اس لحاظ سے ناقص ہے کہ وہ زندگی کے صرف ایک پہلو کی رونمائی کرتا ہے ، لیکن زندگی کا صحیح اور مکمل تصور فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً دنیا اور آخرت دونوں کی بہبودی ہے ، اور یہی تصور ہے جو زندگی کی ساری مادی اور ماورائے مادی کائنات پر حاوی ہو سکتا ہے۔

۱۳ - انقلاب کیا ہے ؟

زمانہ سابقہ میں روس میں جو کمیونزم کے نام سے انقلاب برپا ہوا ہے اس کو انقلاب یا جہاد سے تعبیر کرنا مناسب نہیں خیال کیا جا سکتا ، وہ تو محض ایک تخریب اور منفی اور سرمایہ داری اور مذہب کے خلاف بغاوت انگیز جذبات کی کارگزاری تھی ؟ ـــــ انقلاب کا معنی " توڑنا ، پھوڑنا ، قتل و غارت اور تخریب نہیں ہے ؟ انقلاب ہے فرسودہ نظام حیات کی جگہ ایک نیا بہتر اور جاندار نظام قائم کرنا ، ماضی کی ہر چیز کے مٹا دینے کا

نام انقلاب نہیں، انقلاب اصولاً صرف ان چیزوں کو مٹاتا ہے جو مٹانے کے قابل ہوں، وہ ماضی کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ انسانی تاریخ کے سارے "باقیات صالحات" کو برقرار رکھتا ہے جن کا باقی رکھنا ضروری ہو، اور نئے نظام کی بنیاد میں ان سے پورا کام لیتا ہے، زندگی کے دھارے کو اگر بہتا رہنے دیا جائے تو وہ برابر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ؎

۱۴- ایک مفید مشورہ

قائدین مملکت رُوس! آپ کے برخلاف ساری دنیا میں مبالغہ آمیز خلاف پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ مذہبی اقوام آپ کو دشمنانِ مذہب قرار دے رہی ہیں، اور باقی اقوام کے سامنے آپ کو ایک مہیب شکل میں پیش کیا جا رہا ہے؛ "تا نباشد چیزکے، مردم نگویند چیزہا" ؎

آپ حضرات کا یہ طرزِ عمل اور کسی مذہب کے خلاف پروپیگنڈا ہماری عقل و فکر سے باہر ہے، اور بموجب رموز مملکت خویش خسرواں دانند ——— ہمیں مشورہ دینے کا بیشک کوئی حق نہیں، مگر پھر بھی ہمیں رہ رہ کر یہ خیال آ رہا ہے کہ اس طرزِ عمل کو کون سی مصلحت مجبور کر رہی ہے جبکہ یہ طرزِ عمل مقصدِ حکومت کے سراسر خلاف واقع ہو رہا ہو، ایک طرف آپ یہ چاہ رہے ہیں کہ ہمارا سا نظام ساری دنیا میں پھیل جائے، اور دوسری

طرف ایسا طرزِ عمل اختیار کیا ہوا ہے کہ ساری دنیا آپ کے نظام سے متنفر ہو رہی ہے اور پناہ مانگ رہی ہے۔ بیشک آپ کے نظام میں بعض ایسی خوبیاں بھی ہیں جو سرمایہ داری نظام سے نسبتاً پسندیدہ ہیں، جو لوگوں کو آپ کی طرف رجوع کر سکتی ہیں۔ لیکن مذہب کے خلاف آپ کا پروپیگنڈا اس سے زیادہ لوگوں کو آپ کے نظام سے متنفر کر رہا ہے ــــ دراصل اس طرزِ عمل سے آپ نے درحقیقت فطرت انسانی کو چیلنج کیا ہوا ہے، یہ موٹی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی کہ فطرت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، جو بھی فطرتی امور سے ٹکرائے گا شکست ہی کھائیگا مذہب انسانیت کی فطرت ہے۔ بہت مقامات ایسے ہو سکتے ہیں کہ وہاں قلعے، سیاست، علم، صنعت و حرفت اور دولت نہ ہو، لیکن کوئی جگہ نہ ملے گی، جہاں خدا نہ ہو۔ تمھارے اسلاف نے خدا کے سامنے اس وقت سر جھکایا تھا، جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکتے تھے، جسمانی خدا یعنی "بت" اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ فطرت اصلی مثالی صورت میں چھپ گئی۔

مذہب ابدی چیز ہے، کیونکہ مذہب جس سوال کا جواب ہے وہ کسی زمانے میں بھی معدوم نہیں ہو سکتا ـــــ ان وجوہات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا وجود اور اس کا تصور انسان کے لیے لازم ہے اور اس کا

وجود بالکل فطری اور نیچرلی ہے۔

مذہب انسان کے ضمیر میں پایا جاتا ہے، نہ کہ مذہب انسانی احتیاج اور فلسفیانہ دلائل سے پیدا ہوتا ہے۔ عقلی دلائل ہو سکتا ہے کہ اس فطری چیز کے سمجھانے اور مفید بنانے میں معین و مددگار ہوں، لیکن بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مذہب ان کی پیداوار نہیں، بلکہ مذہب انسانی فطرت کا ایک لطیف اشارہ ہے اور سادہ اقتضاء ہے جو انسانیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ اقتضا وحیِ الٰہی اور عقل سے تربیت پا کر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

مذہب درحقیقت ایک خیال کا اظہار ہے۔ انسان علتِ اعلیٰ کا خیال کرتا ہے، جذبات کی ہدایت اور قوتِ انتخاب کی مدد سے وہ ایک منتہائے خیال کا تصور کرتا ہے، اور یہ منتہائے خیال اس کی محبت و پرستش کا مرکز بن جاتا ہے ــــ عقل و جذبات میں اتحاد پیدا کرنا، ظاہر و باطن میں موافقت قائم رکھنا، ایک دوسرے کو حدِ اعتدال سے نہ بڑھنے دینا، جسم کے افعال کو عقل و جذبات کے زیرِ حکومت رکھنا۔ مذہب کا کام ہے۔

مذہب انسان کی فطرت میں ہے، وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتا ـــ یہ ایسا یقین ہے کہ علم بدلتا رہے گا . . . تحقیق میں تغیّر و تبدّل ہوتا

رہے گا۔ لیکن مذہب اس کے اندر کسی نہ کسی صورت میں ضرور رہے گا ممکن ہے کہ سائنس نیچر کے متعلق نئے خیالات پیدا کرے، اور خدا کے متعلق پرانے خیال بدل دے، لیکن وہ عقیدے کو جو "رمٹ" ہے خدا کے لیے نیا خیال پیدا کرے گا، کیونکہ سائنس کا قابو یہاں نہیں چل سکتا وہ اسے نہیں جانتا، یہ اس کی سرحد سے باہر ہے۔ مذہب انسان کی ابتدائے آفرینش سے اس میں ودیعت ہے۔

بہرحال مذہب کے خلاف آپ کا پروپیگنڈا انسانیت کے بدل دینے کے مترادف ہے اور یہ محال در محال ہے۔ پھر یہ تکلیف مالا یطاق کیوں آپ نے اختیار کر رکھی۔ ایک جمہوری حکومت کے لیے سراسر یہ بہت برا بدنما داغ ہے اور جمہوریت کی تذلیل ہے۔ آپ نے ہی سب سے پہلے اس طرز کی حکومت جمہوریت کے نام سے ایجاد کی ہے جو فطرت انسانی سے ٹکرا رہی ہے۔ انسانیت کے فطری تقاضوں کو اچھے سانچوں میں ڈھالا نہیں جا رہا۔ بلکہ کچلا اور دبایا جا رہا ہے۔ جس سے حکومت کا نظام مضبوط نہیں ہو رہا، بلکہ رخنوں میں زیادتی ہو رہی ہے۔

بہرحال معاشیات کی اصلاح اور مساوات کے قیام کے لیے مذہب سے انکار یا اس سے نفرت کے اظہار کی ضرورت نہ تھی، بلکہ چاہیے یہ تھا کہ ایسے مذہب کو اپنی رہنمائی کے لیے انتخاب کر لیا ہوتا جو انسانیت

کو اس کی پوری زندگی کے لیے دستور العمل دیتا ہو، لیکن ہوا یہ کہ" توڑ پھوڑ دو" کے جذباتی نعرہ کو ایسی وسعت دی گئی کہ مذہب جیسی فطری چیز کو بھی انہی نعروں کے پروگرام میں دھر لیا گیا۔ اس وقتی پروگرام کو ٹھکانے لگا لینے کے بعد بھی ٹھنڈے دلوں سے مذاہب عالم کا غور و فکر سے مطالعہ نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک مذہب کو مذہبی تقاضوں پر نہ چلنے والے افراد ہی سے قیاس کیا گیا، حالانکہ موجودہ دور ایسا گزر رہا ہے کہ مذہبی لوگ ہی (الا قلیل) اپنے اپنے مذہب کو بدنام کر رہے ہیں اور سچے مذہب کی حقانیت اور صداقت کے درمیان آڑ بنے ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کی کئی جگہ مذمت کی ہے۔ بہرحال اگر آپ اس وقت مذاہب کا مطالعہ کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ ایک مذہب ایسا بھی ہے جو ہماری منصوبہ بندی سے بھی بہتر منصوبہ بندی اور بہترین مسلک رکھتا ہے، جس کا بیان آگے آ رہا ہے ۔

پس ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ کسی مذہب کے بھی برخلاف اپنے پروگرام سے اس پروپیگنڈے کو خارج کر دیں، اور مذہبی قوموں کو مکمّل مذہبی آزادی کا اعلان فرمائیں تاکہ بیرونی مذہبی قوموں کے ساتھ بھی آپ کے تعلّقات خوشگوار ہو جائیں اور پھر آپ ایک ایشیائی زبردست بلاک بنا سکیں ۔

بلکہ اگر آپ اسلامی اصول پر جو آپ کے اصول سے بہترین اصول ہیں اپنی مملکت کو بدل لیں تو پھر بڑی آسانی سے دنیا کی اسلامی ریاستیں بہ طیب خاطر آپ سے ملحق ہو سکیں گی، جس کے لیے کسی طاقت اور لالچ کے پیش کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہو گی" کار این است وغیر این ہمہ ہیچ ہیچ۔"

۱۵ — خطاب کی وجہ انتخاب

آپ کو انتخاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دیگر غیر مسلم مذہبی لوگوں کے دل و دماغ کے دروازوں پر تعصب مذہبی کے سنتری پہرہ دار ہیں جو ان کے دل و دماغ کے اندر حق و صداقت کو بھی جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ آہ! متعصب لوگ حق و صداقت کا بھی انکار محض ضد اور تعصب سے کرتے چلے آ رہے ہیں، ورنہ جنس دلائل سے ان کے پاس کوئی سند نہیں ہوتی۔ چونکہ آپ کے دل و دماغ اس ہٹ دھرمی سے خالی اور صاف ہیں۔ اس لیے ہمیں پوری امید ہے کہ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی کہ، اسلام انسانیت کے لیے بہترین نظام حیات پیش کر رہا ہے' تو آپ اس کے قبول کرنے اور اپنانے سے پہلو تہی نہیں کریں گے۔ کیونکہ آپ نے جس کسی مذہب کو اپنے خلاف سمجھا صرف مذہب ہونے کی وجہ سے نہیں سمجھا، بلکہ اس لیے کہ اس مذہب نے نئی ارتقائی تحریکوں کو رد کرنا شروع کیا—— لیکن ہم آپ کو زندہ یقین

دلاتے ہیں کہ ـــ اسلام ہرگز ایسا مذہب نہیں ہے جو ایسی تحریکیں کو روکتا ہو جو ایک حقیقی بیداری سے پیدا ہونے والی ہوں ؛ ـــ اسلام کو کسی بھی عقلی اور مادی ترقی سے خوف نہیں ہے۔ دنیا جس قدر اور جیسی بھی مفید ترقی کرے گی، اسلام اتنا ہی روشن ہوگا۔ اور اس کے آگے ہی آگے نظر آئے گا، اور یہ وہ بات ہے جس کا آج بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ دنیا جس مذہب کے ایک ایک جزو کے ساتھ سائنس کو ساتھ لیکر چل سکتی ہے وہ صرف مذہب "فطرت" یعنی مذہب اسلام ہے، بلکہ یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ ـــ سائنس کی تمام ایجادات درحقیقت اسلام کی معنویتوں کا مادی رخ ہیں اور اس دور میں اسلام کی تفہیم اور اس کے اقرب الی الفہم کرنے کے لیے ہی تکوینی طور پر سائنسی ترقیات کا وجود عمل میں آیا ہے ؛ ـــ کیونکہ موجودہ دور میں مغیبات پر سے پردے اٹھ رہے ہیں اور نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دی ہوئی خبریں امکان کے دائرہ سے نکل کر وقوع کی وسعت اور پہنائیوں میں جلوہ ریز ہو رہی ہیں۔ ہزارہا اطلاعات سینکڑوں پیشین گوئیاں جن کے تسلیم کرنے کے لیے دنیا تیار نہ تھی، آج مشینوں کے دور اور سائنس کے انکشافات و ایجادات کے زمانہ میں گم کردہ منزل اور گم کردہ راہ دنیا ماننے پر مجبور و مضطر ہے۔ ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری، مصنوعی بارش کے تجربات، آواز ایسی لطیف اور غیر مرئی شے کو قبضہ میں لے آنے ؛ ہوا پر

حاکمانہ تصرفات کے تجربے، الیکٹرک اور نئے ہزارہا سائنسی مشاہدے
بلاشبہ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی اطلاعات کی تصدیق کر رہے ہیں
نئی ایجادات، سائنس کے نت نئے تجربات، روزمرہ کے حیرت انگیز
مشاہدات نے اب قرآن اور حدیث کی دی ہوئی اطلاعات کی تصدیق کے
لیے انسانیت کو مجبور کر دیا ہے۔ قرآن نے کہا

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

ہم ضرور دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں کائنات میں اور ان کے نفسوں میں یہاں تک کہ ظاہر ہو جائیگا ان پر کہ اسلام تو ضرور حق سچا ہے۔

بہرحال دیکھنے والوں کے لیے یہ ایجادات درسِ نصیحت ہیں اور ان میں
اسلام کی تصدیق اور حقانیت کے لیے واضح دلائل ہیں۔ ہزارہا روایات آج
آج اپنی صداقت اور سچائی کا اعلان کر رہی ہیں۔ اسلام ہر زمانہ کے مطابق
اپنے اندر ایسے انقلابی اور مکمل اصول و آئین رکھتا ہے۔ جن پر ہر زمانہ میں
بین الاقوامی نظام حکومت واقعی قائم کیا اور چلایا جا سکتا ہے۔

تمام دنیا عالمی مشکلات میں گرفتار ہے۔ قومی اور وطنی حکومتوں سے
مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں۔ دنیا سمٹ کر ایک برّاعظم بن چکی ہے۔ دنیا
کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے اب بدیہی طریق کار یہی ہے کہ کوئی ایسا نظام
زندگی سوچا اور تلاش کیا جائے جو اخوت اور وحدت انسانیت کے

اصول پر مبنی ہو۔ ان حالات سے روشن دن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ دنیا رفتہ رفتہ اسلام کی طرف آ رہی ہے۔ کیونکہ ایسا نظام اسلام ہی نے پیش کیا ہے، جس کا مطمح نگاہ انسانی وحدت ہے۔ اسی نے تمام بنی نوع انسانی کے لیے ایسا ہی نظام زندگی تجویز کیا ہے، جسے ضابطہ الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خدا کو رب العالمین (سارے جہانوں کا رب) اور محمدؐ رسول اللہ کو رحمۃ للعالمین (سارے جہانوں کے لیے موجب رحمت) اور قرآن حکیم کو ذکر للعالمین (تمام نوع انسانی کے لیے یاددہانی کا ضابطہ) قرار دیا ہے۔ اسلام انسانیت کو بھائی چارہ کی تعلیم دیتا ہے اور نفرت و دشمنی سے انسان کو بچاتا ہے۔ اسلام انسانیت کا مذہب ہے اور رواداری و محبت اور مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں۔ اسلام کا نصب العین تمام انسانوں کو نسل و رنگ اور وطن و اقلیم اور زبان و بوم کے اختلافات کے باوجود ایک ہی نظام اور ایک ہی فکر سے وابستہ کرنا ہے اور دنیا کی قوموں اور ان کے مذاہب کو فنا نہیں کرتا، "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" (قرآن) دین کے بارہ میں زبردستی نہیں) کو اپنا اصل الاصول قرار دیے ہوئے ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام علمی و عقلی مذہب ہے۔ وہ اپنی بات کو علمی اور عقلی رنگ میں پیش کر کے اختیار اور خوش دلی سے منوانا چاہتا ہے۔ پس اگر کوئی غیر مسلم اپنے ہی پسند خاطر

پرامن سے رہنے کا خواہش مند ہو تو پھر بھی اسلام اس کی ہر قسم کی جائز حفاظت اپنے ذمّہ لیتا ہے۔ یہی تو اسلام کی حقانیت اور صداقت کی زبردست دلیل ہے ؎

۱۶۔ اسلام بحیثیت ضابطہ انسانی

بہرحال ہم آپ کے سامنے اسلام کو بحیثیت مذہبی ہی پیش نہیں کر رہے، بلکہ بحیثیت ضابطہ انسانی بھی پیش کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ سب کی مشترکہ متاع ہے اور ساری دنیا کے لیے بہترین نظام حیات ہے اور عالمگیر انقلابی دستورالعمل ہے اور اس کے اندر انقلابی روح ودیعت رکھی گئی ہے، اگر ایسی روح اسلام میں ودیعت نہ رکھی جاتی تو اسلام کا عالمگیر ہونا اور ہر زمانہ کے لیے ہونا ایک فریب اور لغو ہو کر رہ جاتا، کیونکہ مذہب جب اس میں روح انقلابی نہ ہو۔ اور وہ کسی ایک جماعت یا مخصوص قوم کا اجتماعی دین بن جائے۔ اور اس میں خود بدلنے اور دوسروں کو بدل دینے کا جنون یا انقلابی جذبہ سرد پڑ جائے، اس وقت اس مذہب کے ہاتھ زمام اقتدار دینا در اصل قوم کے رجعت پسندوں کو حکومت سونپ دینا ہوتا ہے، اور رجعت پسند طبقوں کی حکومت؟ خدا اس کے شر سے ہر قوم کو مامون رکھے ؎

پس اسلام کے عالمگیر ہونے اور ہمیشہ کے لیے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں شروع ہی سے انقلابی روح رکھ دی گئی ہے — اور اسلام کے علاوہ دوسرے آسمانی مذاہب چونکہ وہ مکانی اور زمانی تھے، دائمی اور سرمدی نہ تھے لہٰذا ان میں ایسی دائمی روح کے رکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، باوجودیکہ وہ مذاہب اس وقت اپنی پوری شکل میں موجود بھی نہیں رہے۔ پھر بھی ان کو کھینچ تان کر ہر انقلابی زمانہ کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا سعی لاحاصل ہے، جیسا کہ ازمنۂ متوسطہ میں اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

ف ۱
بہرحال اب اسلام ہی ایک تام اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس کا واضع خود خدا تعالیٰ ہے، اور اس کے فیصلے اور وعدے اٹل ہیں۔ قرآن میں ہے:

تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا. لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ — تیرے رب کی باتیں انصاف اور سچائی کی آخری حد کو پہنچی ہوئی ہیں اور اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ — اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ — اور وہ ہر ایک شے پر قدرت رکھتا ہے۔

اسلامی ضابطۂ حیات اسی خدا کی طرف سے ہے جس کے کلمات میں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور ہر چیز پہ قدرت رکھنے والا ہے۔ اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں کہ لوگوں کو ہر زمانہ میں کام آنے والا ضابطہ اور احکام دے۔

(۱) خدا کے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکتا ۱۲

اسلام ایک عالمگیر تحریک زبان و مکاں کے قیود سے بالا ہے۔ اسلام دنیا میں ایسی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے جس کی بنیاد راست بازی خوش اخلاقی، عدل و انصاف اور انسانوں کی برابری پر ہو — اسی کا دوسرا نام حکومتِ الٰہیہ اور خلافتِ ربانی ہے — اسلام کے انہی اصولوں پر اب بھی ایسی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ جس کے لیے مردانِ کاری اور انقلابیوں کی ضرورت ہے۔ جن کا نصب العین ایمان باللہ اور مسلک جہاد فی سبیل اللہ ہو۔

ان اصولوں سے کسے اختلاف ہو سکتا ہے، اسلام یقیناً عالم انسانیت کے ہر روگ کی حکمی دوا ہے، لیکن اگر کسی دوا کو شیشی یا ڈبیہ میں بند رکھا جائے اور استعمال نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی بھی بیماری کا ازالہ نہ ہو سکے گا۔

۱۸۔ ایک زبردست چیلنج

یہ چیلنج اس بات کا ہے کہ اسلام فی الواقع تمام مشکلات کا بہترین اور یقینی حل ہے۔ یہ محض حسنِ عقیدت ہی نہیں بلکہ یہ واقع میں معیاری اور علمی و عقلی نظامِ حیات ہے، ہمارے پاس اس دعویٰ کے لیے علمی اور عقلی دلائل ہیں۔ اور تاریخی شہادت ہے جو کسی منفرد مورخ کی تاریخ نہیں بلکہ سراسر واقعات پر مشتمل ہے اور تفصیل کے ساتھ ہے۔ اتنی تفصیلات کے ساتھ دنیا کی کوئی دوسری تاریخ اب تک وجود میں نہیں آئی، اور غالباً آیندہ بھی نہ آسکے گی۔ یہ واقعہ ہے کہ جب انسانوں کے ایک گروہ نے قرآنی

حل کے مطابق اپنی زندگیوں کو استوار کیا تو ہر شعبہ زندگی میں وہ کارنامے انجام دیے گئے جو ہمیشہ کے لیے نمونہ اور معیار بنے رہیں گے۔ لیکن پھر جب اصل شکل میں ان کارناموں کے پیش کرنے کا کام رک گیا تو لازمی طور پر اس... نظام حیات کی اشاعت اور پروپیگنڈا ایسا نہ رہا؛

بہر حال، مذہب اسلام اس مجموعہ قوانین کا نام ہے، جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بتدریج تفصیل موجود ہے ــــ اور ــــ دنیا کا کوئی مذہب اور کسی ملک کا کوئی کوڈ بھی ایسے زریں اصول نہیں پیش کر سکتا۔ کیونکہ اسلام نے حاکم و محکوم اور مسلم و ذمی کے حقوق کے ساتھ انسانی زندگی کے اقتصادی، تمدنی، معاشرتی، عدالتی، نجی، فوجی، انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی تعلقات کو نہایت نمایاں طور پر بیان کیا ہے اور اس کے انصاف پرور دفعات میں ملکی اور نسلی تعصبات کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے، بلکہ انسانی برادری، مساوات، اخوت اور حسن مروت کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ اس دستور کی ہر تعزیر مجرم کے حق میں آیۂ رحمت کا حکم رکھتی ہے، اور اس کا ہر حکم فلاح دارین کا ضامن ہے۔ اس کے ظاہری ضرر میں منفعت سرمدی کی ایک دنیا آباد ہے، کیونکہ یہ خالق کائنات کا آئین ہے اس میں انسانی لغزشوں اور خود غرضیوں کا کوئی امکان نہیں ہے ؎

من نہ کردم حکم تا سودے کنم ؛ بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

وہی حق بینندۂ سود ہمہ ❖ در نگاہش سود و بہبود ہمہ
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق ❖ زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

بیشک آپ کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اگر بقول تمہارے ایسا کوئی نظام زندگی دنیا میں موجود ہوتا تو ہمارے علم سے باہر کیونکر رہا۔ اس کا[19] جواب یہ ہے کہ اس کے کئی ایک اسباب ہیں۔ بڑا سبب یہ ہے، جس کو ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں کہ — اسلام مسلمانوں کے مذہب کے نام سے دنیا میں مشہور چلا آیا ہے اور دوسری قومیں اس غلط فہمی یا تعصب میں مبتلا چلی آ رہی ہیں کہ اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اس عصبیت یا غلط فہمی نے غیر مسلم قوموں کو اسلام سے دور دور رکھا — اور[2] ایک اس طرف جاہل و متعصب مسلمان اسلام کو اپنی چیز سمجھ کر غیروں سے لڑتے اور جھگڑتے ہیں۔ اسلام کو دنیا کے سامنے یہ کہہ کر پیش نہیں کرتے کہ ہم تمہاری ہی چیز تمہارے آگے پیش کرتے ہیں۔ اسلام ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا بھی مذہب ہے — مسلمانوں نے اس اعلان سے آنکھیں بند کر کے بڑا نقصان اٹھایا ہے، ورنہ دنیا مخالفت پر آمادہ نہ ہوتی۔ لیکن متعصب اور جاہل مسلمانوں نے اسلام کو اپنی ہی جائداد سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس نے اسے غیر سمجھ کر لینے سے انکار کر دیا۔

(۱۹) غیر مسلموں کی اسلام سے دوری کے اسباب

لیکنؒ بعد میں جب یورپ میں مطلق مذہب کے برخلاف جذبات انگیختہ ہوئے اور بالواسطہ دیگر قوموں میں بھی یہ اثرات پہنچے تو پھر کسی مذہب کے تلاش کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا ؛

البتہ نشأۃ ثانیہ کے ارتقائی تحریکوں کے زمانوں میں ہی حریت پسندوں کے سامنے اگر اسلام کو پیش کر دیا جاتا جو وسیع ترین مفہوم انسانیت کا حامل تھا، تو ان کو مطلق مذہب سے بیزار ہونے کی ضرورت نہ پڑتی ؛

بہرحال اسلام ایسا مذہب اور ضابطہ حیات ہے، جو معاشرت اور سیاست سے لیکر عبادت تک اجتماعیت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اور جس مذہب نے دنیا کی سیاست میں عالمگیری کا رنگ بھرا ہے، اور یہ وہ مذہب ہے جس میں قدرۃً نہ تنگی ہے اور نہ تعصب — یہ مذہب فطرت انسانی کو بدلتا نہیں بلکہ فطریات کو اچھے سانچوں میں دبا کر اچھی شکلوں میں تبدیل کر کے ان کے اظہار کے لیے راستوں کو مقرر کرتا ہے — اور یہ مذہب ساری دنیا کو ایک ہی دین اور ایک ہی ضابطہ حیات پر اکٹھا کر دینے کا مدعی ہے — اور اس مذہب میں تمام عالم کے لیے جاذبیت موجود ہے — اور یہ مذہب کسی حقیقت و صداقت کے اختیار کرنے، اور اس پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہیں کرتا — اس مذہب کی بنیاد اس تعلیم پر ہے کہ تمام انسان اصل میں ایک ہیں اور ان کی قومیت بھی ایک ہی ہے اور سب

ایک گھرانے کے افراد ہیں، اور ان سب کا رشتہ صرف انسانیت ہی ہے۔ نسلیت، قبائلیت اور وطنیت و قومیت وغیرہ کی تقسیم صرف تحفظ کے لیے ہے۔ تعصب اور فضیلت کے لیے نہیں ـــ اس مذہب کا مقصد تمام مذاہب کو ان کی اصلیت کی طرف پہنچانا ہے، اور تمام انسانوں کو ان کی اصل وحدت یاد دلانا ہے، اور تفریق کے تمام بتوں کو پاش پاش کرتا ہے ـــ اور یہ وہ مذہب ہے جو عالم گیر اخوت کا پیغام دیتا ہے، جس میں اسود و احمر اور سامی، آریائی قومیں سب برابر ہوں، اور یہ مذہب سارے جہان اور زمانے اور آبادی کے لیے ایک ہی ضابطۂ حیات، اور عالم گیر تصوّر حیات پیش کرتا ہے ـــ اس مذہب کا دائرہ صرف چند قوموں اور نسلوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ عام انسانوں کے لیے ہے اور اس کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔ انسانی بھائی چارہ کی تعلیم دیتا ہے ـــ نفرت و دشمنی سے بچاتا ہے ـــ رواداری، محبت اور مساوات اس مذہب کے بنیادی اصول ہیں ـــ یہ مذہب رنگ، نسل، وطن، اقلیم، زاد بوم کے اختلافات کے باوجود تمام انسانوں کو صرف ایک اور ایک نظام سے وابستہ کرنا چاہتا ہے ـــ اس مذہب کا اصل الاصول لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین کے بارہ میں زبردستی نہیں ہے، کیونکہ یہ اپنی بات اور نظریہ کو علمی و عقلی رنگ میں پیش کر کے اختیار اور خوش دلی سے منوانا چاہتا ہے

اور اس آزادی کے باوجود بھی اگر غیر مسلم اس کی بات کو نہ مانے بلکہ اپنے ہی پسند خاطر پر امن سے رہنے کا خواہاں ہو تو پھر بھی یہ مذہب اس کی حفاظت اپنے ذمہ لیتا ہے ــــ اور اس مذہب کا دعویٰ ہے کہ مجھے عقلی و مادی ترقی سے خوف نہیں۔ ہر دور میں دنیا جس قدر ترقی کرے گی میں اتنا ہی روشن ہوں گا اور اس کے آگے ہی آگے نظر آؤں گا۔ اور اس مذہب کے بنیادی عقیدے اور نظریے اٹل ہیں۔ دنیا کی ہر ایک ترقی ان نظریوں کے تحت ممکن ہے ــــ اسلام فلسفہ یا سائنس کا کوئی ایسا نظریہ نہیں جو آج حق ہے تو کل باطل ہو سکتا ہے، بلکہ اس کے عقیدے اور نظریے سب اٹل ہیں، اور اس کا ہر نظریہ نظیر پہ مبنی ہے ؎

۱۲۔ ہر مکتبِ خیال کے غیر مسلموں کی خدمت میں التماس

اسلام کیا ہے ؟ خدا کی رضامندی کی ایک زبردست دستاویز، اعتقادیات و عملیات کا مکمل نقشہ ــــ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے غیر فانی دستور العمل ــــ زمانہ کفر کی ہر گمراہی کے عفو کا ضامن، اور آئندہ اس کے ہر ضعف و نسیان پر تسامح کرنے کا روادار ــــ اپنے حلقہ بگوشوں کے لیے معمولی جد و جہد کا بڑا قدر دان ــــ اور انتہائی شکر گذار۔ غور فرمائیے!

اس کے بعد آپ کیا چاہتے ہیں ؟ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ۔۔۔ خدا کی زمین پر آپ کی عقل کا بنایا ہوا ، یا آپ کے پسند کے موافق قانون نافذ ہو؟ تو کیا آپ کے نزدیک ایک انسانی دماغ تمام عالم کی مختلف ضروریات کا احاطہ کر بھی سکتا ہے ؟ یا پورے طور پر ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے ؟ اور اگر اس ناممکن مرحلہ سے گذر بھی جائے تو کیا ان ضروریات کے احساس کے ساتھ ان کے لیے مناسب آئین وضع بھی کر سکتا ہے ؟ اور اگر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ تمام عالم اس پر متفق بھی ہو سکتا ہے ۔ اور اگر فرد واحد کے ساتھ اس آئین سازی میں کچھ اور افراد بھی شامل کر لیے جائیں تو یقیناً وہ بھی انسانوں کی غیر محدود کثرت کے مقابلہ میں ایک فرد کا حکم رکھیں گے ۔ تو اگر درحقیقت ان سب مشکلات کا حل ہی مشکل ہے ، تو نئے مذہب اور نظام سازی کی دردسری اٹھانے کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔ آپ اسی مذہب اور نظام کو قبول کیوں نہیں کر لیتے جسے قدرت کے رمز شناس ہاتھ نے تمام مزاجوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے جس میں گذشتہ مذاہب اور نظاموں کے محاسن خود چن چن کر اٹھا لیے گئے ہیں ۔ پھر اس مجموعہ میں اور بہت سے محاسن شامل کر کے اس کو بہت مکمل اور انتہا دلپذیر صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے ۔۔۔۔۔
دنیا اس پر عمل کر کے زمین کی مالک اور آخرت کی وارث بن چکی ہے ۔۔۔

جنھوں نے اسے چھوڑا، انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اگر اس کے بعد بھی آپ کے تلاشِ مذہب اور نظام کی تشنگی نہیں بجھی تو یقین کیجیے کہ آیندہ قیامت تک بجھے گی بھی نہیں۔

۱۲۔ ہم اسلام کو کیوں پیش کر رہے ہیں؟

بہرحال ہم آپ کو اسلام کی طرف اس لیے دعوت دے رہے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا نظامِ زندگی پیش کرتا ہے، جو ساری دنیا کے لیے امن و سلامتی کا باعث بن سکے ـــ اسلام ذخیرہ اندوزی سے منع کرتا ہے اور ہر قسم کے سودی لین دین کو حرام قرار دیتا ہے اور مناسب اصولوں پر دولت اور جائداد کی تقسیم ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلام ایسا تنگ ظرف مذہب نہیں ہے کہ دنیا میں ترقی کرنے کے لیے اس مذہب سے قطع تعلق کرنے کی ضرورت پڑے ـــ پس اگر آپ حضرات کو مذہب سے اس لیے گریز ہے کہ عام مذاہب کی حدبندیاں تمدن کی ہمہ گیری میں حارج ہیں تو ان عالم گیر حدود کے بعد جو مذہب اسلام نے پیش کی ہیں یہ عذر باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر بلا وجہ ہی خدا اور مذہبِ حق سے کنارہ کشی مقصود ہے تو اس عذرِ لنگ کا پردہ محض دھوکہ دہی ہو کر رہ جاتا ہے، البتہ سنجیدہ دنیا کے نزدیک کبھی باوقعت اور درخورِ اعتنا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ہم اسلام کے متعلق جو باتیں آپ کی خدمت میں پیش کر

رہے ہیں یہ اس طرح کی باتیں ہیں کہ سورج کے متعلق کہا جائے کہ سورج موجود ہے اور روشن بھی ہے۔ اس طرز استدلال کو حسن عقیدت یا جانبداری پر محمول نہیں کیا جا سکتا ۔

۲۲-اسلام کی عالمگیر بنیادیں

اسلام کی بنائی ہوئی عالمگیر بنیادوں سے بڑھ کر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا :

(۱) اس کا عالمی نعرہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے) جو تمام انبیاء کرام کا دین ہے، جس سے خود ساختہ اور محدود رنگ برنگ کے فرضی خداؤں، وطن، قوم، نسل، رنگ، مورت اور مجسمہ وغیرہ کی نفی ہو جاتی ہے اور حقیقی توحید سامنے آجاتی ہے جس پر اقوام عالم جمع ہو سکتی ہیں ۔

(۲) اس کی سیاست کا اساس خلافت ہے، جس سے ملوکیت شاہنشاہی اور سیاسی آقائی و غلامی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور صحیح قسم کی جمہوریت اور اپنے ہمہ گیر اصول کے لحاظ سے پوری دنیا کی بین الاقوامیت قائم ہو جاتی ہے، جس سے ٹکڑے ٹکڑے شدہ مملکتیں ایک کنٹرول میں آسکتی ہیں ۔

(۳) اس کا عالمی قانون ضابطہ کلام الٰہی ہے ،
جس سے قانون سازیوں کی تشویشات اور اس کے راستہ سے آنیوالی

قومی خود غرضیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور باہمی آویزشوں سے تنگ آئی ہوئی پارٹیاں ایک نقطہ پر جمع ہو سکتی ہیں۔

(۴) اس کا عالمی اجتماعیت کا مظاہرہ بیت اللہ کے ارد گرد جمع ہو کر اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دینا ہے۔

جس سے بین الاقوامی انتشار اور انفرادیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور بکھرے ہوئے افراد عالم ایک مرکز پہ جمع ہو سکتے ہیں۔

(۵) اس کا عالمی مرکز کعبۃ اللہ خدا کا گھر ہے، جو نافِ عالم اور مرکز حیات و ہدایت ہے۔

جس سے متضاد رخ باشندوں کی تضاد حسی ختم ہو کر رخ کی وحدت اور ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے،

(۶) اس کی عالمی عبادت، نماز ہے۔

جس میں نہ گھی اور تیل کی ضرورت ہے، نہ کسی رسم و صوت کے مواجہہ کی، اور نہ کسی خاص عمارت کی، خدا کی ساری زمین اس کے لیے مسجد ہے، اور زمین کی جنس کا ہر حصہ اس کے لیے پاک و طہور ہے، بحر و بر اور فضا ہوا میں ہر جگہ میں رہ کر یہ عبادت ادا کی جا سکتی ہے، اور جس کی جماعتی منظم صورت سے تشتتِ فکر اور شرک فی المقصود کا خاتمہ ہو کر دنیا کے تمام منطقوں کے افراد ایک رخ پہ ہو سکتے ہیں۔

(۷) اس کی عالمی معاشرت کی روح، اخوت و مساوات ہے۔ جس سے بناوٹی امتیازات کا خاتمہ ہو کر ایک عالمگیر برادری، بھائی چارہ کی زندگی کا رواج پڑ جاتا ہے، اور اخلاق بین الاقوامیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۸) اس کی عالمی اخلاقیت کا جوہر احترام انسانیت ہے۔ جس سے چھوت چھات اور ذات پات کی پراگندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور بلند و پست فرق مراتب کے ساتھ ایک سطح پر آ جاتے ہیں۔

بہرحال اصول مذکورہ سے دیانت، سیاست، معاشرت اور اخلاقیت وغیرہ سے تمام ایسی حد بندیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس کے رہتے ہوئے عالمی نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا، اور ایسے ہمہ گیر حسی اور معنوی نقطے فراہم ہو جاتے ہیں جن سے مذہبی اور غیر مذہبی قومیں جمع ہو کر ایک قوم بن سکتی ہیں۔

۲۳۔ دنیا اسلامی اصولوں کی طرف آ رہی ہے۔

تاہم آج دنیا کی اکثریت طوعاً یا کرہاً خود ہی ان اصولوں کی طرف آ رہی ہے، خواہ مذہب پسندی کے رنگ اور اعتقاد و عقیدت کے انداز سے نہ سہی، سیاسی اور تمدنی انداز ہی سے سہی ـــــ تو کوئی وجہ نہیں کہ متعصب اقوام کی خاطر انہیں دنیا کے سامنے پیش کرنے سے

شرمایا جائے۔

یا اگر دنیا لادین فکر سے بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہی، مگر انہی اصولوں کی مدد سے — تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ — دینی فکر سے اسے بین الاقوامیت کی دعوت دینے میں جھجک محسوس کی جائے جو ان اصول اصل کا منشا اور مقصود ہے — بلکہ عام انسانیت کی بہی خواہی اور ہمدردی کا تقاضا ہے کہ — دنیا کی بین الاقوامیت میں سے لادینی تصوّر کو خارج کرنے کی پوری سعی کی جائے، کیونکہ اس لادینی تصوّر کی بین الاقوامیت (قطع نظر اس سے کہ لادینی جمہوریت اسلام کے اور ہر مذہب کے منشا کے سراسر خلاف ہے) تجربہ کے لحاظ سے بھی دنیا کے لیے مہلک اور مخرب ثابت ہو رہی ہے۔

جب سے لادینی تصوّر کی بین الاقوامیت نمودار ہوئی ہے، جب ہی سے دنیا کی بین الاقوامی تخریب و ہلاکت بھی روز بروز قریب ہوتی جا رہی ہے۔ عالم سے عالمی امن و سکون رخصت ہو چکا ہے۔ دلوں کا چین مٹ چکا ہے، اور اعتماد باہمی فنا ہو گیا ہے، جو مدنیت صحیحہ کی روح ہے۔ بین الاقوامی تحریک لادینی دخل سے بین الاقوامی فساد بن کر رہ گئی ہے جس سے کسی قوم میں بھی سکھ اور چین باقی نہیں رہا، دراں حالیکہ بین الاقوامیت پوری دنیا سے فساد مٹانے کے لیے تھی نہ کہ شر و فساد پھیلانے کے لیے۔

اس لیے صالح بین الاقوامیت بنانے کا ذریعہ "دین" کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک دیانت و راست بازی کے ساتھ قلوب میں اخلاص اور مظلوموں کی حقیقی ہمدردی نہ ہو گی، مشترک جماعتیں بے غرضی سے کام نہیں کر سکتیں ۔۔۔ اور ہمدردی بغیر خدا پرستی اور نظام دین کی تکمیل کے ممکن نہیں ہے ؛

۲۴۔ تلخیاں

برادرانِ انسانی ، یہ چند تلخ باتیں بھی ظاہر کرنا ناگزیر ہیں کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپی حریت پسندوں نے مذہب کو اپنا دشمن تصور کر کے اس سے منہ پھیر لیا اور دیگر ایسے انسانیت نواز نظریات اور اصول ہیں (جو خود انھوں ہی نے مذہبی نظریات اور اصول کے خلاف متبادل وضع کر لیے تھے اور ان میں کائنات اور انسان کی پیدائش اور بقا وغیرہ کی نئی نئی توجیہات پیش کی تھیں ، جو ایک ایک اپنی جگہ غلط اور باطل ثابت ہو رہے ہیں اور جن کی آج کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکی) پناہ ڈھونڈنی شروع کر دی جن کا تعلق غلط تجزیے کی بنا پر مذہب کی بجائے دہریت یا مادہ پرستی سے قائم کر لیا تھا۔ یہ لاطینی مسیحیت یا پاپائیت (جس نے صدیوں یورپ کی عقل و ادراک پر قبضہ رکھا) کے عالم سوز حرکات کے اثرات ہیں ؛

تحقیقات جدیدہ کے دوران میں آج تک ایک مثال بھی صحیح ایسی نہیں ملی کہ سائنٹیفک طریقہ سے انسان نے کوئی حقیقت یا نظیر ایسی دریافت

کی ہو جو قرآن کے خلاف ہو، البتہ سائنسدانوں یا فلسفیوں نے قیاس سے جو نظریے قائم کیے ہیں متعدد ایسے ہیں جو قرآن کے بیانات سے ٹکراتے ہیں، لیکن قیاسی نظریات کی تاریخ خود اس بات پر شاہد ہے کہ دوسرے وقت خود ہی یہ نظریات ٹوٹ گئے ہیں، ان کی بجائے دوسری چیز کو حقیقت سمجھا گیا ایسی ناپائیدار چیزوں کو قرآن و اسلام کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً انیسویں صدی کی سائنس کا آفتاب غیر متحرک تھا، لیکن اب موجودہ سائنس کا آفتاب اچھی خاصی تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا ہے۔ اور ڈاروان کا نظریہ ہی چلا آرہا ہے کوئی بھی اس کو ثابت شدہ حقیقت یا اس کی نظیر اور واقعہ ثابت نہیں کر سکا۔

ہز بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ قرون وسطیٰ کے یورپی حریت پسندوں نے اپنے مذہب کے ساتھ جذبات انگیز مخالفت کی وجہ سے مطالعہ کیے بغیر اسلام جیسے ہمہ گیر مذہب کو بھی انفرادیت کے مذاہب پر قیاس کر کے نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ اسلام ایسا دین ہے جو کسی بھی زمانہ میں کسی صداقت اور حقیقت کے اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہیں کرتا۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ یورپ جس کو مسلمانوں ہی نے انسانیت کا سبق دیا اور نور کی مشعل دکھائی۔ اس یورپ کو اٹھارہ صدی تک خود ساختہ متعصب مسیحیت اور پاپائیت نے اسلام کی حقیقت

اور اصلیت کے سمجھنے سے اندھیرے میں رکھا، انھوں نے اس مکمل دین کے ساتھ اس دشمنی سے (جو جاہلانہ عصبیت اور وطن پرستی اور قوم پرستی کے باعث تھی) سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا جو در اصل اس علمی بیداری کا حقیقی سبب اور منبع تھا۔

ف ۲۵

(۲۵ یورپ میں مذہب کی ضرورت کا احساس ۱۲۱

بہر حال قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی بیداری فرسودہ مذہب کی بیخ کنی سے شروع ہوئی تھی، لیکن اب ان وجوہات کی وجہ سے جن کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں یورپ میں مذہب کی ضرورت کا آج کل شدید احساس ابھر رہا ہے، ان کے اہلِ فکر کو ایسے مذہب اور شجرِ طیب کی تلاش ہے، جس کی اصل بھی صالح ہو، اور شاخیں بھی صالح۔ اور جس کے پھول خوشبودار اور بے خار ہوں ــــ جس کے پھل میٹھے اور جاں بخش بھی ہوں، جس کی ہو الطیف اور روح پرور بھی ہو۔ جہاں ان کو حکمت ملے اور نظر و فکر کے لیے ایک صحیح نقطہ کا آغاز ملے، جہاں ان کو وہ علم ملے، جو انسانی سیرت کی تشکیل کرتا ہو۔ جہاں وہ روحانیت جو راہبوں اور سنیاسیوں کے لیے نہیں بلکہ کارزارِ دنیا میں جد و جہد کرنے والوں کے لیے سکونِ قلب اور جمعیتِ خاطر کا سرچشمہ ہو، جہاں اخلاق و قانون کے وہ بلند اور پائیدار قواعد ملیں جو انسانی فطرت کے علمِ حاوی پر مبنی ہوں اور خواہشاتِ نفس کے اتباع میں بدل نہ سکتے ہوں، جہاں تہذیب و تمدن کے وہ صحیح اصول ہوں، جو طبقات کے جبلی امتیازات اقوام کی مصنوعی

تفریقوں کو مٹا کر خالص عقلی بنیادوں پر جمعیت کی تنظیم کرتے ہوں، اور عدل، مساوات، فیاضی اور حسن معاملت کی ایسی پرامن اور مناسب فضا پیدا کر دیتے ہوں جس میں افراد اور طبقات اور فرقوں کے درمیان حقوق کی کش مکش اور مفاد مصالح کے تصادم، اغراض و مقاصد کی جنگ کے لیے موقع باقی نہ رہتا ہو، بلکہ سب کے سب باہمی تعاون کے ساتھ شخصی و اجتماعی فلاح کے لیے خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ عمل کر سکیں۔

پس، اگر ایسے مذہب اور شجر طیب (جس کی اوپر ترجمانی کی گئی ہے) کی ان کو تلاش ہے، تو پھر وہ اسلام کے بغیر کوئی اور مذہب نہیں ہو سکتا۔

۲۶- اسلام ہی حق ہے اور ہمیشہ سے برقرار ہے

ڈاکٹر ڈریپر اپنی کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" کے صفحہ ۳۸۰ کے آخر میں جن فقرات پر ان کی یہ کتاب ختم ہو جاتی ہے، لکھتے ہیں کہ ــــــ

آج سے دو ہزار تین سو سال پہلے عزرا نے بابل کی بید مجنوں سے چھائی ہوئی ندیوں کے کنارے بیٹھ کر جو جملہ لکھا تھا اس کی صداقت میں آج بھی کلام نہیں "حق ہمیشہ برقرار رہتا ہے، اور اس کی قوت قائم رہتی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور فتح اسی کا ساتھ دیتی ہے [صفحہ ۳۸۰]"۔

باقی یہ بات کہ

حق کسے کہتے ہیں؟

سو عقلِ انسانی اس بارہ میں عاجز چلی آ رہی ہے، انسان کے پاس فیصلہ کن کوئی معیار نہیں ہے۔

ڈاکٹر ڈریپر اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۰ پر لکھتے ہیں کہ "ایک موقعہ پر جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے صفحۂ تاریخ پر بخطِ جلی لکھے جانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ روما کے ایک گورنر نے بیتاب ہو کر یہ سوال کیا کہ "حق کسے کہتے ہیں"۔ لیکن اس الوہیت مآب شخص نے جو گورنر کے سامنے کھڑا تھا اور جس سے یہ استفسار کیا گیا تھا، جواب میں کچھ نہ کہا۔ شاید خاموشی ہی اس سوال کا بہترین جواب تھی"۔

یہ سوال پہلے بھی بارہا کیا گیا تھا، لیکن بے فائدہ اور آج تک اس کا اعادہ رہ رہ کر ہو رہا ہے، مگر بے سود۔ کسی شخص سے اس کا شافی جواب آج تک بن نہیں پڑا، آگے لکھتے ہیں:

جب اُفقِ یونان پر صبحِ علوم و فنون کی روشنی نمودار ہوئی۔ اور قدیم مذہب کی ظلمت کافور ہونے لگی، تو اس ملک کے متقی و پرہیزگار، اور فطین و فہیم شخص دماغی یاس کی حالت میں مبتلا ہو گئے ۔۔ انکسا غورث فرطِ حسرت و تاسف سے کہتا ہے کہ "کوئی چیز معلوم نہیں ہو سکتی کسی حقیقت کے چہرے سے پردہ نہیں اٹھ سکتا۔ کوئی امر یقینی نہیں ہو سکتا۔ قوائے حسیہ محدود ہیں

قوائے عقلیہ کمزور ہیں۔ حیات مستعار قلیل ہے۔" زنوفنیز کا دعویٰ ہے کہ ناممکن ہے کہ ہم حق بات کو بھی یقینی تصور کر یں۔ یا مینا ئیڈیز کا قول ہے کہ انسان کی دماغی ساخت ہی ایسی نہیں ہے کہ وہ حق مطلق کی تحقیق کر سکے ۔۔۔۔۔ آسیپیڈا کلینز کی رائے ہے کہ ضروری ہے کہ کل فلسفہ اور مذاہب ناقابل اعتبار ہوں، اس لیے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی معیار نہیں جس سے ہم ان کو جانچ سکیں۔ دمی مقراطیس کا بیان ہے کہ حقائق بھی ہمارے ذہن میں تیقن کا القا نہیں کر سکتے، انسانی تحقیقات کا انتہائی نتیجہ یہ نکتہ ہے کہ انسان علم منطق سے روشناس ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا اور اگر حقیقت اس کی مٹھی میں بھی ہو تاہم اس کو اس کی موثوقیت پر یقین نہیں ہو سکتا۔ فیرو ہمیں یہ صلاح دیتا ہے کہ چونکہ ہمارے پاس حق و باطل کا کوئی معیار نہیں ہے، اس لیے ہمیں ہر شے کی نسبت اظہار رائے میں تامل کرنا چاہیے۔ اس فیلسوف نے اپنے شاگردوں کو تشکک کی اس حد تک تلقین کی تھی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم کوئی دعویٰ نہیں کرتے، بلکہ یہ دعویٰ بھی نہیں کرتے کہ ہم کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ آرکیسیورس نے اپنے شاگردوں کو یہ سبق دیا تھا کہ حق کی تکشیف ہرگز عقل کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ آسیسلئیس کو معلومات حسیہ و عقلیہ دونوں سے انکار تھا اور اس نے علی الاعلان کہا تھا کہ اسے کسی شے کا علم نہیں یہاں تک کہ اپنی لاعلمی کا بھی علم نہیں۔ غرض جس عام نتیجہ پر فلسفہ یونان پہنچا تھا وہ یہ تھا کہ چونکہ حواس کی شہادت نقطۂ اتصال نقیضین ہے لہذا ہم حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے

اور عقل اس درجہ تک ناقص ہے کہ ہم کسی فلسفیانہ نتیجہ کی صحت کے ضامن نہیں ہو سکتے۔

یہ تو ہوا۔ اور سُنیے، ایک بہت بڑے ماہرِ علوم سید سلیمان ندویؒ سیرت نبوی میں تحریر کرتے ہیں کہ ــــ کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے۔ کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے۔ کوئی شخص خدا کا یقین رکھتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابلِ تصوّر ہے۔ کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے۔ کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود وہم و فریب ہے۔ کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے۔ کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل غیر متناہی ہے کوئی مانتا ہے کہ نہیں ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور پاتا ہے اور کوئی مختار، کوئی مبدءِ عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا۔ بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی آپ کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو"۔

عقلِ انسانی کی انہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے، کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق یقین ہے ورنہ نہیں۔

اور خصوصاً موجودہ زمانے میں تو اس سرعت اور کثرت کے ساتھ نظریات اُبل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے۔ اس قدر مختلف ہندسات، اس قدر مختلف منطقین،

اس قدر مختلف طبیعاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں ۔ ۔ ۔ کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ، وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے ۔ صلہ

جن کے اقوال و آراء اوپر آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں ۔۔ یہ کوئی معمولی اشخاص نہیں ہیں ، بلکہ یہ لوگ چوٹی کے فلاسفر اور کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ہیں ۔۔۔ احقاق حق کے بارہ میں اس اختلاف رائے اور اس اختلاف خیال کی بنا پر کسی فلسفی یا سائنسدان کا یہ دعویٰ کہ ۔۔۔ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ یا سائنس کے خلاف ہے ۔ اس لیے ناقابل قبول ہے ؛ یہ ایک تعجب انگیز اور حیرت افزا انکار ہے ۔

اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَذِكْرٰی بیشک اس میں یاددہانی ہے اس شخص کے لیے
لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی جس کے پاس دل ہو، یا متوجہ ہو کر بات پر کان
السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ؀ (قرآن) دھرے ۔

مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا جس کو اللہ روشنی عنایت نہیں کرتا پس اس کو
فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ (قرآن) کہیں سے بھی روشنی حاصل نہیں ہو سکے گی ۔

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ناپاکی جما دیتا
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ؀ (قرآن) ہے جو ایمان نہیں لاتے ۔

پھر ڈاکٹر ڈریپر صلہ ۲۸۱ میں اوپر کے مختلف اقوال اور آراء نقل کرنے

کے بعد لکھتے ہیں کہ

"قیاس چاہتا ہے کہ ایسے موقع پر ایک ایسا مدلل و مبرہن صحیفۂ آسمانی منجانب اللہ انسان پر نازل ہو کہ شک و شبہ کا خاتمہ ہو جائے، اور کسی شخص کو اس سے یارائے اختلاف اور مقاومت نہ ہو"۔

۲۸۔ معیارِ حق کی نشان دہی

قرآنِ حکیم میں یہ آیات موجود چلی آ رہی ہیں:

(۱) وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (قرآن) — اور ہر قوم کے لیے رہنما ہوا ہے۔

(۲) وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (قرآن) — اور ہر ایک امت میں ڈرانیوالا ہو گزرا ہے۔

اور قرآن میں یہ بھی چلا آ رہا ہے

(۳) يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ — کیا افسوس ہے بندوں پر ان کے پاس ایسا کوئی بھی رسول نہیں آیا جس سے انھوں نے ہنسی نہ کی ہو۔

(۴) وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ (قرآن) — اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے ایسی کوئی بھی نشانی نہیں آتی کہ جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔

(۵) بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۶/۲۳ — بلکہ وہ حق لایا اور اس نے سب رسولوں کی تصدیق کی ؛

تشریح : ان آیات میں سے ڈاکٹر ڈریپر آنجہانی کے قیاس کو تسلیم کر کے اس کا تحقیقی جواب دیا جا سکتا ہے کہ ہر ایسے موقع پر جب حق کو انسانوں نے گم کر دیا، یا وہ انسانوں پر ملتبس ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو واضح کرنے کے لیے بار بار برگزیدہ معلم و مبلغ بھیجے گئے اور صحیفے بھی نازل کیے گئے جو عقل و فطرت کے راستوں میں گمراہ اور گم ہونے والوں کو راہ مستقیم کی طرف دعوت دیتے رہے اور ہر زمانہ میں قوموں کے حالات اور تقاضوں کے مطابق معیار حق و صداقت پیش کرتے رہے ہیں ؛

پس اس وقت بھی جب یہ لوگ تلاش حق کے سلسلہ میں سرگرداں اور ریب میں مبتلا تھے، خدا تعالیٰ کا دیا ہوا معیار حق اس وقت بھی موجود تھا، لیکن عقل پرست اور مترفین اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے معیار حق سے ہمیشہ اعراض کرتے رہے اور استہزا سے پیش آتے رہے ہیں، جیسا کہ اوپر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کھول کر بیان کیا ہے اور ان کے اعراض و استہزا پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے ؛

پس معلوم ہوا کہ وہ اسلام ہے جس کی بنیاد ایسے حق پر نکلتی ہے جس میں باطل کا نشان نہیں۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ سائنس اس سلسلہ میں ایک

شور بے بنیاد اور باطل کا نام ہے، اور اسلام ایک حقیقتِ ثابتہ اور حق کا نام ہے جس کی جڑیں مستحکم اور دائمی ہیں ۔

اس مقام پر دین حق (الاسلام) کے متعلق ایک نکتے کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ ایک چیز انسان کی فطرت کے اندر ودیعت رکھ دی گئی ہے، وہ کسی بلند اور بالا ہستی کا وجدانی طور پر احساس ہے۔ اس وجدانی احساس کے اعتبار سے انسان شروع سے آخر تک یکساں چلا آتا ہے، لیکن اس وجدانی کیفیت کے علاوہ دوسری حالت اس کے ذہن کی ہے اور ارتقائے ذہنی کے لحاظ سے ابتدائی دور انسانیت گویا بچپن کا عہد ہے اور اس کے بعد جوانی کا زمانہ دین کا وہ حصہ جو انسان کے وجدانی جذبے کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتا ہے، ہمیشہ ایک رہا ہے۔ قرآن کریم میں بھی وہی ہے، جو حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ لیکن دوسرا حصہ جو حیاتِ انسانی کے لیے اصول طور پر ایک ضابطے کا کام دے، جو ذہن انسانی کی علمی نشوونما و ارتقاء کی پرورش و رہنمائی کرے۔ وہ قرآن کریم کے اندر آکر مکمّل ہو گیا (اور قرآن کے باہر اور کہیں نہیں ہے)۔ وہ خدا جسے علم ہے کہ ذہن انسانی کی پرواز کی حد کون سی ہے اس نے اس ضابطے کو اس انداز سے مکمّل کر دیا کہ اس میں اب کسی اضافے، کسی تبدیلی اور کسی تجدید کی ضرورت و گنجائش باقی نہیں رکھی ۔

اس وقت یہ بحث موضوع سے باہر کی چیز ہے کہ — اسلام کیونکر

ایک مکمل دین حق ہے اور تمام دنیا کے لیے صرف یہی ایک دین کافی ہے؟ اور یہ کہ ایک ہی رسول کیسے کفایت کر سکتا ہے؟ اس بحث کو دوسری جگہ مفصّل بیان کیا گیا ہے۔ اور خلاصہ کے طور پر کچھ یہاں بھی بیان ہوگا ہ

یہاں صرف مختصراً اس قدر اشارہ کیا جانا کافی ہے کہ آج مختلف ایجادات نے زمان و مکان کے بُعد کو مٹا کر زمین کی طنابیں اس طرح کھینچ دی ہیں کہ تمام کرۂ ارض ایک وحدت ہو چکا ہے اور آپ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تمام نوعِ انسانی تک اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں اور ایک مرکز سے ساری دنیا کا نظام چلا سکتے ہیں۔ دنیا کی جغرافیائی حدود و بندیاں عہدِ کہن کی یادگار ہیں۔ جب زمان و مکان کے بُعد پہاڑ بن کر حائل تھے۔ آج دنیا ان غیر فطری حدود و قیود سے خود گھبرا اٹھی ہے اور کسی ایسے نظام کی تلاش میں ہے جس سے یہ حدود ٹوٹ جائیں اور ساری دنیا ایک وحدت میں تبدیل ہو جائے۔ یورپ کے ماہرینِ سیاست اس نظام کا خاکہ ایک عالمگیر فیڈریشن کی شکل میں دیکھ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ان کا کہنا ہے کہ "بُعدِ مکانی ہٹ جانے کے بعد انسانی تمدّن و تہذیب میں جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، وہ محیّر العقول ہیں۔ بایں ہمہ جہاں ہمارا عمرانی نظام ہمارے اسلاف سے اس قدر مختلف ہو چکا ہے، ہمارا سیاسی نظام ابھی تک وہی چلا آ رہا ہے، دنیا سمٹ کر ایک برّاعظم بن چکی ہے۔ لیکن دنیا میں قومی حکومتوں کی حدود و قیود بدستور قائم ہیں ـــ

اس بدانتظامی کو مٹانے کے لیے ایک بدیہی طریقہ کار یہی ہے کہ کوئی ایسا نظام زندگی ہو جس سے یہ حدود و قیود مٹ جائیں۔

لیکن ایسا نظام زندگی جس کی اس وقت شدت سے تلاش ہو رہی ہے۔ اسلام ہی نے پیش کیا ہے۔

۲۹۔ اخوّتِ اسلامی

ہم اس مقام میں غیر مسلم برادران انسانی کے سامنے محترم لارڈ ہیڈلے فاروق نومسلم کی تقریر دلپذیر کا پیش کرنا نہایت موزوں خیال کرتے ہیں:

لارڈ موصوف اخوتِ اسلامی پر تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ

۔ اسلام کے تمام خط و خال سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ تمام انسانوں کا متحدہ دین ہے۔ اس کے احکام و عقائد میں ایک ایسی عالمگیری موجود ہے جو ہر قدم پر اقوام عالم کے لیے ایک متحدہ اخوت کا پیغام بن جاتی ہے۔

اسلام کا خدا ربّ العالمین ہے۔ یعنی تمام اقوام کو پالنے والا!

اسلام کا رسول، رحمۃ للعالمین ہے، یعنی تمام اقوام عالم کے لیے رحمت!

اسلام کی کتاب، ذکریٰ للعالمین ہے، یعنی تمام اقوام عالم کے لیے نصیحت!

اسلام کا وطن کوئی خاص قطعہ زمین نہیں، بلکہ یہ ساری کائنات

اس کا وطن ہے۔ ع "مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا"

اقوام عالم کا اسلام کی طرف کھنچے چلا آنا کوئی اتفاقی واقعہ نہیں، یہ فطرت اسلام کی وسعت کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے قانون اخوت میں یہ حیرت انگیز قوت موجود ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے اپنا لیتی ہے۔ اسلام کے قانون اخوت میں دفعات ذیل موجود ہیں:

(۱) تمام انسانی دنیا ایک امت ہے۔ تمام انسان ایک فطرت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ تمام کائنات ایک قانون کے تابع ہے اور زمین و آسمان میں جو کچھ بنایا گیا ہے سب انسان کے فائدے اور خدمت کے لیے ہے۔ انسان کی بھلائی کا راز یہ ہے کہ وہ قانونِ الٰہی کی اطاعت کرے، اطاعت و نافرمانی کی جزا سزا میں سب انسان برابر ہیں، یہ سب احکام قرآن میں موجود ہیں:

(۲) قرآن میں ہے کہ انسانی اختلافات کا ایک حصہ، رنگ، نسل، زبان وغیرہ بالکل قدرتی ہے۔ یہ اختلاف قدرتِ خداوندی کا نشان ہے ذاتیں اور قبیلہ صرف ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی بڑائی کا معیار تقویٰ ہے) ان احکام کے ذریعہ اسلام نے یہ کوشش کی ہے کہ ذات، خاندان، زبان اور نسل کے نام پر انسان

الگ الگ جھتے قائم نہ کریں ۔

(۳) قرآن میں ہے کہ دنیا کی ہر ایک قوم میں خدا کے نبی آئے ہیں (اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ) یہ نبی ایک ہی جماعت کے افراد، اور ایک ہی سلسلۂ ہدایت کی مختلف کڑیاں تھے۔ اور اصولی طور پر ایک ہی تعلیم لائے تھے۔ پس ان نبیوں کے نام پر انسانوں کو جدا جدا نہیں ہونا چاہیے ۔

(۴) قرآن میں تاکیدی حکم ہے کہ تمام گزشتہ نبیوں اور کتابوں کا احترام کرنا، اور ان کی صداقت پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

(۵) قرآن میں لکھا ہے کہ تمام مذاہب کے عبادت خانوں کا احترام و حفاظت کی جائے، اور ان میں ہر قوم کو خدا کی عبادت کا حق حاصل ہو ۔

(۶) قرآن کا ایک حکم یہ ہے کہ — ان تمام کاموں میں جن کی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر ہے۔ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کی امداد کرنی چاہیے ۔

(۷) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے اچھی زندگی یہ ہے کہ انسان خلق خدا کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

اَلۡخَلۡقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الۡخَلۡقِ	تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے، خدا کے نزدیک بہتر
اِلَی اللّٰہِ مَنۡ اَحۡسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ	وہی ہے، جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر
(حدیث)	سلوک کرے ۔

(۸) فقیر، مسکین، مسافر اور قرض دار کی فلاح اور غلاموں کو آزاد کرانے

کے لیے ہر مسلمان کو لازمی طور پر اپنے ترقی کرنے والے مالوں کا چالیسواں حصہ
ہر سال خرچ کرنا چاہیے ؁

۳۰- اسلامی اخوّت پر ایک نظر

یہ ہے اسلام کا دستور اخوت، آپ غور کریں کہ، جو قوم خدا کی پرورش فرمائی۔ رسول خدا کی رحمت اور قرآن کی نصیحت میں تمام اقوام عالم کو شریک سمجھتی ہو، جسے یہ حکم ہو کہ وہ اولاد آدم کو اپنے ہم وطنوں، بھائیوں کی طرح پیار کرے حکم قرآنی کے مطابق انسانی اخوّت ومساوات کی قائل ہو، قوموں کے اختلاف کو الہی رواداری اور عالمگیر اخوت کی نظر سے دیکھے۔ تمام نبیوں، تمام کتابوں اور تمام مذاہب کے عبادت خانوں کی عزّت کو جزو ایمان سمجھے۔ ہر ایک نیکی میں دوسروں کی امداد پر کمربستہ رہے، اور یہ سب اصول اس کی زندگی کا شعار ہوں۔ اس کے قانون کا جزو ہوں اور اس کے روزمرّہ میں داخل ہوں —— تو ان حالات میں دنیا کی کس قوم کو جرأت ہو گی کہ اس کے دائرہ محبّت سے الگ ہو سکے ——
بہت سے لوگ اسلام کی اشاعت وفتوحات کی تیزی پر تعجب کرتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ، جس قوم کی دماغی اور روحانی وسعتوں کا یہ عالم ہو، اگر وہ نصف صدی میں نصف دنیا پر چھا گئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے ؀

اسلام کے دستور اخوت سے اس کی وسعت و قبولیت کا راز ظاہر ہے۔ دوسرے مذاہب نے اپنے اپنے وجود کو اس خیال پر قائم کیا ہے کہ ان کے مخصوص مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب اور ان کے بزرگ غلطی پر ہیں۔ یا نا قابل توجہ ہیں۔ مگر اسلام نے اپنے وجود کو تمام نبیوں اور تمام آسمانی کتابوں کی صداقت کی تصدیق پر، جو وہ اپنے اندر رکھتے تھے قائم کیا ہے۔ ایک یہودی کہتا ہے، حضرت موسیٰؑ کے سوا سب کو چھوڑ دو، مگر ایک مسلمان کہتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب نبیوں اور سب کتابوں کو شامل کر لو، اور ایک ہو جاؤ۔ اب ایک غیرت مند ہندو یا عیسائی کس کو قبول کرے گا؟ ایک یہودی کو جو اس کے دل سے تاریخ اور مذہب کی تمام پہلی محبتوں کو نکالتا ہے۔ یا ایک مسلمان کو جو پہلی محبتوں کو قائم رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایک نئی محبت کو شامل کرتا ہے۔

ف

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔ ([illegible])

لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے سوا مقابل بنا کر ان سے محبت کرنے لگتے ہیں لیکن جو اہل ایمان ہیں انھیں سب سے زیادہ محبت خدا ہی سے ہوتی ہے۔

یعنی محبت کا مرکز خدا کی ذات ہے، یہ نعمت اسی کی بارگاہ سے تقسیم

ہوتی ہے اور سب کو برابر ملتی ہے، لیکن جو لوگ خدا کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ دوسرے معبود بنا لیتے ہیں ان کی محبت تقسیم ہو کر نفرت میں بدل جاتی ہے اپنے اپنے معبودوں کی محبت، قوم کی محبت، قبیلہ کی محبت، وطن کی محبت، صوبہ کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت کی محبت غائب اور اس کی جگہ نفرت کا بازار گرم۔ اگر ہماری محبت خالص اللہ کے لیے ہو، تو اللہ ہی کی طرف سے ہدایت ہو گی، کہ اس کی ساری مخلوق سے محبت کی جائے اور قوم اور قبیلوں وغیرہ کے بتوں کو بیچ کر محبت کو تقسیم نہ کیا جائے۔ محبت کی تقسیم کا نتیجہ نفرت ہے، اور خدا کی ذات اس نفرت سے پاک ہے۔ فرمایا کہ اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ ان کی محبت صرف خدا کے لیے ہو۔ اور خدا کی بخشی ہوئی محبت میں تمام انسان شریک ہوں۔ ہے کوئی جو محبت اور نفرت کے اس فلسفہ کو آزمائے، اور اپنی محبت میں ساری دنیا کو شریک کر دے؟

حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی محبت اور بغض صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ مشہور ہے۔

فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (قرآن) یعنی جو اہل ایمان ہیں انھیں سب سے زیادہ محبت خدا ہی سے ہوتی ہے۔

خیر القرون کے مسلمانوں کے اندر اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ہی کا جذبہ تھا کہ دنیا

میں جہاں چاروں طرف بُت ہی بُت پج رہے تھے ان کی تلوار خدائے ذوالجلال کے توحید اور محبت کی حمایت میں چمکی اور تعدّد کو مٹا کر رہی ہو ص۱۲۸ معرکہ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ (پ۱۰ - ع۱۱)

انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا کے سوا اپنا رب بنایا ہے اور حضرت مسیح کو بھی، حالانکہ انھیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ لوگوں کو شریک بنانے سے پاک ہے ✦

اسلام میں اختیارِ مطلق کا مالک صرف اللہ ہی ہے۔ اللہ کے رسول اس کے پیغامبر ہیں۔ خدا نہیں ہیں، لیکن یہود و نصاریٰ نے اپنے درویشوں راہبوں اور پوپوں کو خدا کا قائم مقام سمجھ لیا ہے اور عیسائی حضرت مسیح کو بھی یہی درجہ دے رہے ہیں۔ لیکن اسلام ان تمام مشرکانہ نظریات کی تردید کرتا ہے، وہ انسان کو انسان کی غلامی میں دینا نہیں چاہتا، وہ انبیاء کی اطاعت فرض قرار دیتا ہے، مگر انھیں خدائی کا کوئی درجہ نہیں دیتا۔ مارٹن لوتھر نے اس آیت کی گہرائی پر نظر ڈالی اور پاپائیت کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا اور پروٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد ڈالی ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے ✦ پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے ہٹا دو

پھر اسلام نے نبیوں کی تحقیق اور تشخیص کے معاملے کو بھی محدود نہیں کیا۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ سچے نبی صرف وہی ہیں جن کے ناموں کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ بلکہ قرآن میں صاف صاف یہ آیت موجود ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو۔

ایک حدیث میں نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے اسلام نے ان سب کی تصدیق و احترام کو ضروری قرار دے کر اپنے دائرہ اتحاد کو خدا تعالیٰ کی تمام مخلوق تک وسیع کر دیا ہے، اور اپنے احترام و حق پسندی اور اخوت و رواداری کے بازوؤں کو اتنا پھیلا دیا ہے، کہ دنیا کی تمام قومیں اور تمام مذاہب اس کے آغوش میں آ گئے ہیں۔

اسلام صرف مذہبی فرقہ بندی ہی کا مخالف نہیں ہے، بلکہ عام انسانیت میں بھی ہر قسم کی تفریق کا خواہ وہ کسی نام سے کی جائے مخالف ہے۔ اسلام نہ صرف تمام نوع انسان کو بلکہ تمام کائنات کو ایک ذات واحد کی حیثیت دیتا ہے اور بتلاتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک مشترک مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی اصول پر وہ حکم دیتا ہے کہ، تمام انسان ایسے کاموں کی تکمیل میں جن کی بنا نیکی اور پرہیزگاری پر ہے۔ ایک دوسرے کی امداد کریں۔ اسلام دین اور دنیا کے فرق کو مٹاتا ہے۔

اسلام عورتوں اور غلاموں کو جن کی پست حالی تمام انسانی ترقی اور

اتحاد کی راہ میں روک تھی، مساوات کے حقوق دیتا ہے۔ اسلام میں پیدائشی مسلمان اور نومسلم کا درجہ بالکل برابر ہے۔ عند اللہ فرق ہے تو صرف تقویٰ کی کمی زیادتی کی بنا پر۔ اسلام نے کسی کو اچھوت قرار نہیں دیا، اسلام کسی حسب و نسب کا قائل نہیں اور نہ اس میں کالے اور گورے کی تفریق ہے نہ زبان اور خون کا امتیاز ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نذر، نیاز، جلوس اور قربانی کی چند رسوم کا نام دین نہیں ہے، بلکہ وہ فطرتِ انسانیت کی ایک بڑی سچائی ہے، اور اس کے تمام احکام کا منشا یہ ہے کہ ظلم و فساد اور تعصّب و عناد کی ہر علیحدگی مٹ جائے اور آدم کی اولاد اتّحاد و اخوّت کی دنیا میں وہ بلند مرتبہ حاصل کرے جہاں خدا کی توحید اور انسان کی وحدت کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہ ہو۔

۱۳۔ ذمیوں کے حقوق

اب ہم کو صرف یہ بتانا باقی ہے کہ اسلام نے ان غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا، جو اس کے دائرہ اتحاد میں شامل ہو جاتے تھے؟ قیام مدینہ کے پہلے سالوں میں اسلام کو حکومت کی حیثیت حاصل نہ تھی، لیکن فتح مکہ کے بعد بحرین۔ عمان۔ عدن، یمن وغیرہ فتح ہوئے، جہاں مسلمانوں کو پہلی دفعہ یہود، پارسی، عیسائی اقوام کے ساتھ بہ حیثیت رعایا تعلقات قائم کرنے کا موقعہ ملا، جن قوموں نے اسلام کی ماتحتی قبول کی، حضور سرورِ عالم نے ان کے

ہر بالغ اور صاحب استطاعت مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر فرمایا، اور اس کے ساتھ ہی اگر ان حقوق کی تفصیل معلوم کی جائے جو حضور نے اپنے معاہدوں میں وقتاً فوقتاً ذمیوں کو عطا فرمائے، تو معلوم ہوا کہ ان میں حسب ذیل امور شامل تھے:

(۱) ان کو فوجی خدمت دینا معاف ہوگا۔

(۲) دشمنوں کے مقابلے میں مسلمان ان کی طرف سے مدافعت کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۳) ان کو زبردستی اپنے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔

(۴) جزیہ لینے کے لیے محصل خود ان کے پاس جائے گا۔

(۵) ان کی جان اور مال کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہوگی۔

(۶) ان کے کاروان اور قافلے محفوظ رہیں گے۔

(۷) ان کی زمین اور دوسری ملکیتیں ان کے قبضے میں رہیں گی۔

(۸) ان کے پادری عہدوں سے برطرف نہ کیے جائیں گے۔

(۹) صلیبوں اور بتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

(۱۰) ان سے عُشر (دسواں حصہ) وصول نہیں کیا جائے گا، جو مسلمان ادا کرتے ہیں۔

(۱۱) فوج ان کے ملک کو عبور نہ کرے گی۔

(۱۲) ان کو اپنے عقائد سے زبردستی منحرف کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی۔

(۱۳) ان کے حقوق زائل نہ ہوں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ان امور کی تعمیل و تکمیل میں اسلامی حکومتوں نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے۔ ذمیوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی رواداری عدیم المثال ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جو لوگ ذمی ہیں ان کا خون ہمارا خون ہے، اور ان کا خونبہا ہمارا خونبہا ہے۔

عباسی بادشاہوں نے ذمیوں کی حفاظت کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا، اسی طرح ہسپانیہ میں بھی ایک محکمہ ان امور کی نگہداشت کے لیے مقرر کیا تھا۔ یہودیوں کو اسلام کے زیر سایہ جس قدر امن و فراغت کی زندگی نصیب ہوئی، تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

۲۳۔ خطاب با قوام عالم

لارڈ ہیڈلے فاروق نے آخیر تقریر میں اقوام عالم کو خطاب فرمایا!

اے بندگانِ خدا! آپ نے اخوت اسلامی کے اصول اور عمل دونوں چیزیں دیکھ لیں۔ اے فرزندانِ آدم، اے باشندگانِ زمین! تم زمین کے کسی گوشے میں رہو، کوئی زبان بولو، کوئی مذہب اور کوئی قومیت اختیار کرو۔ تم مسلمان ہو یا غیر مسلم، حاکم یا محکوم، دوست ہو یا دشمن، آزاد ہو یا اسیر۔ معاہد

ہو یا ذمّی! تم نے دیکھا ۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامن اخوت میں تم سب کے لیے مساوات کا مقام ہے ۔ دنیا کے تمام نبیوں اور کتابوں کے لیے احترام ہے ۔ تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کے لیے حفاظت ہے ۔ فقیروں اور اسیروں کے لیے ہمدردی ہے ، دشمنوں کے لیے محبّت ہے ۔ ذمّی اور غلام کے لیے برابری کی عزّت اور آزادی ہے ؂

بہرحال اسلام کا پیش کردہ نظام حیات ، بہت وسیع اور عالمگیر ہے یہ ایسے وسیع اور ربانی تصوّر پر مبنی ہے کہ دنیا کی تمام پابندیاں اور وسعتیں اس میں سمٹ جاتی ہیں اور ساری قومیں اور حکومتیں اس کو رضامندی سے قبول کر سکتی ہیں ؂

اسلام اس لیے نہیں آیا کہ وہ لوگوں کی ان تمام چیزوں کو یکسر قلم ساقط کر دے جو ان کے اخلاق و تمدّن سے تعلق رکھتی ہوں یا ان کے قومی رسم و رواج میں شامل ہوں ۔ اسلام کا عمل یہ ہے کہ وہ ایسے مواقع میں پوری رواداری کو عمل میں لاتا ہے ، تمام عادتوں اور رسومات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر بعض چیزوں کو بعینہا باقی رکھتا ہے اور بعض کی مخالفت کرتا ہے اور بعض میں تہذیب و تنقیح کر دیتا ہے ؂

پس یہ اسلام پر بہت بڑا بہتان اور افترا ہے کہ اسلام ہر زمانے کی ترقیات کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور یہ کہ اسلامی نظام میں

غیر مسلموں کے لیے کوئی جگہ نہیں !

اسلام کا روشن مستقبل

پس اسلام کے نظام پر تمام دنیا کو اس وقت ایک مرکز پر لایا جا سکتا ہے۔ اسلامی تعلیمات اور اس کی تاریخ نے پونے چودہ سو سال کی مدت میں اقوام کی ذہنیتوں میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ اسلام نے علیحدہ علیحدہ مختلف خطوں کو اپنی تعلیمات سے سیراب کیا، اور اب دنیا کی ذہنیت میں عالمگیر استعداد اور قابلیت پیدا کر کے اس نے یہ راستہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ ہمہ گیری کے ساتھ اپنے فیوض کی بارش عامہ خلائق پر برسائے، اور اپنے ہی وسیع دائرہ میں ساری خلائق کو اکٹھا کر دے، کیونکہ قومیں اور حکومتیں اس دور سے پہلے جو صرف اپنے اپنے لیے سوچا کرتی تھیں، اب ساری دنیا اور انسانیت کے لیے سوچ رہی ہیں اور ساری دنیا کو ایک نظام کے تحت اکٹھا کرنا چاہتی ہیں۔ یعنی وحدتِ انسانیت، انسانی اخوت، انسانی دوستی، انسانی آزادی، انسانی مساوات، انسانی حقوق، مذہبی آزادی، بین الاقوامی قانون۔ بین الاقوامی رواداری، عالمی سیاست، بین الاقوامی ادارت وغیرہ۔

ان عالمی مقاصد کا تخیل و تصور دنیا میں تعلیمات اسلامی ہی نے پیدا کیا ہے — کیونکہ اسلام سے پہلے بین الاقوامیت کا نعرہ لگا کر کسی بھی ملت

اور قوم نے کوئی مکمل بین الاقوامی پروگرام پیش نہیں کیا جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کی رعایت ہو ـــ بے شک ایسے عالمگیر اصول تو قرآن حکیم اور رسول عالمی علیہ التحیۃ والسّلام کی علمی اور عملی تعلیمات ہی نے دنیا کو دیے ہیں، جنھوں نے اقوامِ عالم کے ذہنیتوں میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا ہے اور دماغوں اور دلوں پر اقتدار قائم کر لیا ہے ۔

یہ اسلام کے عالمی نظام ہونے کا زبردست تاریخی ثبوت ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ غیر مسلم دنیا ان عالمگیر اصولوں کا ایک عرصہ سے پروپیگنڈا کر رہی ہے، لیکن اسلام کی طرف منسوب کر کے نہیں، بلکہ اپنا مفروضہ کہہ کر پیش کیا جا رہا ہے، یا بالفاظ دیگر خدائی قانون اور مذہب کا نام رکھ کر تسلیم نہیں کیا جا رہا بلکہ چرا کر اپنایا جا رہا ہے ۔

یہ اندازِ تسلیم اچھا ہو یا برا ـــ مگر اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ـــ آج کی دنیا، زندگی کی جدوجہد اور شیونِ حیات میں ان اسلامی اصولوں سے کسی طرح بھی مستغنی نہیں ہے، اور وہ طوعاً یا کرہاً ان کی طرف جھکنے کے سوا چارہ نہیں دیکھتی ۔

پس اگر یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے؟ اور بالکل ہے، تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کی برسرِ اقتدار قومیں اسلام کے قریب تر ہو چکی ہیں اور اس کو قبول کر لینے پر آمادہ ہیں، اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (تاکہ

اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دے) کی صداقت عالمگیر خاکہ میں ظاہر ہونے والی ہے۔

بہر حال ـــ اگر کسی نظریہ کو حکمت اور عقلیت پر پرکھ کر قبول کیے جانے کا دور ہے۔ (۱) اگر واقعی اس وقت بین الاقوامی عالم گیر نظریہ حیات کی ضرورت ہے (۲) اگر تمام دنیا سے شر و فساد کا اٹھانا اور ہمہ گیر امن و سلامتی کی خواہش ہے۔ (۳) اگر موجودہ اقتصادیات میں توازن قائم کرنے کا ارادہ ہے (۴) اگر تمام قوموں کو ایک بین الاقوامی ایسی جمہوریت پر مجتمع کرنے کا خیال ہے، جو کہ ایک نقطہ واحد پر مرتکز ہوتی ہو (۵) تو پھر منطقی طور پر اس نتیجہ کو ماننا پڑے گا کہ ـــ حکمت و عقلیت پر انقلاب پذیر قومیں اب اسلام کو قبول کر لیں گی ـــ کیونکہ ایسے وسیع تر اور بلند تر حکمت و فلسفہ پر مبنی اور عالم گیر نظام حیات جو تمام قوموں کے درمیان حقوق کی تقسیم عدل و مساوات اور انسانیت کے نظریہ پہ کرتا ہو، وہ اسلام ہی ہے۔

۳۴۔ دنیا کے مشکل مسئلے کا حل

سب سے بڑی گتھی جس کو سلجھانے کے لیے ہمیشہ بڑے آدمیوں کو ضرورت پڑی، اور ہر نئے نظام کو اس کے متعلق اپنا خاص نقطہ نظر متعین کرنا لازمی ہوا ـــ وہ انسانیت کے مختلف طبقوں کے درمیان جن میں اکثر کشمکش رہتی ہے، صلح و صفائی اور میل ملاپ

کی راہ پیدا کرنا ہے ــــ امیر و غریب کا فرق، آسودہ حال و قلاش کی چپقلش زمینداروں اور کسانوں کا تفاوت، زرداروں اور بے زر والوں کی آپس میں کھینچا تانی، کارخانوں کے مالکوں اور ان میں کام کرنے والے مزدوروں کی بے اعتمادی ــــ اس کشمکش، اس اختلاف اور اس دشمنی کو جو ایک قوم کے مختلف طبقوں میں قدرۃً ہوتی ہے ــــ دور کرنا ہر صاحب مذہب اور ہر نئے نظام کا فرض ہوتا ہے ــــ اس لحاظ سے اسلام کو بھی اس مسئلہ کا حل ضروری تھا ــــ چنانچہ اسلام نے اس کا حل اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر ایک ظالم، فاجر اور ناجائز نفع اندوزوں کے مقابلہ میں (جب یہ لوگ انسانیت سے نہ مانیں) جنگ کیا ــــ اور اپنے آپ کو مشرق و مغرب کے تمام فلسفوں، مذاہب اور تمام نظامہائے حیات کا نعم البدل قرار دیا۔ اسلام کے نعم البدل ہونے کا دعویٰ نظری اور فکری طور سے ہی نہیں ہے، بلکہ عملی طور سے بھی وہ اس کا مدعی چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ اس کی پرکھ خود زمانے نے کر دی ہے، جہاں کہیں ان فلسفوں اور مذاہب سے اسلام کی ٹکر ہوئی اسلام غالب آیا، اور یہ فلسفے اور مذاہب یا تو مٹ گئے یا انھوں نے اپنے آپ کو اسلام کے ہم آہنگ بنا لیا۔[1]

---

[1] اس سے زیادہ مفصل تمہید حکومت الٰہیہ کے مسودہ صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۲ میں ہے ۱۲

۳۵۔ مذاہب میں سے اسلام ہی کو حکومت کا حق ہے

چونکہ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب اسلام جیسی رواداری نہیں رکھتا، اور نیز دوسرے مذاہب میں اس قدر صحیح قانون کسی دین کے پاس نہیں جس قدر اسلام کے پاس ہے۔ اور ان مذاہب کو اسلام اپنا حریف سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں تنگی اور نقص ہے۔ جب یہ مذاہب برسر حکومت آئے تو انھوں نے لوگوں کو غلام بنایا اور حریتِ انسانی کو کچلا اور مساوات کو فنا کیا اور مذہبی عصبیت کو ابھار کر مخلوقِ خدا کو تنگ کیا اور ان پر قسم قسم کے ناگفتہ بہ ظلم کیے گئے۔ اس لیے اسلام ان سے سلطنت چھیننے کے لیے جنگ کرنے کو جائز قرار دیتا ہے اور ایسے کسی مخالف نظام کو اپنے ہاں رہنے نہیں دیتا۔ اسلامی قانون افضل ہے اور حق پر ہے اور ظلماتِ ظلم کو دور کرنے میں سب سے پیش پیش ہے۔ انسانوں کی غلامی کو کتاب الٰہی دنیا سے برباد کرنا چاہتی ہے انسان کی فطری آزادی کی صحیح ترجمانی کرتی ہے، مگر پہلی امتوں نے کتاب الٰہی سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا؛ دین کے ناموں سے انسانوں کی غلامی کی صورت برداشت نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ دوسرے دینوں میں یہ نقص پیدا ہو گیا ہے، اس لیے ان کو حکومت کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ اس کی مزید

تشریح آگے بھی آئے گی ۔

الغرض اسلام بین الاقوامی فکر اور تمدن کی قیادت کا مدعی اور مالک چلا آرہا ہے —— اس دور میں اسلام کی بین الاقوامی تحریک کی حامل کوئی قوم نہیں رہی۔ موجودہ وقت کا تقاضا ہے کوئی بین الاقوامی ادارہ معرض وجود میں آئے جس میں ساری قومیں برابر کی شریک ہوں یعنی ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک اپنی جگہ آزاد ہو، اور پھر آزاد قومیں اور ممالک باہم مل جل کر کسی بین الاقوامی اسلامی ادارہ کی تشکیل کریں ۔

قومی حکومتوں کا تصور اسلام کے خلاف نہیں، بشرطیکہ ہر قومی حکومت کا اساسی اصول اسلامی ہو۔ اسلام قومیتوں کا انکار نہیں کرتا۔ وہ قومیت کی اصلاح ضرور کرتا ہے ۔

---

۱۵ اَلْحَقُّ وَالْحِكْمَةُ [سے]

ہمارے استاذ الاستاذ العلما سید محمد انور الکشمیری قدس سرہٗ نے اپنی تالیف "الضرب الخاتم علی حدوث العالم" کے ص۸ پر ذیل کے دو شعروں پر ایک حاشیہ لکھا ہے جس میں حق و حکمۃ کی تعریف اور ان کے درمیان نسبت کو بھی واضح کیا ہے۔ یہاں اس کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ ہکذا

وَوَجْهُ اِخْتِفَاءِ الْحِكْمَةِ الْيَوْمَ اَنَّهَا ۞ اَلْمَبْسُوطَةِ فِي الْحَقِّ وَهُوَ قَدِ اخْتَفٰى

كَذَا الْغَائِبُ الْمَطْلُوبُ فِي طَيِّ حَاضِرٍ ۞ وَيَتْعَبُ نَفْسًا رَوْدُ ذَاكَ بِمَا عَدَا

سے۱۵ یہ حاشیہ ص۱۱۲ کے متعلق ہے

(باقی ص۱۱۴ پر)

۳۶- عود الی المقصود

بقیہ معیارِ حق[1]

حق کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ کلام اس میں ہو رہی ہے، جو واقع اور نفس الامر میں حق ہو،
کیونکہ لوگوں نے خود ساختہ نظریوں کو بھی حق اور سچ قرار دیا ہوا ہے، باوجودیکہ آج تک ان کی نظائر پیش نہیں کر سکے۔

پس جو بات ان نظریات کے خلاف پیش کی جاتی ہے اگرچہ وہ واقعہ میں حق ہی ہو اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

ایک حقیقت کا جویا اس صورت حال سے پریشان ہو جاتا ہے،

وھو کما قالہ الشھرستانی من رای سقراط و مما اختلف فیہ فیثاغورس وسقراط، ان الحکمۃ قبل الحق ام الحق قبل الحکمۃ واوضح القول فیہ بان الحق اعم من الحکمۃ لانہ قد یکون خفیاً و اما الحکمۃ فھی اخص من الحق لانھا لا تکون الا جلیۃ فاذا الحق مبسوط فی العالم مشتمل علی الحکمۃ المستفیضۃ فی العلم والحکمۃ موضحۃ للحق المبسوط فی العالم۔ والحق ما بہ الشیٔ والحکمۃ ما لاجلہ الشیٔ اھ۔ ونحو منہ فی حکم الشیخ الیونانی ..... فافھم واشکر۔

[1] اس کا حاشیہ ص۱۱۳ سے شروع ہوتا ہے۔ (ابو احمد)

کہ آخر یہ کیسے پتہ چلے کہ آخر ہدایت کہاں ہے؟ اور حق کیا ہے؟

موجودہ دور میں ان الجھنوں سے نکلنے اور حق کے معلوم کرنے کی استقرائی طور پر چند صورتیں تجویز ہو سکتی ہیں ⁂

حق کے معلوم کرنے کی استقرائی صورتیں ۱۲۷

(۱) مذاہب و آراء کے ان اختلافات اور تمام لوگوں کے دعاوی اور دلائل کو ایک طرف رکھ کر ــــ تمام انسانیت کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور پھر پتہ لگایا جائے کہ مجموعی انسانیت کا طبعی تقاضا کیا ہے؟ انسان کن کن باتوں سے قعرِ تنزل میں گرے، اور کون سے اصول تھے جن پر چل کر بامِ رفعت پر پہنچے ــ اسی تلاش تفتیش کے بعد انسانوں کی اس طول طویل تاریخ میں جو اصول سب قوموں میں مشترک نظر آئیں گے، وہی حق ہو گا اور حقیقت بھی وہی ہو گی ــ اور جو تعلیم مجموعی انسانیت کی ضمیر کے مطابق ہو گی وہی حق ہے ـ اور جو کتاب ایسی تعلیم دے جو سب انسانوں کے فطری رجحانات کی آئینہ دار، اور ساری نوعِ انسانی کے فائدہ کے لیے ہو ـ وہ کتاب آسمانی ہو گی اور خدا تعالیٰ کی تعلیم ہو گی ⁂

(۲) سچا دین وہ ہے جو خدا تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو۔ اور وہ ہے جو فرقوں اور قوموں سے بالاتر ہو کر ساری انسانیت کو اپنے دامنِ وسعت میں سمیٹ لے، اور تمام ادیان کے مرکزی نکات کو جو کل انسانیت پر منطبق ہو سکتے ہوں یکجا کرے ـ اور ساری دنیا کو دعوت دے کہ صرف یہی ایک

اساس ہے جس پر صحیح انسانیت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس ایک میزان پر سب مذاہب تولے جا سکتے ہیں۔ اور جس کتاب نے بھی اپنے زمانہ میں اس حقیقت کی ترجمانی کی اگرچہ وہ کسی ملک میں نازل ہوئی ہو۔ اور کسی زبان میں بھی نازل ہوئی ہو۔ اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، اور جو شخص ایسے دین کا داعی ہوگا اس کے سچا ہونے کی بھی تصدیق کرنی لازمی ہوگی۔

(۳) اقوام متحدہ نے اپنے چارٹر میں جو مقاصد اور اصول مرتب کیے ہیں، اور حقوق انسانی کی دفعات کی جو فہرست مرتب کی ہے (اگرچہ اس میں انسانی فطرت اور انسانی ضمیر کی پوری ترجمانی نہیں کی جا سکی مگر پھر بھی انسانیت کی بہت سی تمناؤں اور مطالب کو لے لیا گیا ہے) پس آپ اسی چارٹر کو معیار قرار دے کر مذاہب عالم اور ان کی تعلیمات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ جو مذہب اور اس کی تعلیم کے یہ چارٹر قریب ہو سکے گا، وہ مذہب حق ہے۔

(۴) اس وقت ایک مکمل اور منظم روحانی نظام کی طلب انسانی ذہن میں پیدا ہو رہی ہے۔ اور انسانیت کے داخلی اور خارجی مطالبوں کے لیے ضابطہ نظام حیات کی ضرورت ہے۔ پس جو مذہب ایسا ضابطہ نظام عطا کرے جو انسان کی داخلی اور خارجی، مادی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرے، وہ مذہب صحیح ہوگا اور حق ہوگا۔

(۵) جو مذہب انسانیت کو پائیدار بناتا ہے، ہمارے دلوں کو

سکون وقرار بخش سکتا ہے، ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ دنیا کے چیلنج کو منظور کر سکیں، اور وہ ہمیں ایسی توانائی عطا کرتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہم شک اور ناامیدی کی جگہ یقین اور امید کی روح سے سرشار ہو جائیں . . . . . . جو مذہب انسان کو انسان سے جدا نہیں کرتا بلکہ مجموعی حیثیت سے انسان کی فلاح وخوشحالی میں دلچسپی لیتا ہے۔ اور جو یہ سکھاتا ہے کہ انسان کو نیکی کے ذریعہ کمال اور بلوغ حاصل کرنا چاہیے۔ پس وہ مذہب حق ہے اور اس قابل ہے کہ ہماری زندگی کا جزو بنے اور ہم اسے اپنے اعمال کی بنیاد بنائیں۔ مذہب کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ انسان کو انسان سے ملائے ایک دوسرے سے محبت سکھلائے، اور زندگی کے معیار کو بلند کرے۔

برادرانِ انسانی! موجودہ دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق یہ چند صورتیں معیار حق وصدق کی شناخت کے لیے آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں اور ان میں ہر وہ تجویز داخل ہو سکتی ہے جو نتیجہ کے اعتبار سے انسانیت کے لیے مفید ہو۔

۳۸۔ خلاصۂ حق

پس حق کی حقیقت وشناخت کا خلاصہ یہ نکلا کہ جس سے ایسے اصول اور آئین دریافت ہوں جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت ویکسانیت کے رشتہ میں مسلسل مربوط کر دیں، اور اضطراب و پریشانی کی جگہ اطمینان اور جمعیت خاطر پیدا

کریں ــــ ان اصول و آئین کے عقلی یا صحیح ہونے کا معیار یہ ہے کہ ان کے قبول و یاد کرنے سے ہمارے دماغوں کی حیرانی اور پریشانی رفع ہوجائے اور کارخانہ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوش گوار و لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوجائے ؛

۳۹ - باغی نہ توانی شد فرمان پذیراں شو

اگر ان باتوں میں جو معیار حق کے شناخت کے سلسلہ میں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں تدبر کے ساتھ غور و فکر کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ یہ سب تعلیمات کتب آسمانی، اور انبیائے کرام علیہم السلام کے پیش کردہ جواہر ہیں ـــ جن کو آخر قرآن مبین میں کمال کے آخری درجہ پر پہنچا دیا گیا ہے ؛

بہرحال حق و باطل کی ماہیت اور حقیقت میں غور و فکر کرنے کے بعد صریح طور پر ــ حق، یہ معلوم ہوتا ہے کہ ـــ انسان اپنی زندگی کے اختیاری حصہ میں بھی اسی خدا کی حاکمیت تسلیم کرے جو اس کی زندگی کے پورے غیر اختیاری حصہ کا اور اس تمام کائنات کا جس میں زندگی بسر ہو رہی ہے آپ سے آپ حاکم ہے ؛

یہ بات کئی وجوہ سے حق ہے ؛

(ا) اس لیے بھی حق ہے کہ انسان کی قوتیں اور اس کے جسمانی حالات

خدا ہی کا عطیہ ہے ؛

(۲) اس لیے بھی حق ہے کہ انسانی اختیارات خود اس کے حاصل کردہ نہیں، بلکہ اس کے سپرد کردہ ہیں ؛

(۳) اس لیے بھی حق ہے کہ جن چیزوں پر یہ اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں، وہ سب خدا کی ملک ہیں ؛

(۴) اور اس لیے بھی حق ہے کہ جس ملک میں استعمال کیے جاتے ہیں، وہ خدا کا ملک ہے ؛

(۵) اور اس لیے بھی حق ہے کہ عالم کائنات اور حیاتِ انسانی کی ہمواری کا تقاضا یہی ہے کہ ہماری زندگی کے اختیاری اور غیر اختیاری دونوں حصوں کا مالک و حاکم، اور سرچشمۂ احکام ایک ہی ہو، ان دونوں کے الگ الگ ہو جانے سے اور مختلف قبیلے بن جانے سے ایسا تضاد پیدا ہو جاتا ہے جو موجب فساد ہو کر رہتا ہے۔ شخصی زندگی میں تو یہ فساد محدود پیمانہ پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر بڑی بڑی قوموں کی زندگی میں اس کے بُرے نتائج اتنے بڑے پیمانے پر نکلتے ہیں کہ خشکی اور تری اور ہوا فساد سے بھر جاتی ہے ؛

اسلام کے مقرر کردہ حدود ہماری ترقی کو روکنے والی نہیں، بلکہ ہمیں سیدھی راہ پر لگانے اور ہمارے سفر زندگی کو بے راہ روی سے بچانے

کے لیے ہیں۔ ان مستقل قوانین کا ایک معتدبہ حصہ ایسا ہے جن پر کل تک دنیا اعتراض کر رہی تھی۔ مگر ہمارے دیکھتے دیکھتے تجربات اور تلخ تجربات نے کل معترضین کو آج معترف بنا دیا ہے۔ اور انہی قوانین کی خوشہ چینی پر مجبور ہو رہے ہیں ؂

علم قانون کے جتنے شعبوں پر انسانی تصوّر آج تک پھیل چکا ہے ان میں سے کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں جس میں اسلام نے ہماری رہنمائی نہ کی ہو ؂

شریعت اسلامیہ ابتدا ہی سے ان جدید ترین نظریات کی حامل ہے، جن تک اب کہیں چل کر بعض قوانین موضوعہ کی رسائی ہوئی ہے۔ کیونکہ شریعت اپنے دامن میں مختلف ایسے اصول اور نظریات کے جواہر ریزے بھی رکھتی ہے جن تک ابھی ہمارے قانون سازوں کا تصوّر بھی نہیں گیا ——— ہمارے ارباب قانون جس قسم کے اصول چاہتے ہیں اور جن کے قوانین میں موجود ہونے کی پس انھیں تمنا ہی رہی ہے۔ وہ سب ابتدا ہی سے شریعت میں موجود ہیں ؂

بہرحال اگر کوئی اس حقیقت پر ایمان لاتا ہے اور اسے تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ سورج، چاند، ستارے چلائے، پہاڑوں، ہواؤں اور سمندروں کو مسخر کیا۔ نباتات اُگائے، ماؤں کے پیٹ میں جنین کی تخلیق کی ——— تمام مخلوقات کو ایک نظام کا پابند بنایا، جس سے وہ سرتابی نہیں کر سکتے اور جس میں کسی تغیّر و تبدّل کی گنجائش

نہیں۔ وہ یہ بھی مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند ایسے ناقابل تغیر قوانین بنا دیے ہیں جو تمام اشیا پر حاوی ہیں۔ اور یہ قوانین کمال کی اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں، جس کا انسان تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ نیز اسے یہ بھی تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز میں پورا کمال اور سلجھاؤ ہے! ـــــ تو اس کو بدرجۂ اولیٰ اس حقیقت پر ایمان لانا مشکل نہیں ہوگا کہ ـــــ اللہ تعالیٰ ایسی شریعت بھی دے سکتا ہے جو موجودہ اور آیندہ کے تمام حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ اور اس میں کسی تبدّل و تغیّر کی گنجائش اور ضرورت نہ ہو۔

۴۰۔ شریعت اور قوانین موضوعہ میں فرق

شریعت اسلامی اور قوانین موضوعہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ قانون، سوسائٹی کے عادات و رسوم اور تاریخی پس منظر سے اس میں رنگ آمیزی کی جاتی ہے۔ یعنی قانون سوسائٹی سے مؤثر اور اس کے تغیرات اور تبدیلیوں کا تابع ہوتا ہے۔ سوسائٹی قوانین کی پیدا کردہ نہیں ہوتی، لیکن شریعت سوسائٹی کی پیدا کردہ نہیں، نہ سوسائٹی کی تبدیلیوں اور تغیرات کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ قوانین موضوعہ کا حال ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے، جس نے ہر چیز پوری خوبی سے بنائی ہے ـــــ پھر شریعت صرف سوسائٹی کی تنظیم ہی کے لیے نہیں، جیسا کہ قوانین موضوعہ کا حال ہے۔ بلکہ شریعت کا مقصود اوّلین تو صالح افراد اور صالح جماعت کا

پیدا کرنا اور ایک مثالی حکومت اور مثالی دنیا کا وجود میں لانا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ــــ اس کی نصوص اپنے زمانہ نزول کی دنیا اور اس کی سطح سے بلند و برتر تھیں ــــ بلکہ موجودہ دنیا کی سطح سے بھی کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں۔ ان نصوص میں ایسے اصول و نظریات پیش کیے گئے ہیں ــــ جن تک غیر اسلامی دنیا صدیوں کے بعد چل کر پہنچ سکی ہے ــــ بلکہ بہت سے نظریات ایسے ہیں جن تک دنیا کا دماغ آج تک نہیں پہنچ سکا ــــ شریعت کی اسی شان کا تقاضا تھا کہ ــــ خود اللہ تعالیٰ اس کے وضع کرنے کی ذمہ داری لیتا، چنانچہ اس نے پوری شان کمال کے ساتھ اپنے رسول عالمی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا، اور رسول کا یہ فریضہ قرار پایا کہ ــــ لوگوں کو طاعات اور فضائل کی باتیں بتائیں، اور بلندی و کمال کے اس درجہ پر پہنچائیں جو شریعت کا مطلوب ہے ؛

شریعت نے اپنا یہ مشن باحسن الوجوہ پورا کر دیا اور خدائے علیم و خبیر کے منشا کی تکمیل کر دی ؛

۱۴ــ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

وحدتِ انسانیت کے متعلق اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ تمام انسان رنگ، نسل، وطن اور اقلیم و قوم کے اختلاف کے باوجود صرف ایک فکر اور ایک نظام سے وابستہ ہو جائیں ــــ وحدتِ انسانیت

کے باوجود انسانوں کی قومی اور گروہی تقسیم ضروری ہے۔ ہر قوم اپنی جگہ ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ ایک قوم کا دوسری قوم میں منضم ہونا محال ہے۔ باقی رہی یہ چیز کہ قومیت کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق دوسری جگہ بحث کی گئی ہے۔ یہاں موقعہ نہیں ؛

اور وحدتِ ادیان کے متعلق اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ — نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے مختلف خطوں میں قوموں میں جو رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، ان کے پیغامات بنیادی اعتبار سے ایک تھے — یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک مانو، اسی کی بندگی کرو، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، نیک اعمال کرو، بُرے کاموں سے بچو! قرآن بھی اسی حقیقت کا داعی ہے اور اپنے کو کتب سماویہ کا مصدق کہتا ہے۔ تمام انبیائے کرام اور ان کی کتب پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے — دین کی اصل مشترک کے باوجود احکام و شرائع کے اعتبار سے یہ ادیان مختلف ضرور تھے — لیکن یہ اختلاف منزلِ مقصود کا نہ تھا بلکہ صرف راستوں کا اختلاف تھا جو منزلِ مقصود تک پہنچاتے تھے ؛

اس اشتراک حقیقت کا نام وحدت ادیان ہے۔ اس کو فطرت اللہ بھی کہہ سکتے ہیں ؛

۲۴۔ فطرۃ اللہ کا مفہوم | قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ

سے مقصود توحید ہے جس کو دینِ فطرت سے تعبیر کرتا ہے جو ذیل کی آیت سے خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم - ع ۴)	سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ۔ وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے ہیں بدلنا نہیں یہ سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ۔

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری طرح ہو جاتی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ الخ	کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور صحیح وسالم بچہ پیدا کرتا، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا آخر آیت تک ۔

(بخاری تفسیر سورۂ روم)

پس وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب و علل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کرتا ہے جس میں فطرت اللہ کے عدم تبدیل کا ذکر ہے وہ درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے ؛

۳۴ - آمدیم برسرِ مطلب

بہرحال اسلام دراصل مذہب عالم کی تاریخ کی آخری کڑی ہے۔ جس نے تمام ادیان کے بنیادی اصولوں کو ایک کتاب میں منضبط کر دیا ہے ہر مذہب اپنے زمانہ کے لیے ایک انقلاب کا پیغام لایا اور اس مذہب کے نبی علیہ السلام کی ذات گرامی اس انقلاب کی حامی بنی ــــ اسلام بھی دنیا میں ایک انقلاب لے کر آیا ہے۔ لیکن جس طرح اسلام پہلے تمام ادیان کا نقطۂ کمال ہے، اور اسلام کی کتاب الہامی کتابوں کی مصدّق اور ان کی بنیادی تعلیمات پر جامع ہے۔ اسی طرح اسلام کا انقلاب بھی تمام انسانیت کے لیے عام ہے ــــ اور وہ اپنے مقصد میں عالم گیر اور بین الاقوامی ہے ــــ اسلام کو بین الاقوامی انقلاب کا نقیب ماننے سے عملاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ــــ ایک قوم اسلام کے انقلابی اصولوں پر اپنے قومی وجود کی تشکیل کر سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی جمعیت اگر اسلام کے اصولوں کی حامل ہو تو وہ عالم گیریت کی ضد نہیں ؛

دراصل اسلام کی بنیاد اس تعلیم پر ہے کہ ۔ ابتدا میں تمام انسانوں کی قومیت ایک ہی تھی۔ وہ سب ایک ہی امّت کے افراد تھے اور ان سب کا رشتہ صرف انسانیت ہی سے وابستہ تھا ؛

لیکن جوں جوں انسانی تعلّقات کا رشتہ وسیع ہوتا گیا خود انسانوں نے نسلی، قبائلی، قومی اور دوسری قسم کی دیواریں کھڑی کر لیں، اور وہ ایک دوسرے کے حریف بن گئے ؛

اب اسلام اس لیئے آیا کہ تمام مذاہب آسمانی کی تصدیق کر کے پیروانِ مذاہب کو ان کی اصلیت کی طرف لے جائے۔ انسانوں کو ان کی اصل وحدت یاد دلائے۔ اور تفریق کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دے۔ اگر اسلام عام انسانوں کو وحدتِ انسانی کی دعوت دیتا ہے تو گویا وہ ان کو اصل کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں وہ سب اپنی ابتدا میں ایک ہی پیغام لے کر آئے تھے، اور ان سب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی حقیقت اور ایک ہی معرفت دی گئی تھی، مگر زمانے کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب نے اپنی اصلیت کو بھلا دیا، اور ان کے ماننے والوں نے ان کی صورت مسخ کر دی۔ توحید کی جگہ کسی نے دو کسی نے تین اور کسی نے بےشمار معبود بنا لیے، اور خدا کو بھی اپنے تصوّرات کے سانچہ میں ڈھال کر نیشنلسٹ بنا لیا ؛

پس، لیکن اسلام اس لیے آیا کہ تمام مذاہب کو تصدیق کرکے پیروانِ مذاہب کو ان کی اصلیت کی طرف لے جائے اور انھیں یاد دلائے کہ ان کے اصلی مذہب کی تعلیم وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔

چنانچہ اسلام نے اول تمام بانیانِ مذاہب کا احترام قائم کیا اور یہ یقین دلایا کہ ـــــ خدا تعالیٰ نے ہر ایک ملک، ہر قوم، اور ہر زمانہ میں ہادی اور مصلحین بھیجے اور کسی گروہ کو اس برکت سے محروم نہیں کیا۔ پھر اس نے بتایا کہ جن لوگوں نے اپنے اصل مذہب کی طرف آنا ہے تو وہ اسلام کی طرف آئے۔ کیونکہ جو حقیقت وہ گم کر چکے ہیں اسے اسلام نے محفوظ کر لیا ہے، فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (یعنی قرآن ساری کتابیں محفوظ کر لی گئی ہیں) گویا اسلام دوسروں کو کوئی نئی چیز کی طرف نہیں بلاتا، اور انھیں اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دیتا، بلکہ ہر انسان کو اسی حقیقت کی طرف بلاتا ہے جسے وہ گم کر چکا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ لوگو! تم اپنی اصل سے ہٹ چکے ہو اور اپنی چیزوں کو گنوا کر غیر متعلق چیزوں کو لیے بیٹھے ہو ـــ آؤ میں تمھیں تمھاری چیز واپس دوں اور تمھاری امانت تمھارے حوالے کر دوں۔ اگر تمھیں اپنی چیز سے محبت ہے تو وہ اسلام سے آکر لے لو۔ کیونکہ اس نے تمھاری ہر سچائی کو محفوظ کر دیا ہے میں تمھیں کوئی نئی چیز نہیں دیتا بلکہ تمھاری چیز تمھارے حوالے کرتا ہوں۔

پس تم اسلام کی طرف یہ سمجھ کر آؤ کہ اپنی چیز حاصل کرنے کے لیے آ رہے ہو، باقی جس مسلک پر تم چل رہے ہو، وہ تمھاری اصل مسلک نہیں ہے۔ اگر تم اپنی دولت کو واپس لینا چاہتے ہو تو اس کی بس یہی صورت اور راہ ہے کہ تم حفاظت کے گھر (قرآن) کی طرف آؤ، اس خزانہ سے اپنی کھوئی ہوئی متاع حاصل کر لو۔ کیونکہ آج صرف یہی کتاب قرآن ہے جو تمھاری دولت کو تمھیں واپس کر سکتی ہے۔ اس راہ کے علاوہ اگر تم نے کوئی دوسری راہ اختیار کی تو اپنی کھوئی ہوئی متاع کو حاصل نہ کر سکو گے۔

بہرحال اسلام عالمگیر اخوت کا پیغام دیتا ہے جس میں اسود، احمر اور سامی، آریائی سب برابر ہیں۔ اسلام ایک ہی دین ہے جو سارے جہان اور سارے زمانے اور ساری آبادی کے لیے ہے ــــ تنگ نظر قوم اور وطن پرست اتنی بلند اور اس قدر وسیع چیز سے گھبراتا ہے۔ قرآن نے کہا ہے

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کر دے تمام دینوں پر اور اگرچہ ناپسند کریں مشرک لوگ۔

بالکل اسی طرح جیسے شپرہ آفتاب کی کرنوں سے یا مجرم عدالت کی چار دیواری سے۔

اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے، کہا گیا کہ یہ عرب امپیریلزم ہے۔ کبھی طبقہ داری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کبھی ناممکن العمل بتایا گیا۔ اور کبھی خونی مذہب کہا گیا ــــ اور اس کے اصول کو مسخ کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا وغیرہ اور کئی طرح کی جھوٹی باتیں اس کی طرف منسوب کی گئیں ــــ لیکن حقیقت ہمیشہ مصنوعی پردوں میں چھپی نہیں رہ سکتی ــــ اور نہ باطل حق کے مقابلہ میں دیر تک ٹھہر سکتا ہے۔

چنانچہ اب اس دور میں جب کہ ہر ایک چیز علمیت و عقلیت کے معیار پہ پرکھی جا رہی ہے۔ حقیقتیں اور صداقتیں اپنی اپنی جگہ ابھر رہی ہیں اسلام کے خلاف جو کچھ کہا گیا تھا سب جھوٹ اور سازشیں ثابت ہوچکی ہیں۔ اور اسلام زیادہ روشن ہو رہا ہے۔ اور دلائل و براہین کی روشنی اور فلسفہ و سائنس کی تحقیقات سے اسلام کے عالمگیر تصوّرات واضح ہو رہے ہیں

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے!

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے!

رنگ گردوں ذرا دیکھ تو عنابی ہے؟
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے!

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ (قرآن) — اور اللہ تام کرے گا اپنے نور کو اور اگرچہ ناپسند کریں مشرک لوگ۔

وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔ (قرآن) — اور تیرے رب کی باتیں انصاف اور سچائی کی آخری حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔

لَامُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (قرآن) — اور اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۴۵۔ دنیا کا بگاڑ خدا فراموشی کا نتیجہ ہے

بہر حال جو کچھ اس وقت دنیا میں بگاڑ ہے، یہ سب خدا فراموشی کا نتیجہ ہے اور خدا تعالیٰ نے انسان کو جس طرح صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے، اور جو زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بتایا ہے۔ اس سے ہٹنے اور اس کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے اور یہی دنیا میں ظلم و فساد کی بنیاد ہے۔

بہر کیف سیاسی رنگ یا معاشی رنگ اور دیگر اسی قسم کے مختلف رنگوں سے بندوں کو انسانوں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ حکومت کی کلیدوں پر بے انصاف اور خود غرض انسان مسلط ہیں ۔۔۔ پھر جب کوئی طبقہ انقلابی ان کے ظلم اور بے انصافی سے تنگ آکر ان کی جگہ مسلط ہو جاتا ہے، تو وہ بھی کچھ عرصہ بعد وہی کچھ کرنے لگتا ہے جو پہلے بے انصاف کر رہے تھے۔

یہ انقلابی[ف۴۶] چاہے کتنے ہی نیک نیت ہوں، عدل و توسط کے صحیح مقام کو نہیں پا سکتے — اس لیے کہ وہ یا تو خود مظلوم طبقوں میں سے اٹھتے ہیں یا ان کی حمایت کا جذبہ لے کر اٹھتے ہیں، پھر سارے معاملات کو انہیں طبقوں کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر بھی غیر جانبدارانہ اور خالص انسانیت کی نظر نہیں ہوتی، بلکہ ایک طبقہ کی طرف غصے اور نفرت کا اور دوسرے طبقہ کی حمایت کا جذبہ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ظلم کا ایسا علاج سوچتے ہیں جو حقیقت میں ایک جوابی ظلم ہی ہوتا ہے۔ ان کے لیے انتقام حسد اور عداوت کے جذبات سے پاک ہو کر ایک ایسا معتدل نظام اور متوازن راستہ تجویز کرنا ممکن نہیں ہوتا، جس میں مجموعی طور پر تمام انسانوں، موافقین اور مخالفین کی اصلاح ہو۔

پس ایسا معتدل اور متوازن نظام وہی ہے — جو اللہ تعالیٰ نے خود تجویز کر کے عنایت کیا ہے! — اب اس بات اور ہمت کی اشد ضرورت ہے کہ اس کو تمام غلط ضابطوں اور نظریوں پر غالب کر دیا جائے جو اس وقت دنیا میں رائج ہیں۔ خدائی نظام کے قائم اور جاری کیے بغیر قطعاً دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکے گا؟

خدا تعالیٰ[ف۴۷] انسانی جذبات سے منزہ ہے، کسی طبقۂ انسانی سے اس کا کوئی خاص رشتہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کو تمام انسانوں، بلکہ خود ان ظالم طبقوں

ف۴۶ انقلابی جذبے سے اصلاح نہیں ہو سکتی ۱۲

ف۴۷ خدا انسانی جذبات سے منزہ ہے ۱۲

کی بھی فلاح و بہبود ہی ملحوظ ہے، خدا کسی قوم یا گروہ کو نہیں بلکہ تمام انسانوں اور طبقوں کو بلاتا ہے کہ — آؤ اس نظام کے اندر رہنا اختیار کرو جو ہم نے تمہارے واسطے مقرر کیا ہے۔ اگر تم اس عدل اور حق کے نظام کو قبول کر لو گے تب ہی تمہارے لیے امن اور سلامتی ہے۔ اس نظام میں کسی طبقے سے دشمنی نہیں بلکہ دشمنی بدی اور ظلم و فساد سے ہے، بد اخلاقی اور بد اطواری سے ہے۔

اس نظام کو جو لوگ قبول کر لیں گے وہ خواہ کسی طبقہ سے ہوں یا کسی نسل کسی قوم اور ملک سے ہوں، وہ یکساں حقوق اور مساویانہ حیثیت سے حزب اللہ (اللہ والوں کی سوسائٹی) میں داخل ہو جائیں گے۔

یعنی اسلام کا دائرہ کسی خاص قوم و طبقہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے، اور اس کا — در — یہود، عیسائی اور مظاہر اور مادہ پرستوں سب کے لیے کھلا ہے — پس جو شخص ایمان باللہ اور بالیوم الآخر کی شرائط کو پورا کرتا ہے اور اسلام کی اسی سہل الحصول دعوت کو لبیک کہتا ہے، وہ نامراد اور ناکام نہیں ہو گا۔

برادرانِ انسانی! جیسا کہ کمیونزم ایک نظام ہے ویسا ہی اسلام بھی ایک نظام ہے — اسلام کا معنی ہے خدا کی اطاعت پر مبنی نظام حیات اسلام ایک عربی زبان کا لفظ ہے، اس سے یہ کنا نہیں چاہیے بلکہ اس کے

مفہوم اور معنی کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اس کو مذہبی لفظ نہ سمجھیے، بلکہ نظام کا عنوان اور لقب سمجھیے۔ اور اسلام کو بھی ایسا مذہب نہ سمجھا جائے جیسا کہ مذہب کا لفظ لوگوں کے درمیان ایک مشہور معنی اور مفہوم میں بولا جاتا ہے کیونکہ اسلام اپنی ایک امتیازی شان میں ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے، یہ اور مذاہب کی طرح صرف ایک مذہب نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کا پورا ضابطہ حیات ہے، اور انسان کے ہر شعبۂ زندگی میں دخیل اور بہترین رہنما ہے۔

اسلام چند عقیدوں ہی کا نام نہیں ہے، جن پر فرداً فرداً ہم کو قائم ہونا چاہیے، بلکہ انسان کا پیدا کرنے والا جانتا تھا کہ اس کی زندگی انفرادی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی ہے۔ اس لیے انسانوں کے اجتماعی تعلقات کے لیے اس نے اسلام کا نظام بھی وضع کر دیا۔ ہم مختلف اقوام میں تقسیم ہو جائیں مگر ہیں حقیقتاً ہم سب انسان ایک ہی امت اور ہمارا بنانے والا رب ہی ہمارا بادشاہ ہے، اور ہمارا کوئی بادشاہ نہیں۔ اس کی حکومت ہماری حقیقی حکومت ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ سوائے اللہ کی حکومت کے دنیا بھر میں کوئی حکومت نہیں ہے۔

بہر حال اسلام تفسیر حیات ہے۔ نظام عالم اس وقت تک درست نہ ہونے پائے گا، جب تک بلا جبر و اکراہ نظام اسلام ساری دنیا میں قائم

نہ کر دیا جائے گا، مذہبی عقیدے سے مراد صرف معبود کے متعلق ہی عقیدہ نہیں ہے، بلکہ سب عباد اور خالق مطلق کی ساری مخلوقات کے ساتھ ہر انسان کا رشتہ ہونا چاہیے اور ان کے ساتھ رہ کر جس طرح اسے زندگی بسر کرنی چاہیے، یہ سب کچھ مذہب اور مذہبی عقیدے میں داخل ہے، ان معنوں میں مذہب قفلِ زندگی کی کلید اور تفسیر حیات ہے ؂

ہمدردانِ انسانیت!

۴۹ - نظر ثانی کی درخواست

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن!
کہ جاہا سپر باید انداختن!

حضرات! وہ لوگ بڑے لوگ جو منصف مزاج اور غیر متعصب ہوتے ہیں اور جو آپ نے علم کو واقعات کا تابع بنا کر اپنے عمل سے حقائق پسندی کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور فیصلہ کن عزم کے مالک اور وسیع النظر وغائر الفکر انقلابی اور آہنی القلب انسان ہوتے ہیں — ایسے باہمت اور مضبوط العزم لوگوں کے فیصلوں اور ان کے نفوذ کے درمیان، قومی، وطنی اور طبقاتی حد بندیاں حائل نہیں ہو سکتیں۔ ایسے مردانِ آہنی محدود نشیلہ موں سے بلند ہو کر انسانیت اور آفاقیت سے اپنا رشتہ مضبوطی سے جوڑ لیتے ہیں ؂

اولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر چیرتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں!

حضرات! ضروری طور پہ یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ ــ آپ اپنے نصب العین اور مسلک کے بارہ میں نظرِ ثانی فرمائیں ـ اور پروگرام میں تبدیلی پیدا کریں ــ موجودہ حالات کو دیکھیے اور مطالبات زمانہ کا جائزہ لیجیے ــ

مذہبی دشمنی اور اس کی بیخ کنی کو اپنے مسلک میں داخل کرنا نہایت درجہ کی بے تدبیری اور فاش غلطی ہے؛ آپ مذہب کو دنیا سے معدوم نہیں کر سکتے، اور مٹا بھی نہیں سکتے ـ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے، فطرت اور فطرتی تقاضے معدوم نہیں ہو سکتے ﴿

پس اگر آپ واقعی عام انسانوں کی بہبودی اور سب سے بڑھ چڑھ کر خدمت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو لامحالہ مذہب ہی ایسا اختیار کرنا چاہیے جو باقی تمام مذاہب کو اپنے میں شامل کیے ہوئے ہو ـ اور بین الانسانی اصول پر بین الاقوامی نظامِ حیات بننے کی قابلیت رکھتا ہو ـ ایسا جامع المذاہب اور ایسا بین الاقوامی نظامِ حیات کا حامل اس وقت دنیا میں صرف اسلام ہی ہے ﴿

(۵) اسلام کے تین عالمی معجزے

قرآنِ حکیم[۱] — شریعتِ محمدیہ[۲] — حضورؐ کی حیاتِ طیبہ[۳]

(۱) قرآنِ حکیم

نبی عالمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے معجزات کا صدور ہوا ہے، لیکن آپ کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ آپ پر نازل شدہ کتاب، قرآن حکیم ہے جو از اوّل تا آخر ایک عالمی اور دائمی معجزہ ہے۔ یہ کتاب لاانتہا اوصاف کی حامل ہے، اور اس کی تاریخ ایسی صاف اور صحیح ہے جس میں ذرا شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں) یہ کتاب ایک ایسی زبان میں ہے، جو نہایت صحیح اور بلیغ ہے، اور ابتدائے عالم سے ہے اور آخر عالم تک رہے گی۔ خداوند عالم نے جو اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا، وہ چودہ سو سال سے آج تک اپنی صداقت پر شہادت دے رہا ہے۔ بڑے بڑے معاندین نے بے حد و نہایت زور لگایا مگر اس کی تاریخ کو متزلزل نہ کر سکے اور موافقت کرنے پر مجبور ہوئے۔ دنیا میں یہی ایک کتاب ہے

جس کی تلاوت اور جس پر عمل درامد تمام دنیا میں چوبیس گھنٹے برابر جاری ہے۔ جہاں جہاں یہ کتاب پڑھی جا رہی ہے، ایک نقطہ تک کا بھی اختلاف نہیں ہے ــــ یہ بے نظیر حفاظت خود ایک معجزہ ہے، جس زمانہ میں اس کا نزول ہوا عرب کی فصاحت و بلاغت نصف النہار پر تھی۔ عرب جو غایت درجہ کے مغرور، لڑاکا جھگڑالو تھے، انھوں نے مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لڑے، مرے اور گھر سے بے گھر کیا۔ لیکن جب ان کو قرآن کے مقابلہ کے میدان میں بلایا گیا اور حیات سوز الفاظ میں مخاطب کیا گیا اور کہا گیا کہ ایک ہی سورۃ ایسی بنا کر دکھا دو تو اس مقابلہ پر نہ آسکے اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ تو جادو ہے۔[1]

تنبیہ: معلوم ہو کہ معجزے کے صدور میں اسباب طبعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا، نہ جلیہ کو نہ خفیہ کو، نہ صاحب معجزہ کی کسی قوت کو، نہ خارجی قوت کو ــــ بلکہ وہ براہِ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا توسط اسباب عادیہ کے واقع ہوتا ہے، جیسا صادر اول بلا کسی واسطہ کے صادر ہوا ہے پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلا سکتا۔ کیونکہ معدوم کو کون موجود ثابت کر سکتا ہے۔[2]

بخلاف جادو وغیرہ کے ان کا صدور اسباب طبعیہ خفیہ سے ہوتا ہے۔

---

[1] نوادر النوادر صفحہ ۳۸۲

بہر حال قرآن کی عبارت وزبان کی فصاحت وبلاغت تو ہے ہی، ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک فقرہ قانون شرائع، اخلاقی ہدایات علوم کا سرچشمہ ہے۔ اس کتاب نے اس قسم کے قوانین پیش کیے ہیں، جو ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانے ہر حالت کے مناسب ہیں۔ دنیا میں حکومتوں حکیموں، مدبروں نے ہزاروں قوانین وضع کیے ہیں لیکن جن ہاتھوں نے ان قوانین کو مدوّن کیا تھا، ان کے سامنے ہی ایسا وقت پیش آیا کہ انھوں نے خود ہی ان پر قلم پھیر دیا۔ غیر متعصب کثیر محققین مذاہب غیر نے بھی اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے جن کے ناموں کے پیش کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے ۔

دوسرا معجزہ شریعت محمدیہؐ ہے

دوسرا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی دنیا کا بدترین زمانہ تھا۔ ربع مسکون پر اندھیرا چھایا ہوا تھا، توحید کا نام ونشان نہ تھا۔ فواحش کی گرم بازاری تھی۔ حکومتوں کے جابرانہ قوانین نے امن وامان، صناعت وزراعت، علم وفنون، تجارت سب کا دوالہ نکال دیا تھا، کوئی قانون کسی مذہب وقوم کا رسم ورواج مطابق عقل نہ تھا۔ حضرت مسیح کے بعد دنیا کی اخلاقی حالت تباہ ہو گئی تھی۔ عرب اور غیر عرب ممالک میں ہر جگہ بت پرستی کا دور دورہ تھا، کوئی جگہ ایسی نہ تھی

کہ صداقت کی روشنی نظر پڑے۔ اسی صدی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور ایسے ملک میں آپ نے آنکھ کھولی جو جہالت اور وحشیانہ مراسم و عقائد میں دنیا کے ممالک سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ مکمل شریعت جو مطابق عقل اور عین انصاف ہے۔ اور تمام ضروریات بہر حالت ہر زمانے میں حاوی ہے۔ دینی و دنیاوی ترقی کی ضامن ہے۔ اخلاق حسنہ کا بحر ذخار ہے ___ ایک اُمّی کو ایسے بُرے زمانے اور ماحول میں کہاں سے ملی۔ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ ___ اللہ پاک کی طرف سے عطا ہوئی۔

غیر مذاہب والے محققین بھی شریعت اسلامیہ کی خوبیوں کی داد دی ہے۔ مشہور مورخ گبن لکھتا ہے کہ ___ محمدؐ کی شریعت سب پر حاوی ہے وہ اپنے تمام احکام میں بڑے سے بڑے شاہنشاہ سے چھوٹے سے چھوٹے فقیر و گدا تک کے لیے مسائل و احکام رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی (تاریخ گبن)۔

ایسا کامل مجموعہ قوانین ہے جو دنیا کے ملکی و مذہبی ہدایتوں کے لیے کافی ہے۔ ہم حیران ہوتے ہیں کہ ایسا عظیم الشان ملکی، تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے، کس طرح قائم کیا گیا (دی بیٹس آف انسائیکلوپیڈیا)

ان صاحبان کے علاوہ جن چوٹی کے عقلمند غیر مسلم صاحبان نے اسلام کی تعریف و توصیف کی ہے ان کے ناموں کے پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

۵۳۔ تیسرا معجزہ، حیاتِ طیبہ

تیسرا عالمی معجزہ حضور عالمی صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے، جو تمام لغزشوں سے اور دھبوں سے پاک ہے۔ مورخین نے نہایت احتیاط سے آپ کے "بطنِ مادر" میں آنے سے لے کر وفات تک کے تمام حالات، سونے، چلنے، پھرنے، کھانے، پینے وغیرہ تک کے مفصل طور سے بیان کیے ہیں۔ بچپن اور جوانی کے زمانے میں کوئی حرکت آپ کے انصاف و طہارت سے خالی نظر نہیں آتی۔ ایسی احتیاط و تکمیل کے ساتھ دنیا کے بڑے سے بڑے آدمی کے حالات بھی نہیں لکھے گئے۔ پیشوایانِ عالم کے حالات پہ نظر کیجیے۔ پھر آپ کی حیاتِ طیبہ کو دیکھیے کہ آپ کی تاریخ کیسی صاف اور محفوظ ہے۔ کہہ دو دنیا کا بڑے سے بڑا پیغمبر، اچھے سے اچھا فلاسفر یا حکیم، عمدہ سے عمدہ مصلح یا مقنن، مشہور سے مشہور لیڈر یا زبردست سے زبردست شاہنشاہ، یہ آواز دنیا کے کسی گوشے سے بلند نہیں کر سکتا کہ ــــ میں وہ پیشوا ہوں کہ میرے بعد میرے اخلاف نے میری جزئی و کلی حالات کو ایسی صحت و دیانت کے ساتھ مرتب کیا کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ــــ ہاں یہ ترانہ اگر بلند ہوگا تو صرف

بطحائے مدینیہ کے گنبد سبز کے مکین صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار سے ۔

جن فضلائے تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر آپ کے حالات حیات لکھے ہیں ان حضرات سے سوائے مدح اور توصیف کے کچھ نہ بن پڑا ۔

آپؐ کی کتاب، آپؐ کی شریعت ، آپؐ کے سوانح حیات کے متعلق اگر محققین مذاہب غیر کی رائیں جمع کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے ۔

درحقیقت خداوند ذوالجلال نے آپؐ کی کتاب ، آپ کی شریعت اور آپؐ کے ذاتی حالات کی حفاظت اس لیے کی ہے کہ دنیا پر حق و باطل روشن ہوجائے ۔ واقعی یہ ایک بڑا معجزہ ہے کہ دنیا میں بہت سے ہادی ہوئے ، لیکن ان کے حالات کی صحیح تاریخ باقی نہیں ۔ اور جو کچھ حالات موجود ہیں ، تاریخوں میں ان میں زبردست کمزوریوں کا پہلو نمایاں ہے ۔

ڈاکٹر ای اے فریمین ، لکھتے ہیں ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمدؐ بڑے پکے اور سچے راستباز اور ریفارمر تھے " (تاریخ القرآن صارم)

ڈاکٹر آرڈی رائٹ لکھتے ہیں کہ محمدؐ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کے لیے رحمت تھے " (حوالہ مذکور)

سر ولیم میور نے لکھا ہے ، اہل تصنیف محمدؐ کے بارے میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی ، متفق

آپ کے متعلق غیر مسلموں کی رائیں ۱۴

ہیں۔(لائف آف محمدؐ)

کیا پڑھی لکھی اور حقیقت شناس دنیا اب بھی اس عالمی نبی کی۔۔۔۔
دنبوت وصداقت، عالم افروز تعلیم اور عظیم المرتبت انقلاب پر ایمان نہ لائیگی؟

۵۵۔ مذکورہ بالا تین عالمی معجزات کی مزید تشریح

۵۶۔ غیر مسلم مذہبی پیشوایان اور حکومتوں کے قائدین

کو

پیشکش

حضرات! ہم آپ کے سامنے ان تین عالمی معجزات کو پیش کرتے ہیں، اور عقل مند منصف مزاجوں سے ہر ایک کو صحیح معیار پر پرکھ کر قبول کر لینے کی امید رکھتے ہیں ؀

اگر کوئی شخص سورج کے متعلق یہ چیلنج کرے کہ یہ بے مثل و مثال ہے تو کوئی شخص اس کے اس چیلنج کو حسن عقیدت اور جانبداری پر محمول نہیں کرسکتا۔ بس ہمارا بھی ان تینوں معجزوں کے متعلق ایسا ہی چیلنج ہے۔ زمین و زمان اس چیلنج کے محکم گواہ چلے آرہے ہیں۔ بہرحال یہ تین ایسے

عالمی معجزے ہیں کہ جن کا ظہور مشیت الٰہی سے ہوا ہے ــــ اور یہ کائنات کے لیے بمنزلۂ علتِ غائیہ کے ہیں، اور مقصد ظہور کائنات ہیں۔ اور بے مثل و بے مثال بھی ہیں ۔

اور اس چیلنج کی حقانیت و صداقت ہر ایک قسم کی صحیح دلیل اور تنقیدی معیار سے ثابت ہو رہی ہے، اور سورج سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے ۔

اور یہ تینوں چیزیں ساری انسانیت کے لیے ہیں اور سب کی مشترکہ متاع ہیں۔ تمام دماغوں کے لیے بصارت اور دلوں کے لیے بصیرت ہیں اور قلوب کے لیے اطمینان اور جسموں کے لیے راحت اور روحوں کے لیے باعث سرور و فرحت ہیں ۔

ان میں غور و فکر کرنے سے عقلیں ترقی کرتی ہیں اور نئے نئے علوم کے دروازے کھلتے ہیں، اور ان کے تقاضوں پر یقین اور پھر عمل کرنے سے انسان میں بے پناہ قوت اور بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے اور ایسے انسان دوسروں پر بھاری اور سب سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان کو کوئی طاقت دبا نہیں سکتی اور نہ کوئی لالچ نیچا کر سکتا ہے ۔

اور یہ وہ تین عظیم المرتبت چیزیں ہیں کہ ــــ دنیا کی سلامتی اور اس کا امن و سکون انہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور دنیا کی امیدیں اور تمنائیں ان کی تلاش میں ہیں ۔

یہی وہ چیزیں ہیں جن سے دنیا والوں کی ہر ایک مشکل حل ہو سکتی ہے اور الجھی ہوئی گرہ کھل سکتی ہے اور ہر ایک تاریکی دور ہو سکتی ہے۔ ان دعاوی کی صداقت ایسی ہی ہے جیسا کہ کہا جائے سورج روشن ہے ؎

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مسلم برادران سے یہ چیزیں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ آنکھوں سے دور نہیں ــــ علم و عقل سے باہر نہیں اور مشکل الحصول بھی نہیں ہیں۔ اور ان کے بارہ میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، بلکہ صرف مذاہب کے متعصب پیشوایان، اور موجودہ حکومتوں کی غلط سیاست، اور بڑے لوگوں کی خود غرضیاں اور مفاد پرستیاں درمیان میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں ؎

۷۵۔ مذاہب کو عقلی تنقیدات سے پرکھا جاتا ہے

حضرات! وہ عقل جو آج کل کے تمدن کی علمبردار ہے، وہ ایسے مذہب کو جس کی دیکھی ہوئی اور بوجھی ہوئی چیزوں کے متعلق فاش غلطیاں ہوں، اس کی اَن دیکھی اور اَن بوجھی چیزیں جن کے لیے عقلی تائید اور دوسرے سچے مذہب کی تصدیق حاصل نہ ہو، تسلیم نہیں کر سکتی۔ مذہب کے لیے فریب نظر نظریے، مصنوعی کرشمے کارآمد نہیں ہو سکتے، واقعات کے مقابلہ میں اسرار و اوہام وقعت کے قابل نہیں ہیں۔ ایسے مذاہب کو اپنی مسند

واقعات وحقائق کے لیے خالی کرنی ہوگی ۔۔ آج کی عقل کو تقلید جامد کے ایمان میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی ۔ وہ ان مصنوعی روایتوں اور فرضی حکایتوں کو صحیح مان لینا اپنے فرائض میں داخل نہیں سمجھتی جو محض مذہبی پیشواؤں کی مقصد براری کے لیے تصنیف کی گئی ہوں۔ سچا مذہب ابن الوقت نہیں بن سکتا ۔ وہ ابوالوقت بننے کے لیے آتا ہے ۔ وہ زمانہ کے لیے موم کی ناک نہیں بن سکتا۔ اور نہ تاریخ میں تدلیس وتصرّف سے کام لیتا ہے ، اور نہ واقعات کا اخفا عمداً روا رکھتا ہے ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے ہٹا دو!

آج کا معرکہ ارباب عقل سلیم سے مخفی نہیں ، جس قوت کا دارومدار جھوٹ اور فریب دہی اور دھوکہ پر ہے مغلوب ہوکر رہے گی ۔ ایسے نظام کو جو تلبیس کا مرکز اور فریب دہی کا مصدر ہے قائم رہنے کا حق نہیں ہوگا ؎

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کہاں جائیں؟
کہ درویشی بھی عیاری ہے ، سلطانی بھی عیاری

برادران انسانی ! ضروری ہے کہ موجودہ دنیا کے حالات اور زمانہ کے تقاضوں کو دیکھیں اور ان کے انجام بین غور وفکر کرنے کے بعد اپنے فرائض منصبی اور ذمہ داریوں کو محسوس کریں ۔ پھر اپنے نفسوں پر رحم کریں اور

مخلوق خدا پر جو بےشمار مصیبتوں میں مبتلا ہے، کبھی رحم کریں ـــــ یہ اس لیے عرض کیا جا رہا ہے کہ ـــ قوموں کی طاقت عوام نہیں بلکہ خواص اور بڑے لوگ ہوتے ہیں جو راہیں بتاتے ہیں اور عوام کو ان راہوں پر چلاتے ہیں۔ خواص کی ہر روش، ہر بات اپنی پشت پر دماغ، دولت، عزت، حکومت اور حسنِ عقیدت کی طاقتیں رکھتی ہے، اور عوام کو طوعاً و کرہاً انہی کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ انہی پر عوام کے بننے اور بگڑنے کا مدار ہوتا ہے اور ان خواص کی راست روی پورے عوام کی راست روی اور ان کی گمراہی پورے عوام کی گمراہی پر منتج ہوتی ہے۔

لیکن موجودہ زمانہ کے بڑے اور خواص کا یہ حال ہے کہ ؎

ہر چہ کردند از علاج و از دوا ٭ مرض افزوں گشت و حاجت ناروا

اب ان لوگوں سے دنیا تنگ آ چکی ہے، اس کی نظر سے یہ لوگ گرتے جا رہے ہیں ـــ مانا، کہ اغراض پرست اور متعصب دماغ ان سے وابستہ اور بظاہر خوش ہوں، مگر عوام کی نظروں سے ایسے لوگ گر چکے ہیں، اچھے نہیں سمجھے جا رہے ہیں اور ان کی کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہی۔ عوام اس لیے عاجز اور ناخوش ہیں کہ ان بڑوں کی پشت پر مذکورہ بالا طاقتیں ہیں، جس کی وجہ سے عوام طوعاً و کرہاً ان کے پیچھے چل رہے ہیں ـــــ بہرحال ایسی زندگی خوش حال زندگی نہیں، عزت کی زندگی نہیں ـ رواداری اور

لیکن اسلام کی خلافت میں اس کے بالکل برعکس خلیفہ کے تمام ذاتی اختیارات سلب کر کے خدا کے قانون کی طرف منتقل کر دیے گئے ہیں۔ نہ بادشاہ کو قانون سازی کا حق ہے، نہ حکم و حکومت کا — بلکہ وہ صرف قانونِ الٰہی کی تنفیذ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے — اس کی عظمت اگر رکھی گئی ہے تو ذاتی تقویٰ و طہارت اور پابندیٔ قانونِ حق کے معیار سے رکھی گئی ہے۔ نہ کہ خلیفہ یا امیر کے نام اس پر لگ جانے سے — اس کی رائے نفسِ حکم میں معتبر نہیں بلکہ تدابیر نفاذ میں اور اس میں بھی تنہا خلیفہ کی شخصی رائے کافی نہیں سمجھی گئی جب تک کہ اہل حل و عقد کی جماعت کا مشورہ اس میں شامل نہ ہو، تاکہ امیر میں خدائی نیابت کے نام سے شخصی اقتدار و حکمرانی کا تصور بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

پس باقی مذاہب کے مقابلہ میں

۴ — اسلام ہی کو حکومت کا حق ہے

کیونکہ اسلام کے علاوہ کوئی مذہب بھی اسلام جیسی رواداری نہیں رکھتا اور نہ کسی مذہب کے پاس اسلام جیسے بین الاقوامی صحیح قوانین ہی ہیں — اس لیے اسلام ایسے تمام مذاہب کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ اوّل تو یہ بات ہے کہ یہ مذاہب اپنی اصلی

شکل پر قائم نہیں ہیں یا تحریف شدہ ہیں اور نیز ان میں نقائص اور تنگیئیں ہیں - ان مذاہب نے برسرِ اقتدار آکر خدا کے بندوں کو غلام بنایا اور حریتِ انسانی کو کچلا- مساوات کو فنا کیا، اور عصبیت کو ابھار کر مخلوق خدا کو لڑایا اور تنگ کیا- اور قسم قسم کے ناگفتہ بہ مظالم کا ارتکاب کیا وغیرہ وغیرہ ؛

اس لیے اسلام ان سے سلطنت چھیننے کے لیے جنگ کرنے کو جائز قرار دیتا ہے، اور ایسے کسی مخالف نظام کو دنیا میں باقی رہنے دینا نہیں چاہتا- ان مذاہب کے پیشواؤں نے کتب الٰہیہ سے ناجائز فائدے اٹھائے شروع کیے اپنے اغراض کے لیے خدائی احکام کو بدلا- دین کے نام سے بندوں پر ظلم کیے اور ان کو ستایا- اسلام کی کتاب (القرآن) نے ان کی ان کرتوتوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے - اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کتاب دنیا میں ظلمات کو دور کرنے اور عدل کو قائم کرنے کے لیے نازل فرمائی، مگر بعد میں ان کی امتوں نے ان کتابوں کو اپنے مطالب کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا- پس اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر ان کتابوں پر عمل کرنے سے روک دیا- اور ان کو ناقابل عمل قرار دے دیا ؛

پس اب قرآن حکیم کے علاوہ کسی کتاب مذہبی کو اور اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کو ہمیشہ کے لیے دنیا میں حکومت اختیار کرنے کا حق نہیں رہے ؛

موجودہ مصائب کے اسباب موجودہ گرانی و قحط سالی، اور

دیگر ضروریات زندگی کی کمیابی رب العالمین کی طرف سے نہیں ہے ـــ اور نہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اس کا سبب ہے؟

بلکہ جب سے مادہ پرست حکومتوں نے خدا تعالیٰ سے باغی ہو کر اس کی خدائی میں تصرفات شروع کیے ہیں ـــ اور جب سے خدا کی رزاقیت پر سے ان کا اعتقاد اٹھا ہے، انھوں نے انسانوں کی تمام ضروریات زندگی کو اپنے ہی کنٹرول میں لیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ یہ حکومتیں اپنی ملکی ضروریات سے زائد پیداوار کو اس لیے تباہ و برباد بھی کر دیتی ہیں تاکہ دیگر ممالک کی حاجتمند قوموں کو اپنا دست نگر اور غلام بنا سکیں۔

نیز ایسی حکومتوں کے علاوہ ہر ایک ملک میں ایسے سرمایہ دار، جاگیر دار و کارخانہ دار اور ذخیرہ اندوز بھی پائے جاتے ہیں جو غریبوں کا خون چوس رہے ہیں، ان کو خلق خدا کے ساتھ کوئی نظر رحم و کرم نہیں۔ ہمدردی نہیں، رواداری نہیں ـــ ان وجوہات کے علاوہ موجودہ مادی تہذیب اور موجودہ سیاست بھی ان اسباب میں داخل ہے جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

۴۴ - اسلام میں ان مشکلات کا حل

اسلام کا مسلک ایسی مشکلات کے لیے اگر صلاحیت سے حل نہ ہو سکیں جہاد کرنا ہے، ورنہ اسلام جبراً غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا بنیادی

اصل لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ہے۔ یعنی دین کے قبول کرنے کے لیے کسی بھی غیر مسلم پر زبردستی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے؟

۱۷۔ خطرے کی آمد اور اس کا حل

دنیا اس وقت تباہ کن اور شدید انقلاب کی طرف تدریجاً بڑھ رہی ہے، جس کی روک تھام جنگوں اور دولت کی تقسیم اور بڑے کارخانوں کے قائم کرنے اور اچھی چیزوں کے بنانے سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مذہبی آئین اور اچھے آدمی پیدا کرنے سے ہو سکے گی اور مذہب صحیح و سالم جو اس وقت دنیا میں پایا جا رہا ہے۔ وہ صرف اسلام ہی ہے۔ باقی کوئی مذہب بھی اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں رہا۔ بلکہ غیر مسلم قوموں کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی بھیڑوں کو جمع رکھنے کے لیے اور ان کی حکومتوں نے محض اپنے سیاسی اغراض کی خاطر جعلی مذہب کو استعمال کرنا اختیار کیا ہوا ہے، ورنہ واقعہ میں ان کے پاس کوئی صحیح اور سچا مذہب نہیں ہے، جو سچا مذہب ان کو دیا گیا تھا اس کو حذف اور اضافوں نے بدل دیا ہے اور تحریفات سے گم کر دیا ہے۔ ان باتوں کو دوسری جگہ زندہ تاریخ اور انہی مذاہب کے محققین کے بیانات سے پیش کر دیا گیا ہے۔

یہی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ایسے مذاہب کے سنجیدہ منصف مزاج عقلمند لوگ ایسے مذاہب سے کنارہ کش ہو رہے ہیں، اور کسی صحیح اور محفوظ مذہب کی تلاش میں ہیں جو مذہب سچا بھی ہو اور ہمہ گیر بھی ہو۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسا جامع مذہب اسلام کے بغیر دوسرا کوئی مذہب نہیں ہو سکتا! اسلام کے آئین خدائی ہیں جو سارے مدبّر انسانوں کے دماغوں سے بالاتر اور ان کے ہر گوشے پر محیط ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی کی ذات بابرکات ایسی ہے جس کی حکمرانی بلا استثنا ساری کائنات تسلیم کر سکتی ہے اور عالم کا سیاسی فساد ختم ہو سکتا ہے ۔۔۔ اسلام نے سورج اور چاند کی روشنی کی طرح اپنا نظام اور فیضان تمام زمینی کائنات کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جیسا کہ زمین سب کے لیے ہے، اسی طرح زمین کی پیداوار اور اس کے خزائن سب کے لیے ہیں۔ کسی بھی فرد و قوم کو حق نہیں کہ دوسرے کو بلا اجازت ربانی ان چیزوں سے استفاضہ کرنے سے روک پیدا کرے، کیونکہ بندہ اور انسان ہونے کی حیثیت سے سب انسان برابر ہیں ؛

یہ وہ اصول کلّیہ ہیں جن کو اسلام ہی نے انسانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ پس اسلام کے اس مسلّمہ نظریہ کے بعد مذہبی اور سیاسی حیثیت سے کوئی دوسرا مذہب اور نظام اسلام کے مقابلہ آنے کی تاب نہیں لا سکتا۔

اسلام ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ساری انسانیت کو اپنے مذہب کی دعوت دے اور اپنے نظام کی طرف بلائے۔

اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کو اپنی طرف دعوت دینے کا حق نہیں۔ کیونکہ یہ مذاہب ذات پات، رنگ و نسل کے امتیازات پر انسانوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ قومی عصبیت اور مذہبی تعصب، اونچ و نیچ اور چھوت چھات کے نظریات کو ابھارتے ہیں، لیکن اسلام اس قسم کے تمام امتیازات کو مٹا کر تمام انسانوں کو صرف انسانیت پر جمع کرنا چاہتا ہے، اور ایسے تمام حلقوں کو توڑ کر صرف انسانیت کے فطری اور ہمہ گیر حلقہ کو قائم کرنا چاہتا ہے۔

۲ "القرآن"

اب آپ کے سامنے معہودہ تین چیزوں سے دوسری چیز "القرآن" کو پیش کرتے ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دینِ اسلام کسی ایک ملک یا قوم یا ایک زمانہ کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ اسلام تمام انسانیت کا دین ہے اور نظام زندگی بھی ہے۔ اور قرآن حکیم چونکہ انسانیت کے اس دین کی اساس اور ترجمان بھی ہے لہٰذا اسی نسبت سے قرآن حکیم کو آپ کے سامنے پیش کیا جانا ضروری ہے۔

اور نیز بین الاقوامی حکومت الٰہیہ جس کو پہلے بیان کیا گیا ہے وہ قرآن ہی کی رہنمائی سے قائم کی جا سکتی ہے، اس لیے بھی قرآن کا پیش کرنا ضروری ٹھہرا۔

بہر حال قرآن حکیم کی تعلیم عالمگیر اور ہمہ گیر ہے جتنی کہ خود انسانیت ہے۔ مشیت ایزدی کا ظہور انسانیت کے تقاضوں کی صورت ہی میں ہوتا ہے ــــ قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے۔ اس لیے وہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے ــ دین قرآن پر منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے۔

قرآن کا اپنا طرز بیان اور طریق تعلیم علیحدہ ہے، وہ انسان کو اس کی فطرت کے مطابق سمجھتا ہے ـ پس جو شخص انسان کی فطرت معلوم کرنا چاہے وہ قرآن کی تفہیم سے معلوم کر سکتا ہے، کیونکہ یہ اس کا کلام ہے جس نے انسان کو اس کی فطرت پر پیدا کیا ہے، وہی جانتا ہے کہ انسان کس طرح سمجھ سکتا ہے ـ اس لیے خدا تعالیٰ انسان کی فطرت اور عقل کے مطابق ہی اس کو سمجھاتا ہے ـ باتیں وہی سامنے کرتا ہے جنہیں وہ سمجھ سکیں اور ان کی سمجھ میں آ سکیں اور جو اس کی جنس کے لیے مفید ہوں ـ قرآن میں پہلے اہم امور کو سامنے لایا گیا ہے، پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ امور کو لایا گیا ہے، اور انسان کی فطرت اور عقل سے اونچی کوئی بات ایسی طلب نہیں کی گئی جس کی

انسان کو تکلیف دی گئی ہو — بہر حال قرآن مجید میں غور کرنے والا ایسے علوم سے بھی مستفیض ہو سکتا ہے جو خارج میں اب تک مدون نہیں ہوئے۔

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز!

قرآن حکیم کی تعلیمات ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک و قوم کے لیے ہیں۔ نوعِ انسانی اپنے ظاہری اختلافات کے لحاظ سے کتنی ہی بے میل اور کتنی ہی متفرق اور پراگندہ کیوں نہ نظر آئے۔ لیکن اس کے اس تفرق اور پراگندگی کی تہہ میں بے شمار اصول و عقائد ایسے بھی ہیں جن میں سب متحد ہیں۔ آفاق کے قوانین و ضوابط، تاریخ کے مسلمات، فطرت کے یقینیات اور بنیادی اخلاقیات میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں شرق و غرب اور عرب و عجم سب ایک ہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں — پس اگر ان چیزوں کو اساس قرار دے کر منطقی طور پر جو باتیں ان سے لازم آتی ہیں، یہ ان لوگوں کو جو نیک نیت اور سلیم الفطرت ہوتے ہیں، اپیل کرتی ہیں کہ وہ — ان مشترکہ اصول و عقائد پر متفق اللفظ ہو کر بین الاقوامی حکومت واحدہ قائم کریں — ایسے اصول مشترکہ اور ان کی تمام تفصیلات قرآن مجید میں موجود ہیں، اور قرآن کے ہر دعوے کی بنیاد ایسے محکم دلائل پر قائم ہے جو زمان و مکان کی تمام قیود و حدود، اور انقلاب آراء و افکار کی تمام اثر اندازیوں سے بالکل آزاد ہیں — لیکن قرآن کی ایسی باتوں کا یہاں بیان کرنا مشکل ہے؟

دوسرے مجموعہ میں سورۂ والعصر کی تشریح میں ان کو پیش کیا گیا ہے ۔

۶۹- قرآن کا عقل کو چیلنج

اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام قرآن مجید میں بےشمار مقامات پر علم و عقل کو چیلنج کیا ہے اور لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین میں زبردستی نہیں، فرما کر دین کے بارہ میں غیر مسلموں پر زبردستی کے استعمال کو منع کر دیا ہے ۔ یہ انسانی اختیار کا احترام اور اس کی آزادی ضمیر کی پاسبانی ہے ——
بہرحال یہ حقیقت ہے کہ اسلامی دعوت کی بنیاد ہی عقل پر رکھی گئی ہے،

قرآن کے نزدیک عقل سے کام نہ لینا ، فکری قوتوں کو معطّل کیے رکھنا اندھا دھند ہر کسی کی پیروی کیے جانا ، اور خرافات و اوہام کے پیچھے چل کر بے سمجھے بوجھے رسوم و رواج سے سمٹے و چمٹے رہنا انسان کا بہت بڑا عیب ہے ۔

قرآن کہتا ہے کہ جو مذہب عقل کی کسوٹی پر پورا نہ اترے وہ جھوٹا ہے نئی تحقیقات اور صحیح علوم سائنس اور فلسفہ قرآنی تعلیمات پر مہر تصدیق لگا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ — آج سائنس کے دور میں کوئی نہیں بتا سکتا کہ قرآن کی فلاں بات واقعات کے خلاف ہے ، اور قرآن کریم کا تصادم آج تک کسی علمی حقیقت سے نہ ہو سکا ۔

قرآن مجید میں جو باتیں بطور دلائل اختیار کی گئی ہیں ، اس میں ایک

نمایاں استدلال واقعات کا استدلال ہے، جس کی اصلی حقیقت ان کے ماننے والوں کو بھی معلوم نہ تھی۔ قرآن حکیم نے ان حقائق کو آج سے پونے چودہ سو سال پہلے ایک اُمیؐ کے ذریعے واضح کر دیا —— اور اب جدید آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کا سلسلہ ان کی تصدیق کرتا جا رہا ہے ؛

۷۔ قرآن کا مقصد اور موضوع

قرآن حکیم میں خدائی معلومات کا اظہار مقصود نہیں ہے، بلکہ نسلِ انسانی اپنے صحیح انجام تک "علم و عمل" کے جس نظام کی پابندی کر کے پہنچ سکتی ہے، فقط اس نظام کے بنیادی کلیات سے آگاہ کرنے کے لیے قرآن عزیز نازل ہوا ہے، اور یہی اس کتاب کی بحث اساسی و جوہری موضوع ہے بھی —— تو اس کے سوا قرآن حکیم میں خارج از موضوع معلومات کا تلاش کرنا، نہ صرف تلاش کرنے والوں کی غباوت و بلادت کی دلیل ہے، بلکہ قرآن کے نازل کرنے والے کی طرف ایک نقص کو منسوب کرنے کی یہ ایک جرأت ہوگی، جسے بہ ثبات عقل و ہوش کوئی صاحب تمیز و خرد آدمی بھی اپنی کسی تصنیف کے متعلق شاید برداشت نہیں کر سکتا۔ آخر طب کی کسی کتاب میں فقہی مسائل یا امیر اور داغ کے کلام کے تنقیدی مضامین کو جو ڈھونڈے گا، اس کے جنون میں کیا شبہ ہو سکتا ؟

اسی طرح آفتاب وماہتاب وغیرہ کی طرف جاری ہونے کے فعل کے انتساب سے یہ سمجھ لینا کہ رات اور دن کا جو چکر ہمارے سامنے جاری ہے، اس کی اصل حقیقت کو قرآن واشگاف کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب پھر وہی ہوا کہ اپنی معلومات کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے —

بہر حال رات اور دن کے الٹ پھیر کے واقعی اسباب خواہ کچھ ہوں، زمین گھومتی ہو یا آفتاب چکرا رہا ہو، یا آسمان گردش میں ہو۔ قرآنی مباحث سے یہ سوالات خارج ہیں — (بلکہ قرآن ایسی چیزوں کو عام انسانی احساسات کے مطابق رکھ کر خطاب کرتا ہے)۔ ہمارے استاد حضرت سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سلسلہ میں اپنی تعبیروں کو عام انسانی احساسات کے مطابق اگر قرآن رہنے نہ دیتا۔ مثلاً رات دن کے اسی قصہ میں اعلان کر دیتا کہ زمین کی گردش کا یہ نتیجہ ہے۔ تو مطلب اس کا یہی ہوتا کہ جب تک زمین کی گردش کا مسئلہ طے نہ ہوتا۔ قرآن پر ایمان لانے سے لوگ محروم رہتے . . . . . . (ص ۹۹ حیات انور)

۱۷ — اعجاز قرآن

اعجاز قرآن اور اس کا بے مثل ومثال ہونا کئی اعتبارات سے ہے

(۱) زبان کے اعتبار سے (۲) طرز بیان کے اعتبار سے، بیان حقائق کے اعتبار سے (۴) معیار حق ہونے کے اعتبار سے۔

جب عقلیں کمال کو پہنچ گئیں، تو سب سے کامل نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، جنھوں نے اپنی رسالت کو منوانے کے لیے نہ آنکھوں کو خیرہ کیا، نہ حواس کو حیرت زدہ کیا۔ بلکہ عقلوں ہی کو دعوت دی، سوچنے اور سمجھنے کے لیے پکارا اور عقل ہی کو فیصلہ کے لیے حکم قرار دیا اور اس طرح خداوند تعالیٰ نے عقلی دلیل، گویائی قوت اور بلاغت کی قدرت ہی کو حق کی نشانی اور نبوت کا معجزہ قرار دے دیا۔

(۵) قرآن اس لیے بھی معجزہ اور بے مثل و مثال ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔

( ) قدرت نے حفاظ کے سینوں کے علاوہ کتنے ہی علوم و فنون اس کی حفاظت کے لیے دنیا میں موجود کر دیے۔

(۶) اس اعتبار سے بھی کہ اس کتاب نے دنیا کو بدل دیا اور اس کی کایا پلٹ دی۔

(۷) اس اعتبار سے بھی کہ اس کتاب نے پہلی تمام آسمانی کتابوں کے بنیادی اصول اور ان کی صداقتوں کو اپنے میں جمع کر لیا۔

(۸) اس اعتبار سے بھی کہ، اس کتاب میں زندگی کے ہر گوشے کے لیے دستور العمل ودیعت رکھ دیا گیا ہے۔ ؎

"قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا"

(۹) اس اعتبار سے بھی کہ ـــــ ہر ملک کے غیر مسلم مفکرین، قرآن کریم کے بے مثل اور بے مثال ہونے کی شہادت دے رہے ہیں، اور جس کثرت سے ان لوگوں نے اس کتاب کی تفسیریں لکھیں اور اس کے مطالب کے بیان کرنے میں جدوجہد کی اور مستقل تصنیفیں کیں ان کی تعداد کا معلوم کرنا مشکل ہے ؎

اس مبارک کتاب کی تعریف و توصیف جو ہر فرقہ کے غیر مسلم مفکرین نے کی ہے ان کا شمار بھی حد سے باہر ہے۔ ان حضرات میں سے بعض کے اقوال ہم نے " عالمی مشکلات کا یقینی حل " کے صفہ ۱۹۲ سے صفہ ۲۰۰ تک نقل کیے ہیں؎

(۱۰) اس کتاب کا اعجاز اس اعتبار سے بھی ہے کہ ـــ یہ کتاب اپنے خارجی اور عملی نتائج کے اعتبار بھی بے مثل و بے مثال ثابت ہوتی ہے ؎

یعنی اس کتاب نے خارج میں جیسی بے مثل تہذیب و سیاست، انتظام، اور عمرانیت اور سماج وغیرہ کو عمل و کردار سے ثابت کر کے دنیا میں پیش کر دیا ہے۔ کوئی دوسری کتاب اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی ؎

(۱۱) اس اعتبار سے بھی کہ، اس کتاب کے مندرجات کے متعلق

کوئی چھوت چھات بھی نہیں کہ اجنبیوں کو پڑھنے بلکہ سننے سے بھی روکا جائے بلکہ صلائے عام ہے کہ ہر شخص اس کو پڑھے اور بطور خود اپنے لیے فیصلہ کرے کہ وہ اس کو قبول کر سکتا ہے یا نہیں، اور قبول نہ کر سکے تو اس کے لیے بھی صاف حکم ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین کے بارہ میں کوئی جبر نہیں ۔

اور اس کا اپنا چیلنج ہے کہ ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بہرحال وہ کتاب کہ جس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (یعنی دنیا میں بھی اچھے اور آخرت میں بھی اچھے رہیں)۔ صرف یہی اور ایک ہی کتاب قرآن حکیم ہے ۔

ہاں یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ ـــ قرآن مجید نے نجات ابدی کے لیے جیسا کہ ایمان کے بعد عمل پر زور دیا ہے ایسا کسی چیز پر بھی زور نہیں دیا ہے؟ (اٰمَنُوْا (ایمان لائے) کے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (نیک کام کیے) جتنی مرتبہ قرآن میں ملا کر دہرایا گیا ہے، کوئی اور حکم نہیں دہرایا گیا ہے۔

نسلی اور پیدائشی مذہبوں کے متعلق یہ لرزہ خیز حکم دیا گیا کہ جب لوگ خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے تو فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (قرآن) یعنی اس دن نہ ان کے نسب کا لحاظ ہوگا، اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ جواب طلبی کر سکیں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا انفرادی طور سے ذمہ دار ہوگا۔ یہ نہیں کہ ہمارے گناہوں کا کوئی ناکردہ گناہ

ہی بھینٹ چڑھ جائے۔ نعوذ باللہ، خدا کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اور ہم زندگی بھر عمداً بدمعاشیاں کرتے رہنے کے باوجود رستگاری اور رہائی پا جائیں؟

۷۴ — اسقف اعظم کا پیغام

حال ہی میں اسقف نے طبہ داران پاپائیت کو یہ پیغام دیا ہے کہ اُن تمام اخلاقی رذائل کا سدّباب کیا جائے، جو ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کے صدقے میں عام ہو رہے ہیں۔ اسی پیغام کے ضمن میں اسقف اعظم نے یہ ہدایات بھی جاری کی ہیں، کہ فنون لطیفہ کی چھاپ جس چیز پر بھی ہو، مسیحی عوام کو اس کے مضرات سے آگاہ کر دیا جائے۔ ارباب سیاست ان فنون کی ترویج و اشاعت اور ان کے فروغ کے سلسلہ میں جو کوششیں کرتے ہیں ان کے فریب میں مبتلا نہ ہونا۔ عوامی حکمرانوں کے نام بھی اسقف اعظم کا یہ پیغام ہے کہ — وہ جدید علوم و فنون پر نہ سیاسی زاویہ نگاہ سے بلکہ اخلاقی نقطہ نظر سے بھی احتسابی نظر ڈالیں؛

اوّل تو مغرب کے دینی پیشواؤں نے کبھی یورپ کو اخلاقی تعلیم نہیں دی" اور اگر کبھی اس کے بعض گوشوں سے انھیں روشناس بھی کرایا تو صرف اسی حد تک کہ وہ صرف اس عقیدہ پر جمے رہیں کہ — حضرت مسیح کی نسبت مصلوبیت ان کے گناہوں کا کفارہ دے چکی ہے۔ اور اب وہ جو روش بھی اختیار

کریں گے، اس پر ان سے نہ اس دنیا میں کوئی باز پرس ہوگی، اور نہ آخرت میں قدرت مواخذہ کرے گی۔ اس قسم کے عقیدہ کے حاملین کو کسی قسم کا درس اخلاق بھی انسانیت کے بلند معیار پر فائز نہیں کر سکتا۔

ضروری یہ ہے کہ مسیحی اخلاق کی بنیادی قدریں ایک ہموار سطح پر لائی جائیں، تاکہ جس اصلاح کا اسقف اعظم کو ہوکا ہے۔ اس کی بات بن سکے (ماخوذ)۔

نوٹ: قرآن کے متعلق مزید کچھ باتیں اسی مجموعہ میں دوسری جگہ بھی بیان کی گئی ہیں۔

۳۷۔ ہادیِ عالم محسنِ اعظم
(صلی اللہ علیہ وسلم)

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ؛ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اب ہم آپ کے سامنے مذکورہ تین چیزوں میں آخری تیسری چیز۔ یعنی دنیا کے سب سے بڑے انسان اور بے مثل و بے مثال شخصیت کے متعلق کچھ باتیں پیش کرتے ہیں۔

یہ وہ عظیم الشان بشر ہیں جس نے ظاہر ہو کر عالمگیر انقلاب کیا، اور مردہ دنیا کو اپنی مسیحائی سے دوبارہ زندہ کیا۔ اور یہ وہ کامل انسان

جس نے عالم گیر اسلامی نظام کو دنیا کے سامنے پیش کیا — اور یہ وہی عظیم المرتبت ہستی ہے جس پر جامع الکتب قرآن حکیم نازل کیا گیا — اور وہ ساری کائنات کے لیے رحمت اور ثقلین کے لیے ہمیشہ کیواسطے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا — اور یہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں، جن کے دین پر تمام دینوں کو اور جن کی کتاب پر تمام کتابوں کو اور آپ کی نبوت پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔

جو بھی مفکر غائر النظر اور منصف مزاج، حضور علیہ السلام کی سیرت اور شخصیت اور آپ کی تعلیمات کا مطالعہ کرے گا، اور وہ دنیا کے وجود خارجی میں آجانے کے وقت سے بعثت نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عالم انسانی کے سلسلہ میں غور و فکر کرے گا — اور نیز عالم کی تدریجی ترقیات و انقلابات کا مطالعہ کرے گا — اور اسی طرح انبیا کرام علیہم السلام کے سلسلہ بعثت کو ملحوظ رکھ کر پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضور کے دنیا میں ظاہر ہونے، اور آپ کی جائے پیدائش اور آپ کے خاندان اور ماحول اور قوم و زبان اور آپ کی بنائی ہوئی جماعت اور آپ کی مکی اور مدنی زندگی — اور زندگی کے تمام کاروبار کا علمی و عقلی اور تاریخی و جغرافیائی اعتبارات سے جائزہ لے گا۔ لہٰذا اس مفکر پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ — بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق

کائنات کے لیے بمنزلۂ علت غائیہ ہیں؛ — اسی لیے آپ پر نبوت اور سلسلہ ادیان اور انزالِ کتب کو ختم کر دیا گیا۔

غرض ہم آج ایک ایسی شخصیت کا مطالعہ کر سکتے ہیں جس کے عام حالات، پندرہ سو سال کے بعد بھی تفصیل سے محفوظ ہیں۔ آج آپ کا کھانا، پینا، بیٹھنا، اٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے واقعات جنھیں آپ کے ساتھ انتساب کا فخر حاصل ہوا مستند تاریخوں میں اور خود قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قدرت نے جہاں اس ذات ستودہ صفات کو بہت امتیازات بخشے ہیں، وہاں آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ — آپ تاریخ کے روشن زمانہ میں مبعوث ہوئے — ایسے زمانہ میں جس کے واقعات اور حوادثات آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں اور جن کی تحقیق کے ذرائع آج کثرت سے موجود ہیں۔ آپ پر خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ — آپ کے انقلابی اور فکری کارناموں پر "دیومالا" "مائتھالوجی" کا رنگ نہیں چڑھ سکا۔ اور واقعات نے آگے چل کر خوش فہمیوں اور داستانوں کی راہ اختیار نہیں کی — اگر کوئی چاہے کہ آپ کے اصل حالات آج معلوم کرے تو وہ آسانی سے کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کی زندگی ہی میں وہ اسباب مہیا ہو چکے تھے جو واقعات کو دوام اور استحکام عطا کرتے

ہیں اور جو ملاوٹ کے امکانات سے پاک ہے :

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مفکّرین اور مورخین نے جس قدر آپ کی لائف پر توجہ دی کسی اور ہیرو کی لائف پر نہیں دی ــــ اور انگلستان کے متعصب مورخ " ماگو یو تھ " تک کو یہ لکھنا پڑا کہ ــ اسلام کے داعی کی زندگی آفتاب سے زیادہ روشن ہے ، اور ہم آج آپ کے متعلّق وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں جو شاید انسان کی زندگی میں بھی معلوم نہیں کر سکتے ، گویا آپ کی زندگی پر واقعات کی کرنیں پڑ رہی ہیں ، اور ہم آپ کا مبارک حلیہ سراپا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں :

ناظرین کرام کیا اس سے بھی زیادہ آپؐ کے بے مثل و بے مثال انسان برگزیدہ ہونے کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی ہے ؟

۴۷ - آپؐ کا انقلابی اور فکری پروگرام

چونکہ آپؐ ایک ہمہ گیر انقلابی اور فکری تحریک لیکر آئے تھے اس لیے اس راہ میں آپ کو بڑی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں ، لیکن آپؐ میں سچائی کی کشش تھی ، اس لیے آپ کی دعوت کامیاب ہوئی ، اور حضور کی زندگی ہی میں سارا جزیرۃ العرب اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا ۔ اس کامیابی پر " انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا " کے مضمون نگار کو بھی لفظ " محمدؐ " کے ذیل میں لکھنا پڑا کہ ــــ پیغمبروں میں

آپ کی زندگی کامیاب ترین زندگی کہی جاسکتی ہے؛ دنیا کا کوئی داعی اپنی زندگی میں اپنے مشن کو کامیاب نہ کرسکا۔ مگر اسلام کے پیغمبرؐ نے یہ سب سے زیادہ معجزہ کر دکھایا؛

آپ کا انقلابی اور فکری پروگرام کیا تھا؛ دنیا کے لیے آپ کس طرح رحمت و رأفت ثابت ہوئے؛ اور وہ کیا پیغام ہے جس سے ساری دنیا قیامت تک فائدہ اٹھاتی رہے گی؛ ان امور کے لیے دفتر چاہیے۔ مختصراً چند بنیادی باتیں یہ ہیں:

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرکے پہلی بار اس پر انسانی وحدت کی بنیاد رکھی اور انسانوں کو مخلوق کی غلامی سے نجات دلائی؛

(۲) آپ نے پہلی بار انسانوں کو انسانی مساوات اور عالمی بھائی چارہ کا پیغام دیا اور یہ اعلان فرمایا کہ کسی شخص، یا کسی قوم کو رنگ، نسل اور وطن کی بنا پر امتیاز حاصل نہیں ہے؛ اور تمام انسانوں کی اصل ایک ہے؛

(۳) آپؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ ــــ خدا تعالیٰ نے ہر امت اور ہر قوم کے لیے ہادی اور رہنما بھیجے۔ دنیا کے تمام بانیان مذاہب کی عزت اور توقیر قائم کی۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان الزامات سے بچایا جو ان کے پیروان کی، ہی قوموں کی طرف سے لگائے گئے تھے؛

گویا آپ کے مشن کی جان تصدیق ہے، تکذیب نہیں ہے اور یہ امن وراستی کی وہ راہ ہے، جو صرف آپؐ ہی کے صدقہ میں نوع انسانی پر کھلی؛

(۴) آپؐ نے ضمیر اور عقیدہ کی آزادی کا اعلان کیا، اور تمام مذاہب کو آزادی عطا فرمائی۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین کے بارہ میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں ہے؛

آج مذہبی آزادی کا صور پھونکنے والے اس سے آگے ایک قدم نہ بڑھا سکے، اور انھوں نے وہی کہا، جو پیشوائے اعظم نے چودہ سو برس پہلے فرمایا تھا؛

(۵) آپ نے بلا وجہ قتل انسانی کو سنگین جرم قرار دیا، اور ایک انسان کے قتل کو تمام نوع انسانی کا قتل ٹھہرایا اور فرمایا کہ جو شخص ایک انسان کو قتل سے بچاتا ہے، وہ ایک کو نہیں، بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کو زندہ کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس موقع پر مسلمانوں کا نہیں، بلکہ نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی کوئی نفس ہو اس کا قتل خدا تعالیٰ کی نظر میں سخت ترین جرم ہے؛

(۶) آپؐ نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ٹالریشن یا رواداری کی تعلیم دی اور فرمایا کہ جو لوگ مسلمانوں کو وطن سے بے وطن نہیں کرتے، انھیں مذہبی جنگ کی دعوت نہیں دیتے۔ وہ رعایت اور حسن سلوک کے مستحق ہیں قرآن اس حقیقت پر وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ (ان کے ساتھ انصاف سے پیش آؤ) کہہ کر شہادت دی ہے؛

(۷) مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم غیر متعصب منصف مزاج حضرات نے جس قدر آپؐ کی تعریف و توصیف کی ہے اور سوانح لکھے ہیں، دنیا میں سے کسی بھی بڑے آدمی کو اس سلسلہ میں آپؐ جیسا مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔

(۸) آپؐ نے ساری کائنات میں انسان کو اشرف و اعلیٰ مقام عطا فرمایا، اور اس پر یہ راز کھولا کہ۔ ساری کائنات انسان کے لیے ہے اور انسان فقط خدا کے لیے ہے، اور آپؐ نے اونچ نیچ کے فرق کو مٹایا نسل و ذات کی دیواروں کو گرایا، اور صرف کردار کو فضیلت کا معیار قرار دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جو نظام اور دین دنیا میں پیش کیا اس نے اپنے لیے خود بخود جگہ پیدا کر لی اور اسی اندرونی کشش سے پھیلتا چلا آ رہا ہے۔

اس ہادی عالم کی تعلیم آج بھی مصیبتوں سے بھری دنیا کے لیے سنجیدہ غور و فکر اور انسانیت سوز برادر کشیوں کے انسداد کا سامان مہیا کرتی ہے۔

۷۵۔ محسنِ اعظم سے دنیا کی روگردانی ہمیں حیرت ہے کہ۔ آج اس روشن زمانہ میں بھی لوگوں نے اپنے محسن اعظم کو نہیں پہچانا۔ وہ انسان کامل جس نے "ربّ" کو رب العالمین کی حیثیت سے پیش کیا، اور یہ نہیں کہا وہ رب المسلمین ہے، اور خود بھی رحمۃ للمسلمین بن کر نہیں بلکہ "رحمۃ للعالمین" بن کر آیا۔ اور جس نے اپنی ہدایت کو جغرافیائی اور قومی حدود میں بند نہیں کیا، بلکہ اسے وقف عام کر کے پوری انسانیت کو اس میں حصہ دار

بنایا۔ وہ انسانیت کا نجات دہندہ تھا، اس نے انسان کے سر کو خدائے واحد کے آگے جھکایا۔ اس نے کہا انسان انسان کا غلام نہیں بن سکتا، اور خدا تعالیٰ کی نظر میں ایک بادشاہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک بوریا نشین اور غریب انسان کی ہے۔

ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں سے دریافت کریں گے کہ کیا اب وقت نہیں آیا کہ آپ اس مصلح اعظم کو پہچانیں جو خدا کو "رب العالمین" کہتا ہے، اور انسانوں کو بھائی بھائی بنا کر، نسل اور قبیلوں کی دوئی کو مٹاتا ہے۔

اس محسن اعظمؐ نے اپنی تمام زندگی انسانی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی، آپ کی تمام زندگی کا مقصد انسان کی خدمت کرنا تھا۔ آپؐ کے تشریف لانے سے قبل دنیا میں ملکی غیر ملکی فرق تھا۔ نسلی امتیاز، کالے گورے، بڑے چھوٹے، مالدار اور غریب کے فرق نمایاں تھے۔ اور ان پر زبردست فخر کیا جاتا تھا۔ لیکن آپؐ نے تشریف لا کر ان سب امتیازات کو ختم کر دیا، اور آپؐ نے تمام انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ محسن اعظم کا زبردست کارنامہ ہے۔

۷۶۔ غیر مسلم مصلحین کو آفتابِ محمدیؐ سے چارہ نہیں

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ غیر مسلم پہلے بھی اپنے مسائل زندگی

حل کرنے کے لیے اسلام سے استفادہ پر مجبور رہے ہیں۔ ان کی تمام اصلاحی تحریکیں شجر اسلام سے خوشہ چینی کرتی رہی ہیں۔ جیسا کہ سولھویں صدی میں ــــ لوتھر کالون، زونگلی وغیرہم نے کنیسہ کے مخرب اخلاق تعلیم سے بیزار ہو کر اسلام کی روشنی میں مسیحیت کی اصلاح کی ۔

اسی طرح پنڈت دیانند سرسوتی بانی فرقہ آریہ کی اصلاحات کا چربہ ہیں، اسی طرح اور بھی کئی ایک ایسی اصلاحات پیش کی جا سکتی ہیں مگر یہ موقعہ بیان کرنے کا نہیں ۔

کاش غیر مسلم مصلحین اصول پرستی کا ثبوت پیش کریں۔ آفتاب محمدیہ سے پوری روشنی حاصل کرنے کے لیے عملی قدم اٹھائیں۔ اس آفتاب کی روشنی کے بغیر دنیا کی موجودہ تاریکیاں دور نہیں ہو سکتیں ۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "سراج منیر" کہا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔ الآیۃ (پ ۲۲ - ع ۲)

اے نبی ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چراغ روشن بنایا ہے ۔

اور شمس کو بھی سراج کہا گیا ہے

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّ

اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا بنایا، اور

جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (پ۲۹ ع۹) آفتاب کو چراغ بنادیا ۔

پس جیسا کہ سورج اپنی عظمت شان اور خوبیوں میں بے مثل و مثال ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام بھی اپنی عظمت شان میں بے مثل و مثال چراغ یا روشن سورج ہیں ۔ بلکہ اگر غائر نظر و فکر سے دیکھا جائے تو حضور علیہ السلام عظمت شان اور فیوض میں رفعت اور کمال میں شمس دنیا سے بہت زیادہ کامل ہیں کما قیل

وَشَمْسُ الْاَرْضِ تَغْرُبُ کُلَّ یَوْمٍ ۔ وَلَیْسَ لِشَمْسِنَا اَبَدًا غُرُوْبُ

یعنی دنیا کا آفتاب تو ہر روز غروب ہو جاتا ہے، لیکن ہمارا آفتاب ایک لمحہ کے لیے بھی غروب نہیں ہوتا ۔

اس مادی آفتاب کی روشنی بیناؤں کو ہی حاصل ہوتی ہے ۔ نابینے (بے بصر) محروم رہتے ہیں، لیکن آفتاب محمدی کی روشنی سے ساری کائنات فیض یاب ہو رہی ہے ۔ اس مادی آفتاب کی روشنی اور حرارت سے عناصر اور موالید ثلاثہ کمال حاصل کرتے ہیں، لیکن آفتاب محمدی سے اس مادی دنیا میں امن و سلامتی قائم ہوتی ہے اور مزید برآں عالم روحانی کو مسرت و راحت حاصل ہوتی ہے اور عقلوں پر بے شمار علوم و حکمتوں کے دروازے کھلتے ہیں ۔ پس جیسا کہ یہ مادی آفتاب اپنی روشنی اور فیوض کے لیے خود آپ دلیل ہے ۔ یعنی اس کے اثبات کے لیے کسی دلیل اور شہادت اور سوگند وغیرہ کی حاجت نہیں پڑتی اور اس کے منکر کو نہایت درجہ کا بلید

اور انتہائی درجہ کا اندھا اور دیوانہ سمجھا جائے گا ـــ اسی طرح یہ آفتاب محمدی اپنے اثبات اور حقانیت و صداقت کے لیے کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے، بلکہ اس کی بداہت مادی آفتاب سے بھی زیادہ بدیہی ہے ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✤ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ!

اس روحانی آفتاب کی روشنی سے انکار کرنے والوں کے پاس انکار کے لیے جانِس دلائل اور سندات سے کوئی بھی دلیل اور سند نہیں ہے۔ جو منکر ہیں صرف تعصّب اور حسد و عناد کی وجہ سے منکر ہیں ؎

راست خواہی ہزار چشم چناں ✤ کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ
بِاَفْوَاہِہِمْ (الآیہ)

مادی آفتاب مشرق سے نکلتا ہے لیکن اس کی روشنی مشرق تک محدود نہیں رہتی، بلکہ تمام روئے زمین کو منور کرتی ہے۔ اسی طرح آفتاب محمدیؐ نے مکہ مکرمہ سے طلوع ہو کر ساری دنیا کو روشن کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کو "سراج منیر" کا خطاب نہیں دیا۔ دوسرے انبیا کو آپ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ستاروں کو آفتاب سے ہے ✤

یہ خیال نہ کیا جائے کہ آیت مذکورہ بالا میں تو آپ کو "سراج منیر"

کہا گیا ہے "شمس منیر" نہیں کہا گیا۔ شمس و سراج میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس خیال کو ہم پہلے ہی رفع کر آئے ہیں کہ، قرآن میں شمس کو بھی سراج کہا گیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آپ کو یہاں سراج منیر کہا گیا "شمس منیر" کیوں نہیں کہا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کا اپنا مخصوص طرز بیان کسی نکتہ اور حکمت پر مبنی ہے جس کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ـــــ صرف اس قدر اشارہ کرنا کافی ہے کہ دوسری آیات کے قرینہ سے یہاں "سراج" سے مراد "شمس" لیا جا سکتا ہے۔ قرینہ یہ آیات ہیں

(۱) وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔ — ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۲) وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔ — ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔

(۳) قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (پ۹۔ ع۱۰) — کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ا ہ

حدیث میں ہے

بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ — میں تمام سرخ و سیاہ انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں"

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا بدر عالم مدظلہ العالی نے ترجمان السنہ میں جو

فیصلہ کن بحث کی ہے اس کا یہاں پیش کرنا بہت سے شبہات کو رفع کر دیتا ہے۔ مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ

۷۔ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو قبول نہیں کیا جائیگا

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہیگا، وہ دین اس سے ہرگز قبول نہیں ہوگا اور وہ آخرت میں نامراد ہوگا ۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوگا؟ — جواب معلوم کرنے سے پیشتر عالم کے تمام مذاہب پر ایک نظر ڈالی جائے — بہت سے مذاہب تو وہ ہیں جو الٰہی قانون ہونے کا اپنے پاس کوئی ثبوت نہیں رکھتے — ان کے لیے معتبر مذاہب کی صف میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے، اور اسی لیے ان کے ساتھ دین حق کے تقابل و توازن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ وہ مذاہب جو اپنے آسمانی دین ہونے کا ثبوت رکھتے ہیں۔ ان کو اس سوال کا حق ہے اور انہی کے غور و فکر کے لیے یہ اعلان کیا گیا ہے — یعنی اپنے زمانے میں تمام مذاہب حق اور کامل تھے، لیکن ان کی صداقت اور کمال کی حیثیت ٹھیک وہی تھی جو اپنے اپنے دور میں سلسلہ ارتقا کی کڑی کی ہوا کرتی ہے کوئی کڑی اپنے دور کے لحاظ سے ناقص شمار نہیں ہوتی — لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ

ہر بعد والی کڑی پہلی کڑی کے لحاظ سے کامل تر ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ارتقاء کا مفہوم ہی بے معنی ہو کر رہ جائے۔ اس لیے اگر کوئی پہلی کڑی بعد والی کڑی کی جگہ رکھ دی جائے تو اس ارتقائی دور کے لحاظ سے اس کو ناقص کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔

پھر اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ــــ یہاں ناقص و کامل کا سوال کرنا ہی بے محل ہے، کیونکہ تقابل و توازن کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے، جہاں دو چیزیں علیحدہ علیحدہ ہوں، ایک ہی حقیقت کے مختلف مراتب و مدارج میں نقص و کمال کا سوال ہی بے حقیقت ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کے مختلف ادوار طفولیت و شباب میں جب ایک چیز اپنے غیر ضروری اجزاء چھوڑتی اور اس سے کامل تر اجزا اختیار کرتی چلی جاتی ہے تو اسی کو ارتقا کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر پہلی کڑی دوسری کے لیے بنیاد ہوتی ہے اور ہر دوسری کڑی پہلی کڑی کی نسبت سے کامل ہوتی ہے۔ اس کمال کے باوجود اس کی حقیقت پہلی کڑی کی حقیقت سے مختلف نہیں ہوتی، بلکہ اس کے تمام ضروری اجزا اس کی حقیقت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں ــــ اسی طرح جو صداقت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی اس کی حقیقت کبھی نہیں بدلی۔ اس کے ضروری اجزا ہر دور اور ہر زمانہ میں محفوظ ہی رہے؛ پھر کچھ دور آئے جن میں دین حق کی شریعتوں کی گرفت قدرے سخت

ہو گئی، لیکن دور ارتقائی کی طبعی رفتار کے پیش نظر تھوڑے سے وقفے کے بعد گرفت کی وہ سختی ڈھیلی کر دی گئی اور آوامر و نواہی کے بوجھ ہلکے کر دیے گئے اور جو پھندے کس دیے گئے تھے ان کو کاٹ دیا گیا۔ یہاں تک کہ سچائی کی ایسی آسان راہ دکھا دی گئی جس میں نہ تو عمل کے لیے کوئی سختی تھی نہ عقل کے لیے کوئی بوجھ ـــ اسی کا نام اسلام ہے ؛

اور اب یہ "پیغام محمدی" کا لقب سے مخصوص ہو گیا ہے۔ ارتقاء کے انہی منازل کی جانب ذیل کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ؛

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الخ — آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تمھارے پر اپنی نعمت تام کر دی ہے ؛

یعنی کوئی نیا دین نہیں ہے، بلکہ وہی دین ارتقا کی منزلیں طے کرتے کرتے آج اپنے اوج کمال تک پہنچ گیا ہے) لفظ کمال میں دین کی اس ارتقائی حرکت کی طرف اشارہ ہے ـــ قرآن کریم کی سب سے بڑی خصوصیت مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ کا حاصل بھی یہی ہے۔ اور لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ کا عقیدہ بھی اس لیے سکھایا گیا ہے ـــ یعنی یہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں تھیں جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں ـــ اور اپنے اپنے دور میں سب ہی کامل تھیں ـــ صورتیں بیشک مختلف رہیں، مگر حقیقت ایک ہی تھی۔ اس لیے یہاں تسلیم و انکار کی تفریق برداشت نہیں کی جا سکتی ـــ ایک کا ماننے والا

اس کا مکلف ہے کہ وہ دوسرے کو بھی مانے ۔ اسی طرح ایک کا انکار کرنیوالا اس جرم کا مرتکب ہے کہ ۔ اس نے دوسرے کا بھی انکار کر دیا ۔ لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ کا مفہوم بھی یہی ہے ۔ یعنی انبیا علیہم السلام میں افضل و مفضول ہونے کے باوجود تخییر کی بحث اس لیے ناموزوں ہے کہ سب ایک ہی پیغام اور ایک ہی صداقت کے حامل تھے ۔

وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا كَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِىْ میں بھی یہی اشارہ ہے کہ دورِ کمال میں غیر کامل دور کی کسی کڑی کو لاکر رکھنے کے کوئی معنی نہیں ۔ وہ اپنے دور میں ہزار کامل سہی مگر اس دور میں ہرگز قابل عمل نہیں ہو سکتی ۔ طلوعِ آفتاب کے وقت بجلی کے قمقموں سے روشنی حاصل کرنا دانائی نہیں کہا جا سکتا ۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی بقید حیات ہوتے تو ان کے لیے بھی خدا تعالیٰ کا یہی (اسلام) جو اب اپنی مکمل اور آخری صورت میں جلوہ گر ہو چکا ہے ۔ قابل اتباع ہوتا ۔ پس اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان کی تمام عظمتوں کے باوجود سوائے دین کامل کے اتباع کے کوئی راہ نہیں تو اب دنیا میں کس کو پہنچتا ہے کہ ۔ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر عمل پیرا ہونے کا مجاز ہو ۔

اب نہ دو ہزار سال پہلے کا انسان موجودہ ترقی یافتہ انسان کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے اور نہ ہزار سال پہلا آئین موجودہ ضروریات کا حل کر سکتا ہے ۔

فوز و فلاح، نجات اور کامیابی کی اب صرف یہی ایک راہ ہے۔ اور اگر اس فطری ارتقا کے بعد بھی کوئی شخص قدرت کی بخشائش سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اور انھی راہوں پر چلنا چاہتا ہے، جن کے صحیح نقوش اب مٹ چکے ہیں۔ تو اس کو اختیار ہے ۔ لیکن اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اب اس کا یہ اتباع اسلام اور اس کی صداقتوں کا اتباع نہیں ہوگا، بلکہ خواہشات کا اہتمام ہوگا جسے فلاح و نجاح کی راہ سے دور کا بھی تعلق نہیں ۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ مذاہب جو اپنے آسمانی مذہب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ اپنی روحانی تعلیمات کا وہ گرانبہا ذخیرہ گم کر بیٹھے ہیں جو وحی والہام کی وساطت سے انھیں ملا تھا۔ اب ان مذاہب کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ انسانی تصورات و خیالات کی ایک پونجی ہے جس میں آئے دن حالات اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اسلام نے قرآن حکیم کے ذریعہ جس کی تعلیمات غیر مبدّل اور غیر متغیر ہیں، دنیا کو بہت کچھ دیا، اور آج بھی دے رہا ہے ۔

اگر ہم یہ کہیں تو کچھ بیجا نہیں کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے پہلے پہل دنیا کو مساوات اور رواداری کی تعلیم دی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ برہمنیت، عیسائیت، یہودیت، مجوسیت اور تمام وہ مذاہب جن پر ان کی چھاپ پڑی ہوئی ہے ۔ تمدّن و معاشرت کے اعتبار سے اتنی

پستی میں رہے ہیں کہ آج خود ان کے پیرو بھی شرم وندامت کے احساس کے ساتھ اس افسوسناک حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ دوسری جگہ ان باتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

۷۸۔ فیصلہ کُن آخری گزارش

اس عالمگیر روشنی میں جبکہ ہر ایک الجھی ہوئی بات کھل کر واضح اور روشن ہوتی جارہی ہے۔ اقوامِ عالم کے بڑے لوگ غیر متعصب، منصف مزاج، حق و سچائی کے متلاشی اور امن و سلامتی کے خواہشمندوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہیں۔ سب سے بڑی اور اہم داری یہ ہے کہ ان عالمگیر مشکلات کے حل اور ان کو دور کرنے کے لیے خدائی تدابیر کو اختیار کریں۔ یعنی اس عالمی دستور العمل کو جو تمام قوموں کے لیے اجتماعی و انفرادی شعبوں کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے چودہ سو برس سے دیا جاچکا ہے، اسی کو اختیار کریں اور رواج دیں۔ وہ عالمی دستور العمل الاسلام (یعنی خدا کی طرف سے امن و سلامتی کا ضابطہ حیات) ہے غلط نظریوں پر جمے رہنا اور اندھی تقلید میں گرفتار رہنا عقلمندوں، منصف مزاجوں اور غیر متعصبوں کا شیوہ نہیں ہونا چاہیے۔ خصوصاً جبکہ جابجا تحقیقات اور تاریخی واقعات چودہ سو برس سے اسلام کی حقانیت و صداقت کا

ثبوت پیش کرتے چلے آرہے ہوں۔ اور جبکہ اسلام کا کوئی اصل و قانون ناقص ثابت نہ ہو سکا ہو، بلکہ جس قدر تحقیقات اور تجربات ترقی پذیر ہوتے جا رہے ہوں۔ اسی قدر اسلام کی حقانیت اور صداقت روشن ہوتی جا رہی ہو کہ اسلام ہی انسانیت کا شارع اور اس کی فطرت کا ترجمان ہے۔

عقل مند انقلابی انسان کو کوئی لالچ اور طاقت حق پسندی اور صداقت شعاری سے روک نہیں سکتی، اور نہ اس کی خواہشات و شہوات اور آرزوئیں اس کے راستہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔

پس اگر دنیا کے بڑے لوگوں کو علمی و عقلی اور عملی معیار سے صرف نظام عالم کے نظریہ سے ایسی بہترین چیز کی تلاش ہے، تو وہ اسلام ہی ہے۔ اور اگر دنیا و دین دونوں اعتبار سے ایسی چیز کی تلاش ہے، تو پھر بھی اسلام ہی ہے۔ یہ وہ اٹل اور فیصلہ کن باتیں ہیں جو آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔ ان کا موجودہ معیار صحیح پر پرکھ کر تسلیم کرنا، نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ بہرحال ساری مشکلات کا حل اس نکتہ میں مرکوز ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اپنے ایسے اغراض کو جو اسلامیات سے متصادم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو بدل کر اسلامی اصول و مقاصد کو اپنے اغراض و مقاصد قرار دیں اور انہی کو اختیاراً خوشی سے قبول کریں کہ اسلام کے اصول و مقاصد تمام قوموں کی بلا استثنا مشترکہ متاع ہے، اور اس لیے کہ اسلام سب کا ہی مذہب

اور ضابطہ حیات ہے، جیسا کہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے؂
بے شک ہمیں جواب بھی دیا جا سکتا ہے، مگر انتظار کیجیے، زمانہ
خود بتلا دینے والا ہے کہ حق کیا ہے اور کس کی کہی گئی بات حق اور سچ ہے

فَسَيَعْلَمُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ۔ (پ ۱۹ - ع ۱۵)

بے انصافوں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ پر پڑتے ہیں۔ (قرآن مجید)

۷۹۔ سائنس اور اسلام

مادیات پر روحانیت کی فتح اور فوقیت

چند خوانی حکمت جسمانیاں ؂ حکمت روحانیاں را ہم بخواں

قال اللہ تبارک و تعالیٰ

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (پ ۲۲ - ع ۸)

ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے، یہ ہے بڑا بے ترس نادان؂

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اور جب تمھارے رب نے فرشتوں سے
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً	کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ قائم کرنیوالا ہوں
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ	انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے کو قائم کرتا ہے
فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ	جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے، اور ہم تیری حمد
نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ	کیساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا بے شک
قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔	میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ؛
(بقرہ ع ۴)	(قرآن)

تشریح: پہلی آیت میں انسان کو امانت سپرد کرنے کا بیان ہے۔ اور دوسری آیت میں انسان کو اپنا خلیفہ اور نائب فی الارض بنانے کا فیصلہ ہے۔ امانت سے کیا مراد ہے؟ یہاں تفسیر کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات یقیناً معلوم ہو رہی ہے کہ "امانت" ایک عظیم المرتبت اور نہایت رفیع الشان اور بھاری چیز ضرور ہے جس کے سنبھالنے اور اٹھانے سے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا۔ مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا جس سے جزماً معلوم ہوا کہ حضرت انسان قوّت و طاقت اور حوصلہ میں ان تینوں سے زیادہ ہے اور ان پر تصرّف کی قدرت و طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ	اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۔ میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، بے شک اس میں
یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (سورہ جاثیہ - ع ۲) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں ۔

اور دوسری آیت نمبر۲ میں ساری کائنات پر انسان کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا اپنا خلیفہ اور نائب بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے اندر تسخیر کائنات کی قوت و طاقت ودیعت کی گئی ہے جس کی وجہ سے کائنات کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے ۔

آیت نمبر ۱ میں "امانت" سے مراد "عقل" بھی لی گئی ہے، اور آیت نمبر ۲ میں خلافت کی وجہ "علم" واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے - پس ان دونوں آیتوں میں ادنیٰ غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان کی فضیلت و رفعت باقی کائنات پر عقل اور علم کی وجہ سے ہے، واقعات اور تجربات بھی اس کے زندہ شاہد ہیں ۔

لیکن جن انسانوں نے ان دونوں چیزوں کو خدا تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق استعمال کیا انھوں نے دنیا میں امن و سلامتی پھیلائی اور جو انسان خدا کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر ان کا استعمال کرتے رہے دنیا میں شر و فساد ہی پھیلاتے رہے ۔ اس سے آگے طویل الذیل تفصیل جو مندرجہ ذیل حدیث سے شروع ہوئی ہے، وہ حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ العالی دیوبندی مترجم علوم قاسمیہ

کی کتاب مسمی بہ" سائنس اور اسلام" سے انتخاباً پیش کی جارہی ہے۔ (ابو احمد عبداللہ)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ
تَمِیْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِہَا
عَلَیْہَا فَاسْتَقَرَّتْ۔ فَعَجِبَتِ
الْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ شِدَّۃِ الْجِبَالِ
فَقَالُوْا یَا رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ
شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ
قَالَ نَعَمْ اَلْحَدِیْدُ فَقَالُوْا یَا
رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ
اَشَدُّ مِنَ الْحَدِیْدِ قَالَ
نَعَمْ اَلنَّارُ فَقَالُوْا یَا رَبِّ ہَلْ
مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ
النَّارِ قَالَ نَعَمْ اَلْمَآءُ فَقَالُوْا
یَا رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ
اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمْ الرِّیْحُ
فَقَالُوْا یَا رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ
کانپنے اور ڈولنے لگی، تب اللہ تعالیٰ نے
پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان سے زمین پر جم جانے
کے لیے فرمایا (پس زمین ساکن ہوگئی) ملائکہ نے
پہاڑوں کی شدت و صلابت پر تعجب کیا اور کہنے
لگے کہ اے پروردگار تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں
سے زیادہ بھی سخت ہے؟ فرمایا ہاں لوہا ہے۔ اس پر پھر
ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار تیری مخلوق میں
لوہے سے بھی بڑھ کر کوئی چیز سخت ہے؟ فرمایا
ہاں آگ ہے۔ پھر عرض کرنے لگے کہ الٰہی آپکی
مخلوق میں آگ سے بھی زیادہ کوئی چیز سخت
ہے فرمایا ہاں پانی ہے، پھر انھوں نے عرض کیا
کہ اے پروردگار تیری مخلوق میں پانی سے بھی
زیادہ کوئی چیز سخت ہے؟ فرمایا ہاں ہوا
ہے، تو پھر ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار

شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمْ اِبْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ۔ (الترمذی)

تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ کوئی چیز سخت ہے فرمایا ہاں آدم کی اولاد جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ (روایت کیا اسے ترمذی نے)

تمہید

چونکہ فلسفہ اور سائنس کا موجودہ دور میں بڑا زور اور چرچا ہے اور حد سے زیادہ بڑھ کر مبالغہ آمیزی سے ان کی تعریف اور توصیف کی جاتی ہے اور مذہبیت و روحانیت کو خوش فہمیاں اور قصے کہانیاں بتایا جاتا ہے اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ فی الجملہ ان دونوں قسم کے علوم کی حقیقت اور ان کے ثمرات اور غرض و غایت سے بحث کی جائے اور فلسفہ و سائنس کے مسلمات ہی سے علوم مذہبی اور روحانی کی فضیلت اور فوقیت ثابت کی جائے۔ اس موضوع بحث کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ جو لوگ علوم و فلسفہ و سائنس پر ایمان لانے کی وجہ سے روحانیت اور مذہب آسمانی سے بے عقیدہ یا بدظن ہو رہے ہیں وہ ان علوم کی کم مائیگی اور خامی پر مطلع ہو کر مذہبی اور روحانی امور کے ساتھ حسنِ عقیدت اختیار کریں اور دین و مذہب ہی کو قبلہ مقصود اور کعبہ مطلوب بنائیں۔

(ابوا حمد)

چونکہ آیت و حدیث بالا میں مادیات و روحانیت کی طاقت و لطافت

اور انسان کی بے پناہ قوّت و تصرّف اور کائنات میں اس کے عظیم الشان مقام کی طرف اشارات ہیں اس لیے ان چیزوں کی باہمی نسبت اور تفاوت کا بیان اور ان کی تشریحات کی جاتی ہے ۔

تشریحات : حدیث کے شروع میں اولاً ملائکہ کے سوال پر عناصر اربعہ کا ترتیب سے تذکرہ فرمایا گیا ہے جو عالم کا مادہ اور اس کے موالید ثلاثہ کی اصل ہے جن سے یہ دنیا بنائی گئی، اور پھر ان عناصر کے شدّت و ضعف کے باہمی مراتب کو بیان فرمایا گیا ہے ۔ مثلاً مٹی سب سے زیادہ ضعیف ہے اور اس سے قوی پتھر، لوہا ہے جو اجزاء ارضیہ سے ہیں، پھر اس سے اشد آگ ہے، اس سے اشد پانی اور اس سے اشد ہوا ہے، اور اسی ترتیب سے یہ عناصر ایک دوسرے سے لطیف بھی ہیں ۔ پھر ان مادی عناصر سے منتقل ہو کر ان کے مرکب موالید کی طرف توجّہ فرماتے ہوئے موالید کے اعلیٰ ترین جزو انسان کی طرف توجہ فرمائی اور بتلایا کہ ان سب سے زیادہ اقوی اور اشد انسان ہے کہ جس کے اشاروں پر تمام مادیات اور سارے ہی موالید ناچ رہے ہیں ان کی تمام طاقتیں اس کے پنجہ تصرف و تسخیر میں قید ہیں، پھر ان مادیات سے منتقل ہو کر روحانیات کی طرف حدیث مبارک کا رخ ہوا ۔ بتلایا کہ ابن آدم علی الاطلاق اشد اور اقوی نہیں، بلکہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ روحانی بنے اور مادی نہ رہے بلکہ مادیات کو ترک کرتا ہو جس کا بیان تَصَدَّقَ صَدَقَةً الخ میں فرمایا گیا ہے، کیونکہ صدقہ ہی ترک ماسوا یا

ترک مادیات کا نام ہے۔

۱۸۔ سائنس اور اسلام کا موضوع

سائنس کا موضوع یہ عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ ہیں، کیونکہ سائنس کی تمام رنگ برنگ تعمیریں درحقیقت انہی چاروں عناصر اور عمل موالید ثلاثہ سے باہر نہیں۔ پس سائنس کا موضوع مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کرنا ہے۔

اور اسلام کا موضوع بالاصالۃ روحانی افعال ہیں، اور روح اصل ہے۔

حدیث ہی کی ترتیب بیان سے ثابت ہوا کہ قوت اور طاقت بقدر لطافت ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث نے ہر کثیف کو پہلے بیان کیا اور ہر لطیف کو اس کے بعد، اور پھر ہر پچھلے کو پہلے سے اشد و اقویٰ فرمایا۔۔۔ یہ ثابت ہو گیا کہ معیار شدّت و قوّت یہ وصف لطافت ہی ہے۔۔۔ اور اس کی ترتیب طبعی یہی ہوسکتی تھی کہ مٹی سے لطیف لوہا، لوہے سے لطیف آگ، آگ سے لطیف پانی، پانی سے لطیف ہوا، ہوا سے لطیف انسان۔ انسانوں سے لطیف وہ انسان جو تارک الدنیا ہو۔۔۔ اور سب سے لطیف وہ جو مخلص و زاہد بے ریا انسان ہو جس کا قلب مادیات کی محبت سے بالا اور روحانی لطافتوں کا محور ہو۔۔۔ اور مادی تصرفات کے بجائے روحانی اعمال اس کا شعار بن گئے ہوں۔۔۔ وہ انسان جو بدنوں کے پالنے میں منہمک نہ ہوں بلکہ روحوں کی تکمیل میں لگے ہوئے ہوں۔

۸۲ - انسان کی طاقت | اگر ان سارے عناصر اور ان کے تینوں موالید، اور موالید کی بھی بے انتہا شاخوں کو ایک طرف رکھ کر تنہا انسان کو ایک طرف رکھو تو نظر آتا ہے کہ انسان ان سبھی سے زیادہ اشدو اقوی اور ان پر غالب و متصرف ہے۔ یہ سب عناصر اپنی کارگزاری میں اس کے محتاج ہیں اور اس سے مغلوب ہیں ـــ لیکن وہ ان میں سے کسی کے زیرِ تصرّف اور کسی سے مغلوب نہیں ؀

عناصر کی باہمی اور نسبتی طاقت جو ایک دوسرے کے مقابل آنے سے کھلتی ہے اپنے جزئیاتی ظہور میں انسان کی محتاج ہے ؀

عناصر میں انسانی تصرّفات: پھر یہی نہیں کہ انسان ان کی باہمی نسبت کھول دینے ہی کا ایک ذریعہ ہے؟ نہیں! بلکہ ان کی یہ تمام طاقتیں بھی اسی کے پنجہ تصرف اور تسخیر میں قید ہیں ؀

پھر اس ظالم (ظلوم) انسان کو اسی پہ قناعت نہیں کہ عناصر کو باقی رکھ کر ہی ان سے کام لیتا رہے؟ نہیں! بلکہ اپنی ایجاد پسندی کے جذبات ہیں، انھیں فنا کر کرکے اور انھیں باہم لڑا لڑا کر بھی ان سے نئی نئی چیزیں عالم آشکارا کرتا رہتا ہے تاکہ کائنات کے دوسرے مدفنوں، خزانوں سے بھی اپنی غلامی کرائے ؀

۸۳ - انسانی طاقت کا راز اسکی روح میں مضمر ہے | ماننا پڑتا ہے

کہ انسان میں ان عناصر سے کہیں زیادہ طاقت موجود ہے جب ہی تو وہ ایک چھوٹے سے جثہ میں کم سے کم ہونے کے باوجود بھی عناصر کے مخزنوں اور موالید کے جتھوں پر بھاری ہو رہا ہے۔ ان میں غلبہ کے ساتھ ہر قسم کے تصرفات اور حاکمانہ کارروائیاں کرنے میں کسی سے مغلوب نہیں ــــ اور جب یہ مان لیا گیا تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں لطافت بھی عناصر سے کہیں زیادہ موجود ہے۔ کیونکہ یہ اصول ثابت ہو چکا ہے کہ طاقت درحقیقت لطافت ہی میں ہے کہ ــــ کثافت میں بجز ضعف و درماندگی کے اور کچھ نہیں پس انسان میں جب ہوا سے بھی زیادہ طاقت ہے جو الطف عناصر تھا تو ناگزیر ہے کہ اس میں لطافت بھی ہوا سے کہیں زیادہ ہو تاکہ وہ اس پر اپنی طاقت اور حکمرانی برقرار رکھ سکے۔

مگر ظاہر ہے کہ انسان کے ظاہر میں تو کوئی لطیف چیز محسوس نہیں ہوتی نہ وہ صیقل شدہ آئینہ یا صاف پانی کی سی چمک رکھتا ہے، نہ وہ خود ہی ایسا روشن ہے کہ فضا میں اس سے شعاعیں پھوٹتی ہوں اور روشنی نکلتی ہو، نہ وہ ہوا کی طرح غیر مرئی ہے ــــ پھر اس میں یہ لطافتوں کو زیر کر دینے کی لطافت آخر کہاں مخفی ہے ــــ ظاہر ہے کہ یہ لطافت اس کے بدن کی نہیں ہو سکتی کہ ــــ بدن تو اسی آگ، پانی ہوا، مٹی کا مجموعہ ہے ــــ اگر بالفرض اس میں کوئی طاقت مان بھی لی جائے تو تھوڑے مقدار عناصر سے

سارے جہان کے اس آگ پانی پر کہاں غلبہ حاصل کر سکتا تھا کہ یہ بدنی آگ پانی وغیرہ تو خود آفاقی عناصر سے لیا ہوا ایک قلیل سا جزو ہے ـــــ اس مشتِ خاک سے ساری کائنات آب و گل، کیونکہ مسخر ہو سکتی تھی ـــــ پس یہ تسخیر یقیناً اس کے بدن اور بدنی آب و آتش، یا ہوائی لطافتوں کا کام نہیں ہو سکتی ضروری ہے کہ یہ غلبہ پانے والی قوت و طاقت ایسی ہونی چاہیے جو لطیف تر عناصر سے بھی لطیف ترین ہو ـــــ وہ فقط انسان کے بدن پر ہی نہیں بلکہ جہان کے عناصر اربعہ پر غالب آ جائے ـــــ اور ظاہر ہے کہ بدن کو چھوڑ کر انسان میں " روح " کے سوا اور کون سی چیز ایسی ہو سکتی ہے جس کی یہ صفات ہوں ـــــ پس یہ تمام کرشمے روح ہی کے ہو سکتے ہیں۔ پس روح عناصر اربعہ ہی نہیں؟ تمام مادی عالموں سے بھی زیادہ لطیف چیز ہے ـــــ پھر روح کی یہ لطافتیں نہ صرف معنوی اور غیر مرئی ہی ہیں، بلکہ حسّی طور پر بھی اسی کی لطافتیں عالم آشکارا ہیں ـــــ خود عناصر میں جتنی اقسام کی لطافتیں تھیں اگر غور کرو تو وہ بھی سب کی سب روح میں جمع ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں، صرف اشارات کیے جاتے ہیں ـــــ انسان کی آنکھ کو روح نے ایسی چمک دی ہے کہ، جدھر اٹھ جاتی ہے ادھر کے تمام نقشے اور فوٹو و سینریاں اپنے اندر اتار لیتی ہے۔ کہ اس کے پیچھے حسِ مشترک میں اس کا پورا مصوّر علم قائم ہے ـــــ اگر آگ سے شعاع پھینکتے ہیں تو آنکھوں سے تار نگاہ منتشر

ہوتے ہیں جن سے یہ سب چیزیں دل کے سامنے روشن ہو جاتی ہیں جو ان کی حقیقت پر غور کر سکتا ہے ۔ پانی کی طرح بھی جسم کی رگ رگ میں سمائی ہوتی ہے حتیٰ کہ سخت سے سخت ہڈیاں بھی اس سے تازگی لیے ہوئے ہوتی ہیں ۔ مزید یہ کہ روح اپنے دوران سے اپنے محل کو زندہ کیے ہوئے ہوتی ہے ۔ ہوا اگر دکھلائی نہیں دیتی تو روح بھی اپنی لطافت لیے غایت سے آج تک نادیدہ ہے ، جیسے ہوا کا رنگ اور بو غیر محسوس ہے یا ہے ہی نہیں ایسے ہی روح بھی ان خواص سے بری ہے ۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ تجھ سے روح کے بارہ میں سوال کرتے ہیں

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ۔ کہدے کہ روح میرے رب کے امور سے ایک امر ہے

غرضیکہ عناصر کے سب کمالات روح میں موجود ہیں ۔ اگر عناصر کو حق تعالیٰ سے جزوی مناسبتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ قوی تھے تو روح کو بحیثیت مجموعی اس سے یہ ساری مناسبتیں قائم ہیں اور اس کو ذات بابرکات سے کلی مناسبت ہے ، بلکہ ایک جہت سے ایسی مماثلت بھی حاصل ہے کہ ـــ وہ اس کے مخصوص اوصاف و کمالات کے لیے بطور مثال پیش کی جا سکتی ہے ۔ . . . مثلاً اگر حق تعالیٰ غیر مرئی طریق پر تمام عالم کا قیوم و مدبّر ہے تو اسی طرح یہ روح کائنات بدن کی قیوم اور مربّی ہے ، وہ ذرا اپنی توجہ ہٹا لے تو کائنات بدن درہم برہم ہو جائے جیسا کہ

موت کے وقت ہو جاتا ہے ؎

تن زجان و جاں زتن مستور نیست ٭ لیک کس را دید جاں دستور نیست

پھر جس طرح حق تعالیٰ کے انوار ساری کائنات میں جلوہ افروز ہیں اور اس کے باوجود اسے آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ اسی طرح روح کے انوار بھی بدنی کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں، مگر باوجود اس ظہور تام کے روح آج تک نادیدہ ہے کہ خود اپنا نفس بھی اس کے دیدار سے محروم ہے

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار ؎
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادید ہے

پھر جس طرح ذات حق عالم سے متصل تو اتنی ہے کہ
اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب) اور وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے) وغیر ذالک من الآیات والاحادیث۔ اور پھر منفصل بھی اتنی کہ وراء الوراء ثم وراء الوراء، پرے سے پرے اور بہت پرے سے پرے ع

اے برتر از خیال و قیاس گمان و وہم

یعنی وہ ذات خیال، قیاس، گمان اور وہم سے بھی بلند تر ہے، اور ٹھیک اسی طرح روح بھی بدن سے متصل اتنی کہ کسی رگ کا کروڑواں حصہ

بھی اس سے الگ نہیں، ورنہ زندہ نہ رہے۔ اور دور اتنی کہ اس کی پاکیزگیاں بدن سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتیں۔ لطیف و کثیف میں کیا تناسب اور کیا رشتہ، کجا مشتِ خاک اور کجا سپہرِ پاک، چراغ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا۔

۴۸۔ صفاتِ روح سے الٰہیات پر استدلال ان مماثلتوں کے سبب جس طرح ہم تشبیہہ کے سلسلہ میں اِدھر سے اُدھر آئے۔ اِدھر سے اُدھر بھی جا سکتے ہیں۔ یعنی اپنی ہی روحانی کائنات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی یکتائی اور بے چونی پر استدلال بھی کر سکتے ہیں، اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح یہ ہماری بدنی کائنات بلا اس غیر مرئی مدبّر یعنی روح کے موجود اور باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح یہ ساری کائناتِ عالم بھی بلا کسی مدبّر حکیم کے موجود یا بقا پذیر نہیں ہو سکتی۔ پس روح کی بدولت وجودِ صانع پر ہمارے ہی اندر سے دلیل نکل آئی۔

پھر جس بدن میں ایک ہی روح تدبیرِ بدن کر سکتی ہے اگر دو ہوں تو کائناتِ بدن فاسد ہو جائے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک اچکن میں دو انسان نہیں سما سکتے۔ اسی طرح کائناتِ عالم میں ایک ہی واحد قیّوم اور حکیم و مدبّر کی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے ورنہ

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی

لَفَسَدَتَا ۔ اور اللہ تو زمین و آسمان فاسد ہو جائیں ٭

کا ظہور ہو جائیگا ۔ پس روح کے طفیل ہمارے ہی نفوس میں سے توحید صانع کی دلیل بھی پیدا ہو گئی ٭

پھر جس طرح بدن کے قعرِ تک میں گھس جانے سے روح کا کوئی کم و کیف کوئی لون و رنگ اور کوئی سمت و جہت نہیں دکھائی دے سکتی ۔ اسی طرح وہ ذات بابرکات بھی اس طرح بیچون و بے چگون اور سمت و سمات سے مبرا اور رنگ اور لون سے منزّہ ہے کہ ـــ رنگ برنگ کے جلوے تو اس سے ہیں، پر وہ ہر رنگ سے بری و بالا ہے ۔ پس روح کی بدولت اس کی شان تنزیہہ و تقدیس بھی ہمارے ہی اندر سے ہویدا ہو سکتی ہے ٭

پھر جس طرح روح بدن کے ذرہ ذرہ میں موجود اور بدن کی رگ رگ سے اس کا تعلق وابستہ ہے مگر تعلّقات کی شدت و ضعف کا یہ تفاوت بھی ناقابل انکار ہے کہ جو تعلّق قلب سے ہے وہ دماغ سے نہیں، جو دماغ سے ہے وہ کبد سے و معدہ سے نہیں اور جو ان سے ہے وہ عام جوارح بدن سے نہیں اسی لیے قلب و دماغ کی ادنیٰ ایذا یا توہین سے روح میں غصّہ و جوش پیدا ہو جاتا ہے، اور ان اعضاء رئیسہ پر ادنیٰ سی ضرب بھی پڑ جانے سے روح اپنی حیات کو سمیٹ لی جاتی ہے ۔ بخلاف عام اعضا کے کہ اگر ہاتھ پیر بھی کاٹ دیے جائیں تو کمال زندگی خواہ چھن جائے مگر نفس زندگی مسلوب نہیں ہوتی ۔

اسی طرح ذات بابرکات کا جلوہ جہانوں کی رگ رگ میں سمایا ہوا ہے۔ مگر مواضع کے تفاوت سے تعلق کی شدت وضعف میں بھی تفاوت بھی وہ ہے کہ جو تعلق اس کی ذات کو عرشِ اعظم سے ہے وہ اور مقامات سے نہیں کہ وہ مرکز استواء ہے۔ پھر جو تعلق بیت المعمور سے ہے اور سماوی مواضع سے نہیں کہ وہ قبلۂ ملائکہ ہے۔ پھر جو تعلق بیت اللہ و مسجد اقصیٰ یا حرم نبوی سے ہے وہ اور جگہوں سے نہیں، پھر عام مساجد و معابد سے جو ہے وہ اور مکانوں سے نہیں ہے اس لیے اگر ان پر کوئی توہینی حملہ یا جارحانہ اقدام ہو تو روح اعظم کا غضب بھڑک اٹھتا ہے . . . . حتیٰ کہ بیت اللہ کی اینٹیں اکھڑ جانے ہی پر اس عالم سے زندگی کھینچ لی جائے گی، پس روح کی بدولت ہم پر حق تعالیٰ کے تعلقات کی نوعیت بھی منکشف ہوگئی۔

پھر جس طرح ہر شخص اپنی روح کی پکار اور حقانی دعوت کو دل کے کانوں سے بے تکلف سنتا ہے اور اس کی نصیحتوں کو قلب کے واسطہ سے ادراک کرتا ہے لیکن پھر بھی اس کے کلام میں نہ لفظ ہیں نہ آواز، یہی شان حق تعالیٰ کے کلام کی بھی ہے کہ کلام بھی ہے اس میں حقائق بھی ہیں، اس میں سماع اسماع بھی ہے اور . . . . انبیاء علیہم السلام جو نوع انسانی میں مثل قلب کے ہیں اسے سنتے بھی ہیں پر نہ وہاں الفاظ کی حد بندیاں ہیں نہ الفاظ و تلفظ کی قیود، گو ظہور کے بعد مخلوق میں پہنچتے پہنچتے یہ ساری تحدیدات نمایاں ہو جائیں ـــــ

پس روح کی بدولت ہمیں ذاتِ حق کے کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی کا بھی فی الجملہ ادراک ہوا ۔

پھر تم اگر آنکھ بند کر لو تو روح کا دیکھنا بند نہیں ہوتا ۔ اور کان بند کر لو تو اس کے سننے میں فرق نہیں پڑتا ، بلکہ آنکھ کان بند کر کے تصور کے لا محدود عالم میں یہی روح دیکھنے کی چیزوں اور سننے کی چیزوں کو زیادہ بے تکلفی سے دیکھتی اور بے غائلہ سنتی ہے ، حالانکہ نہ آواز روح سے ٹکرائی نہ کسی صورت کا رنگ اور جسم اس کے پاس پھٹک سکتا ہے ۔ ٹھیک اسی طرح وہ ذاتِ بے چون و بے چگون ہر چیز کو سنتی اور دیکھتی ہے ، مگر نہ وہاں رنگ و روپ اور مادیت کو قرب نصیب ہوتا ہے ، اور نہ آوازوں کے لیے نغمے ہی اس کی سمع سے ٹکر کھاتے ہیں ــــ پس اپنی ہی روح کی بدولت ہمیں اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر کی بے کیفی اور بے چونی کا بھی ایک گونہ اندازہ ہوا ۔

اسی طرح جب ہم اس پر نظر کریں کہ بدن کی حیات تو روح کی زندگی سے قائم ہے ، مگر روح کے لیے کسی اور روح کی حاجت نہیں ، وہ خود اپنے ہی معدنِ حیات کی ایک موج ہے تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ــــ عالموں کی زندگی تو ذاتِ بابرکات کی حیات سے قائم ہے ۔ اور خود اس کی حیات کے لیے کسی اور ذات کی حاجت نہیں ، بلکہ وہ اپنی ذاتی حیات سے حیّ ہے جس میں کوئی فرق نہیں آسکتا ، اور اس طرح ہم پر اللہ کی صفتِ حیات کے

ذاتی اور خانہ زاد ہونے کا اندازہ بھی اپنے ہی اندر سے ہو گیا ۔

بہرحال روح کی ذات با برکات سے مناسبتیں ہی نہیں بلکہ فی الجملہ مماثلتیں حاصل ہیں، جس سے حق تعالیٰ کے لامحدود کمالات کی مثالیں ہمارے نفوس میں بہم پہنچ گئی ہیں، اور ہم اپنے اندر ہی سب کچھ عیاناً دیکھنے پر قادر ہو گئے، اس لیے روح کی اس سے زیادہ جامع تعریف اور کچھ نہیں ہو سکتی جو قرآن کریم نے فرما دی کہ

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ — کہدو روح میرے رب کے امر سے ہے ،

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا — تمھیں اس کا تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے ۔

غرض روح اس ساری تقریر سے ایک لطیفہ ربّانی ثابت ہو جاتی ہے اور جسم محض ایک کثیفۂ ظلمانی ۔ لیکن جب کہ یہ بدنی عناصر جو عالم خلق کی چیزیں ہیں اس روح سے تھوڑی سی مناسبت اور واجبی سا لگاؤ پیدا کر کے ایسے قوی ہو سکتے ہیں کہ ساری دنیا ان کی طاقت پر ناچنے لگتی ہے، تو خود روح جو عالم امر کی چیز ہے، اور اس کی مناسبت مع اللہ بلکہ مماثلہ کی گہرائیوں کی کوئی حد ہی نہیں، اللہ جل ذکرہ سے اس قوی مناسبت و مماثلہ کی بدولت کیا کچھ قوی اور غالب و مسلط نہ ہو گی ۔ اگر ڈھنگ سے اس کی قوتوں کو استعمال کیا جائے تو کیا پھر یہ کائنات اس کا تحمل بھی کر سکے گی؟

پس انسان اگر آگ پانی، اور مٹی سے کہیں زیادہ قوی ہے تو وہ بدن

کی بدولت نہیں کہ بدن تو وہی آگ پانی کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ یہ بیچارہ قلیل و حقیر بدن اپنے عظیم و کثیر مخزن پر کیا غالب آسکتا ہے — بلکہ انسان کی یہ غیر معمولی قوت، اور قوت کی یہ غیر معمولی کرشمہ آرائیاں درحقیقت اس کی روح کی بدولت نمایاں ہو رہی ہیں کہ روح کی لطافتوں کی کوئی حد نہیں، اور وہ مجموعہ لطافت سفلی و علوی ہے۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ روح تمام مادیات اور تمام عناصر سے اقوی اور اشد ہے۔ پس جہاں ذات بابرکات حق نے عالم آفاق میں اپنی مثالیں رکھی تھیں، تاکہ اس کے کمالات ظاہرہ اور آیات بیّنہ کا کسی حد ادراک و احساس ہو سکے — اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زائد اپنی مخصوص مثالیں ہمارے انفس میں رکھ دیں تاکہ اس کی شئون باطنیہ اور کمالات بطون در بطون تک ہم بقدر استعداد کچھ رسائی پا سکیں۔ قرآن میں ہے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔	ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں دکھلائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ حق ہے، کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔

حدیث میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ، یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

۸۵۔ روحانی طاقتوں کے محیّر العقول کارنامے

جب مادی سائنس کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں جو دیکھنے میں بدن اور بدنی عناصر سے نمایاں ہو رہی ہیں، تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ ـــــ روح انسانی جب ان کی لطافتوں کی جامع ہی نہیں بلکہ ان سے ہزار ہا گنا بڑھ چڑھ کر لطافتوں کا ایک عظیم و عمیق خزانہ اپنے اندر رکھتی ہے اور انھیں لطافتوں کے سبب اس مالک الملک کی ذات پاک سے مناسبت تامہ رکھتی ہے جو اپنے کسی کام میں علل و اسباب اور وسائل کا محتاج نہیں بلکہ وسائل ہی اپنے وجود میں اس کے محتاج ہیں ـــــ تو ضروری ہے کہ روح انسانی کی شان بھی ایسی ہو کہ وہ اپنے کاروبار میں لمحہ کے لیے بھی ان مادی وسائل کی محتاج نہ ہو ـــــ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بجلی تو پل بھر میں آسمانوں پر چڑھ جائے ـــــ اور جو روح بجلی کو مسخر کرنے کی طاقت رکھے وہ زمین سے ایک انچ بھی بجلی کی مدد بغیر اوپر کو نہ اٹھ سکے؟ کیا وجہ ہے کہ ایک انجن تو اپنی آگ پانی کی اندرونی طاقت سے مشرق و مغرب کو ایک کر ڈالے، اور جو انسان خود انجنوں میں یہ طاقت مہیا کرنے کی قدرت رکھتا ہے، وہ ایسی سریعانہ حرکتوں میں ایک قدم بھی نہ ہلا سکے ـ پھر کیا وجہ ہے کہ تار اور ٹیلیفون کی برقی رو تو ہزارہا میل کی خبریں منٹوں میں لے آئے اور وہ انسان جو مشینریوں میں خود بجلی کی روح پھونکتا ہے ایک میل بھی از خود اپنی آواز نہ پہنچا سکے۔

بہرحال اگر مادیات سے ایسے عجائبات کا ظہور ہو سکتا ہے وہ بھی بطفیل روح تو خود روح اور روحانیت سے تو ایسے ہی نہیں بلکہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر عجائبات کا کارخانہ کھل جانا چاہیے تھا؛ تاکہ اس غیر محتاج روح کے استغنا و غیرت کا پورا پورا ظہور ہو سکتا، ورنہ یہ کیسی الٹی بات ہے کہ مستغیر تو طاقت ور اور مالک اس کا کلیۃً ضعیف و لاچار، غلام تو حکمران اور بادشاہ مجبور و بے بس ؛

بہرحال روحانی طاقتوں کے محیر العقول کارناموں کو کوئی خیالی بات یا محض کوئی علمی نظریہ نہ سمجھیں بلکہ حقیقتہً روح جب بھی اپنی اصل فطرت پر چلی ہے، تو اس سے بلاواسطہ اسباب ایسے ہی عجائبات کا ظہور ہوا ہے، اور اس نے مادوں سے اپنی غلامی کرا کر انھیں اپنی روحانیت کے بل بوتہ پر خوب خوب نچایا ہے ؛

(۱) فاروق اعظم رضؓ نے ممبر نبوی پر خطبہ پڑھتے ہوئے اچانک " یاساریۃ الجبل " کی صدا مدینہ سے نہاوند کی پہاڑیوں تک عراق میں پہنچا دی۔ حالانکہ اس وقت تک لاسلکی کا خواب بھی کسی کو نہ آیا تھا ؛

(۲) ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان حج کی ندا دی تو وہ عالم کے گوشہ گوشہ ہی میں نہیں بلکہ ماؤں کے رحموں میں چھپے بچوں کے بھی کانوں میں گونج گئی۔ حالانکہ وہ کسی مکبر الصوت آلہ کے ذریعہ نہیں دی گئی تھی ؛

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے ایک نئے دروازہ کے کھلنے کا تڑاکا زمین پر بیٹھے بیٹھے سن لیا جو یقیناً کسی برقی آلہ کے ذریعہ نہیں سنا گیا تھا۔

(۴) آپ نے جہنم کے قعر میں ایک پتھر کے گرنے کا دھماکہ دنیا ہی میں سن لیا جو ستر برس میں اس کی تہہ تک پہنچا تھا، حالانکہ یہاں کوئی بھی حسی اور مادی آلہ صوت استعمال میں نہیں لایا گیا۔

(۵) حضور نے حارث ابن ابی حزار کے فدیہ کے اونٹ اور لونڈیاں معہ تعداد اس کے بتلانے سے پیشتر ہی بتلا دیں۔ حالانکہ وائرلیس کے ذریعہ بعید کی خبریں دینے کی کوئی بھی ایجاد اس وقت تک نہ ہوئی تھی۔

(۶) آپ نے وحی الٰہی سے پتہ دیا کہ کسی بشر کی زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکلتا کہ وہ محفوظ کر لیا جاتا ہو۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ — وہ منہ سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے
رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۔ (پ ۲۶ ع ۱۲) — پاس ایک ہوشیار محافظ ہوتا ہے۔

حالانکہ اس وقت ریڈیو کی برقی لہروں کے ذریعہ جو کی آوازیں جذب کرنے والوں اور ان کے نظریوں کا کوئی نشان بھی نہ تھا۔

(۷) حضور نے مکہ کے حرم میں بیٹھے ہوئے مسجد اقصیٰ کی محرابیں اور طاق تک دیکھ کر گن دیے، حالانکہ اس وقت تک دوربین کی کوئی ایجاد

کسی کے حاشیئے خیال میں بھی نہ تھی ؛

(۸) حضورؐ نے غزوہ موتہ کے پورے نقشہ جنگ کا مسجد نبوی کے ممبر ہی پر سے معاینہ فرما کر حاضرین کو پتہ دے دیا، حالانکہ وہاں آج کے آلات خبر رسانی کی کوئی بود و نمود نہ تھی ؛

(۹) اس کے آگے بڑھ کر صلوٰۃ خسوف میں انہی عرب کی وادیوں میں آپؐ نے جنّت و نار کا مشاہدہ فرمایا ؛

(۱۰) عرفات کے میدان میں شیطان کو ویل و ثبور کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ یوم بدر میں ملائکہ مسوّمین کی فوجوں کے پرے مشاہدہ فرما لیے، اور ایک شب تار میں غیبی حقائق یعنی فتن و آلام کے نزول تک کا معاینہ فرمایا دراں حالیکہ وہاں مادی شیشوں کی کوئی دوربین درمیان میں نہ تھی!

(۱۱) حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت سلیمانی پر فضا میں پروازیں کیں اور ہوائیں ان کے اشاروں پر چلیں، حالانکہ آج کے ہوائی جہازوں کی ساخت کی طرف اس وقت کوئی ادنیٰ التفات بھی کسی کے ذہن میں نہ تھا ؛

(۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف فضائے آسمانی بلکہ ساتوں ہی آسمانوں کا سفر لمحوں میں طے فرما لیا۔ حالانکہ وہاں کسی پٹرولی طیارہ کا واسطہ اس سیر میں نہ تھا، کہ طیّارہ کا یہ تخیّل بھی کسی کے ذہن میں نہ تھا، اور طیّارے ہوتے بھی تو انھیں آسمانی سیر سے کیا علاقہ ہوتا۔ اس طرح کہ ہزارہا واقعات اور

بطون تاریخ میں منضبط ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ روحانی قوتوں کے مالک مادوں کے غلام کبھی نہیں ہوئے۔ بلکہ مادیات ہی نے خود اُن کے اشارۂ خم ابرو پر ہمیشہ کام کیا اور ان کی غلامی کی ؛

(۱۳) سلیمان علیہ السلام کے مصاحب کا سکنڈوں میں تخت بلقیس کو حاضر کر دینا ؛

خلاصہ یہ ہے کہ روح کی اصلی شان استغنا ہے کہ وہ اپنے منبع وجود ذات حق سے وابستہ رہ کر اور اسی کے ساتھ اپنی مناسبتوں اور مماثلتوں کو بحال رکھ کر اپنے کسی فعل میں بھی ان مادیات کی جو اس سے بدرجہا کمتر ہیں، محتاج نہ ہو، جیسا کہ اس کی فطری لطافتوں کا تقاضا ہے (اور جس کی متعدد مثالیں انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات و خوارق سے پیش کی گئیں) جن میں ایک لمحہ کے لیے بھی مادیات سے کوئی مدد نہیں لی گئی، بلکہ وہ محض روحانی آثار کے مظاہرے ہیں جن میں مادیات کو روحانیت کے سامنے جھکنا پڑا ہے ؛

بہر حال اگر انسان کی انسانیت ان عناصر سے بدرجہا افضل ہے اور ضرور ہے۔ اور اگر وہ عناصر کے تینوں مو الید میں اعلیٰ و اشرف ترین نوع ہے اور بلا شبہ ہے۔ تو اس کا مابہ الفخر یا مابہ الامتیاز کمال وہ نہیں ہو سکتا جو اس سے ارذل ترین اشیا سے بھی سرزد ہو سکتا ہو، خصوصاً جب کہ روح کے بہ تصرفات

بھی ان مادیات ہی کے واسطہ سے ہوں، گویا روح ان کی وساطت کے بغیر اس تصرّف پر بھی قادر نہ ہو تو پھر روح کے لیے یہ بے کمال ہی نہیں بلکہ ایک کھلا ہوا عیب ہوگا کہ اپنے سے ارذل ترین اشیاء کی محتاج بن جائے اور ان سے کمال ڈھونڈنے لگے، کیونکہ کامل کے لیے عیب استکمال بالغیر ہے، جب وہ اس سے ارذل اور کمتر ہو۔ ہاں اپنے سے برتر سے استکمال کرنا بہترین ہنر ہے، کیونکہ بلا استکمال یا بغیر اپنی ذات سے خود بخود باکمال ہونا صرف ایک ذات بابرکات حق کی ہی شان ہو سکتی ہے، جو ہر عیب سے منزہ اور ہر کمال کا منبع و مخزن — مخلوق کسی حال میں بھی بے عیب محض نہیں ہو سکتی اور بھی کچھ نہیں تو مخلوقیت کا عیب تو اس سے ہٹ نہیں سکتا، جس کی حقیقت عدم اصلی نکلتا ہے، اور جب کہ مخلوق ذات کے درجہ میں معدوم نکلی تو ناگزیر ہے کہ درجۂ ذات میں کمالات سے عاری بھی ہو کہ عدم ہی تمام نقائص و عیوب کا منبع ہے، اور ظاہر ہے کہ پھر اس عیب دار کے باکمال بننے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ وہ اسی منبعِ وجود ذات (یعنی حق جلّ مجدہٗ) کی طرف رجوع کر کے استکمال کرے جو کمالات کا مخزن اور عیوب سے مبرا ہے نہ یہ کہ حصول کمال کے لیے اپنے سے ارذل ترین چیز (مادہ) کی طرف جھکنے لگے کہ مادیت انسان کے لیے نہ مابہ الشرف ہے نہ مابہ الفخر، کیونکہ مادیت تو اس کی بھی وہی ہے جو گدھے اور بیل کی ہے۔ اس لیے واضح ہے کہ اگر حصول کمال کے لیے

اپنے بدن یا مادیت کی طرف جو مجموعہ عناصر ہے رجوع کرے، گویا آگ، پانی مٹی سے کمال کا جویا ہوا تو وہ استکمال نہیں، بلکہ ازالۂ کمال اور استحصال نقص ہے جو خود ایک بدترین اور شرمناک عیب ہے ـــ

پس اگر سائنس کی حقیقت یہی ہے انسان مادہ کے ذریعہ مادوں میں تصرفات کرنے پر قادر ہو جائے، تو اس صورت میں انسان آگ پانی کے گھروندہ سے باہر نہیں نکلتا کہ اُسے حقیقی انسانیت کا حامل کہا جائے بلکہ ایک ناقص اور عیب دار انسان ثابت ہوتا ہے جس کا عیب بھی حد سے گزر کر شرمناک ہو ورنہ کم سے کم کوئی ایسا ہنر تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا جس سے انسانیت کی کوئی امتیازی شان ہویدا ہوتی ہو۔

۸۶۔ عناصر اربعہ کی محتاجانہ خاصیتیں

اب یہ معمہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ اس چو رنگ مادہ میں یہ ذاتی محتاجگی کیوں ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ ہر چیز کی خیر و شر اس کے اخلاق سے پھوٹتی ہے ۔ اس مادہ کے جبلی و طبعی اخلاق میں سراپا احتیاج اور غلامی ہیں، اس لیے انسانی نفس جس حد تک بھی مادہ اور مادیات کا شغل قائم رکھے گا اسی حد تک محتاجگی اور غلامی کا اکتساب کرتا رہے گا۔ چونکہ انسان کے نفس امارہ کا نشو و نما اور امتزاج انھیں عناصر اربعہ سے ہے۔ اس لیے وہ انسان کو پستی و دنائت اور محتاجگی کی طرف لے چلتا ہے جو در حقیقت عناصر کی طبعی اور خاموش

رہنمائی ہوتی ہے۔ اگر انسانیت پہ روحانیت کا نور فائز نہ کیا جائے یا وہ اپنی روحانیت کی پناہ میں نہ آئے تو یہ چورنگ مادہ اور اس کے جبلی اخلاق ایک لمحہ کے لیے بھی اسے محتاجگی اور بے بسی کی دلدل سے نہیں نکلنے دے سکتے کہ مادہ کی خلقت و جبلّت ہی بے بسی اور محتاجگی ہے ⁵

۸۷۔ مٹی کے اخلاق مٹی کی جبلّی اور بنیادی حسّی خاصیت پستی اور تسفّل ہے، اور معنوی یا اخلاقی خاصیت قبض اور بخل ہے۔ چنانچہ جو چیز بھی زمین میں رکھ دی جائے وہ اسے دبائے گی جب تک آپ اس کا جگر چاک کر کے خود ہی نہ نکالیں نہ دے گی ۔ ۔ ۔ ۔ نہ معلوم کس قدر خزانے اور کتنے دفینے اس نے اپنے بطنِ حرصی و آز میں چھپا رکھے ہیں۔

آپ اس کی کشت زار کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑیں کہ زمین تو بڑی فیاض ہے، ایک کے سو کر کے دیتی ہے، کیونکہ دانہ آپ کا ہے باہر سے زمین میں ڈالا گیا ہے پھر اس کو محفوظ رکھنے، بڑھانے، نکالنے کے سامان بھی آپ ہی کی طرف سے ہیں۔ اگر پانی نہ دیا جائے تو زمین اصل بیج کو بھی سوخت کر دیتی ہے ۔۔ پس پانی دینا درحقیقت بیج کو باقی رکھنا بڑھانا اور بڑھا کر اس میں سے دوسرا

---

۵ یہاں شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر روحانیت طاقت کا کوئی وجود ہے تو اس زمانہ میں ظاہر کیوں نہیں ہوئی اور نیز انبیائے کرام وغیرہم نے صرف روحانی طاقت کو ہی استعمال کر کے دنیا کی اصلاح کیوں نہ کی وغیرہ وغیرہ؟ اس قسم کے شبہات کے مسکت جوابات ہیں۔ یہاں ان کے پیش کرنے کی گنجائش نہیں ۱۲

دانہ کھینچ لیتا ہے۔ زمین نے نہ از خود بیج کو بڑھایا اور نہ دیا بلکہ پانی کاشتکر بھیج کر آپ نے جبراً اس سے راس المال مع سود کے حاصل کر لیا اور زمین کا ذاتی خاصہ قبض و بخل بحالہٖ ثابت شدہ رہا۔ پس یہی قابض اور بخیل مادہ انسان کا جزو اعظم ہے اس کے نفس میں پہلا خلق یہی قبض اور بخل کا سرایت کرتا ہے۔ پس جبلی طور پر اس کی طبیعت سخا اور ایثار کی طرف نہیں جاتی۔ اور قبض و بخل کا منشا حرص و طمع ہے جو محتاجگی اور غلامی پیدا کرتے ہیں . . . . اس لیے بخیل کے اوّل و آخر محتاجگی اور غلامی نکلتی ہے ؀

۸۸۔ آگ کے جبلی اخلاق اس کی طبعی خاصیت و جبلت ترفع ہے کہ سر نیچا نہیں کرتی مصلحت سے بھی نہیں دبتی گویا آگ خاک کی ضد ہے کہ وہ ہمہ تن پستی اور یہ سرتاپا تعلی۔ ناری شیطان نے یہی کہہ کر آدم علیہ السلام کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا تھا کہ

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ۔ — آپ نے مجھے نار سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے ۔

ظاہر ہے کہ انسان میں آگ کا بھی ایک کافی حصہ رکھا گیا ہے، بدنی حرارت، بخار کا ہیجان وغیرہ اس لیے اس میں جبلی طور پر وہی ترفع اور تعلی شیخی اور انانیت کا جذبہ ابھرتا ہے، جو حقیقت میں ناری اثر ہے۔ چنانچہ تعلی اور شیخی سے مغلوب ہو کر جب انسان میں جوشِ غضب اور غصّہ کی لہر

دوڑ جاتی ہے، اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور چہرہ پر آگ کی سی سرخی آجاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص آگ بگولا ہو گیا، یا اس میں غصہ کی آگ بھڑک اٹھی۔

بہرحال انسان کا یہ ترفع و تعلّی اور انانیت درحقیقت وہی ناری خلق ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ تعلّی و تفاخر کے لیے بعد میں مدارات اور تملّق بھی لازمی ہے تاکہ دوسروں کا خیال بدلنے نہ پائے، اور یہ ترفع کا بھوکا ان کی نظروں میں سبک نہ ہونے پائے ——— پس یہ خلق بھی ایک انسان کو ہزارہا انسانوں کا محتاج بناتا ہے۔ اس سے زیادہ ذلّت آمیز اور احتیاج خیز خلق اور کونسا ہوگا۔ لہٰذا ترفع کا حاصل محتاجگی اور غلامی نکل آیا۔ حاصل یہ نکلا کہ آگ بھی اپنی جبلت سے محتاجگی کا ثمرہ پیدا کرتی ہے نہ کہ غنا کا۔

۸۹۔ ہوا کے اخلاق اس میں انتشار اور پھیلاؤ کی خاصیت ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہونے اور ہر جگہ گھسنے پھرنے کا جبلۃً تقاضا کرتی ہے۔ انسان میں ہوائی جزو بھی ہے۔ پس ہوائے شہرت انسان میں اسی ہوائی جزو کا اثر ہے۔ غور کرو تو اس شہرت پسندی کے خلق کا حاصل بھی وہی محتاجگی ہے، کیونکہ وہ انسانوں میں اپنی ہوا بندی اور پروپیگنڈے و چرچے کا محتاج ہے۔ شہرت پسندی بھی کوئی عزت آفریں خلق نہیں۔ پس ہوا کے خلق کا حاصل بھی وہی محتاجگی اور جگہ جگہ مارے مارے پھرنا نکل آیا۔

۹۰۔ پانی کے جبلّی اخلاق اسی طرح پانی کو لو تو اس کا طبعی فعل ہے

نہ رُکنا اور ضبط میں نہ رہنا، یعنی اس میں اعتماد علی النفس کا نشان نہیں، وہ اپنے نفس کو خود نہیں روک سکتا۔ جہاں بند ٹوٹا یا برتن پھوٹا وہیں بکھرا اور بہہ پڑا ۔ اور جہاں ذرا نشیب یا کسی نے زمین کھود ڈالی اپنا مستقر چھوڑ کر ادھر جانا شروع ہو جاتا ہے ۔ انسان میں بھی چونکہ پانی کا جزو موجود ہے جیسے تھوک، سنک، بلغم، پیشاب وغیرہ۔ اس لیے اس میں بھی ضبط کا پیدائشی طور پر نشان نہیں ہوتا۔ کسی کی اچھی چیز دیکھی بکھر پڑے۔ کوئی قبول صورت چیز نظر پڑ گئی وہیں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے، کوئی اچھی عمارت دیکھ لی تو للچائی ہوئی نظروں سے کہنے لگ گئے کہ کاش یہ بلڈنگ ہماری ہوتی ؎

بہرحال اس جزو کا حاصل بھی وہی احتیاج اور بے بسی اور غلامی ہے ؎

۹۱۔ رذائل نفس کے چار اصول

پس اس طرح ان مادی اخلاق یا رذائل نفس کے چار اصول نکل آتے ہیں۔ (۱) قبض و بخل (۲) تعلّی و ترفّع (۳) شہرت پسندی و انتشاریت (۴) عدم ضبط نفس یعنی حرص و ہوا ——— جو آدمی کو سراپا احتیاج و غلامی بنا دیتے ہیں ؎

۹۲۔ فضائل نفس کے چار اصول

پھر یہیں سے استغنا و خودداری کے اصول پر روشنی پڑتی ہے ——— جو ان مذکورہ اخلاق چارگانہ کی ضد ہی ہو سکتے ہیں ——— چنانچہ قبض و بخل کی ضد سخا و ایثار ہے۔ کبر و نخوت کی ضد تواضع و فروتنی ہے ——— شہرت پسندی اور نام آوری کی ضد اخفا و تستر ہے ———

حرص ہوا اور بکھیر پڑنے کی ضد ضبط نفس اور قناعت ہے۔ اور جب کہ یہ چارگانہ اضداد مادہ کے چارگانہ اخلاق کی ضدیں ہیں تو یقیناً انھیں مادی اخلاق بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس روح کے روحانی اخلاق شمار کیے جائیں گے جو مادہ کی ضد ہے، اور اس طرح اگر مادہ کے جوہر میں سے رذائل نفس کے چار اصول نکلتے تھے۔ تو روح کے جوہر میں فضائل نفس کے بھی چار ہی اصول نکل آئے۔ (۱) ایثار (۲) تواضع (۳) اخفا (۴) قناعت ؛

۹۳۔ مظاہر اخلاق ہشت گانہ

مادی اخلاق کا مظہر فعل امساک ہے

مادی اخلاق کے آثار کا حاصل غور کرنے کے بعد بجز خود غرضی اور خود طلبی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ بخل ہو یا حرص، شہرت پسندی ہو یا تعلّی۔ سب کی بنیاد نفس کی اس خواہش پر ہے کہ، مال و جاہ سب کا سب ساری دنیا سے کٹ کر تنہا اسی کے دامنِ ہوس میں سمٹ آئے۔ گویا ہر چیز کو اپنے لیے مختص کر لینا ان نفسانی اخلاق کا مقتضا ہے۔ پس ان سب اخلاق میں کسی نہ کسی جہت سے اوروں سے رکاوٹ اور اپنا اختصاص کارفرما رہتا ہے اور ان اخلاق کے طبعی آثار کو جو فعل بطور قدر مشترک کے کھولتا ہے۔ وہ امساک ہے۔ بخل و حرص میں یہ امساک مالی ہوتا ہے۔ اور تعلّی و نام آوری میں امساک جاہی مگر حبِ جاہ یا حبِ مال دونوں کا مظاہرہ اس فعل امساک

ہی سے ہوتا ہے ۔ گویا ان اخلاق کے طبعی آثار خود غرضی و محتاجی بغیر فعل امساک کے نمایاں نہیں ہو سکتے ۔

۹۴ ۔ روحانی اخلاق مظہر فعل انفاق ہے

روحانی اخلاق

چونکہ مادی اخلاق کی ضد ہیں ۔ اس لیے ان کے طبعی اثرات اور ان کو ظاہر کرنے والے افعال بھی مذکورہ افعال کی ضد ہی ہو سکتے ہیں ۔

چنانچہ جیسے مادی اخلاق کا اثر خود غرض تھا ، روحانی اخلاق کا اثر بے غرضی ہے ۔ چنانچہ ایثار و تواضع ہو ، یا اخفا و قناعت ان میں سے کسی ایک خلق کی بنیاد بھی نفس کی اس خود غرضانہ خواہش پر نہیں ہے کہ سب کچھ تنہا اسی کو مل جائے بلکہ اس پر ہے کہ ـــ اپنا واجبی حق بھی دوسروں کے لیے چھوڑ دیا جائے ۔ چنانچہ سخاوت میں اپنی چیز دوسروں کو دی جاتی ہے ۔ قناعت میں دوسروں کی چیز انھیں کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے ـــ تواضع میں اپنی عزت دوسروں پر نثار کی جاتی ہے ـــ اور اخفا سے دوسروں کی عزت کے لیے پورا میدان دے دیا جاتا ہے ۔

غرض ان تمام اخلاق کی بنیاد دوسروں سے روکنے یا چھیننے پر نہیں بلکہ دوسروں کو دینے اور عطا و نوال پر ہے ۔ اس لیے واضح ہوتا ہے کہ جو فعل ان روحانی اخلاق کے طبعی آثار کو کھولتا ہے وہ فعل امساک نہیں بلکہ اس کی ضد انفاق ہو سکتا ہے ۔ سخاوت و قناعت میں یہ انفاق مالی ہوتا ہے ، اور

تواضع و اخفا میں انفاق جاہی مگر استغناء مالی ہو یا استغناء جاہی بغیر فعلِ انفاق
کے کھل نہیں سکتا۔ اور یہ ایک مشاہدہ ہے کہ جاہ و مال سے یہ بے نیازی ایک
طرف تو غیروں سے بنا دیتی ہے اور دوسری طرف اپنے میں بے غرضی مستحکم کر
دیتی ہے جس سے وسعتِ صدر اور فراخ دلی کا پیدا ہو جانا ایک قدرتی امر
ہے۔ اس لیے ان روحانی اخلاق کا اثر وسعتِ حوصلہ استغناء وقار خودداری
و بے نیازی اور بے احتیاجی نکلتا ہے جس کے ظہور کا ذریعہ انفاق ثابت ہوتا
ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس انفاق ہی کا نام صدقہ ہے جس کے معنی جان
و مال و آبرو اور قول و عمل کو مالک الملک کے لیے دینے اور خرچ کرنے کے
ہیں۔ اس کا دوسرا نام مجاہدہ بھی ہے۔۔ اس لیے خلاصہ یہ نکلا کہ طبعی امساک
کے ذریعہ انسان جو محتاجگی اور تنگی قائم ہوتی ہے، اس کے مٹانے اور اس کی
جگہ استغناء و خودداری کی دولت جاگزین کرنے کا ذریعہ صرف صدقہ و مجاہدہ
اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

۹۵۔ صدقہ سے غنا کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

ایک صدقہ دینے والا جب اپنے محبوب مال و متاع کو اپنے سے کھو دیتا ہے تو ظاہر
ہے کہ اس نے قبض و بخل کی تو جڑ کاٹ دی جو ارضی خلق تھا۔۔ پس اسی صدقہ
و انفاق کے ذریعہ حرص کا بھی خاتمہ ہو گیا، جو آبی خلق تھا اور اس طرح استغنا
کا ایک دوسرا مقام اور طے ہو گیا۔۔ پھر جبکہ یہ صدقہ اخفا کے ساتھ کیا گیا

جس میں نام وغیرہ کی کوئی خواہش نہیں ہو سکتی، تو اس سے شہرت پسندی و نام آوری کی جڑ کٹ گئی جو ہوائی خلق تھا۔ اس سے استغنا کا ایک اور مقام میسّر ہوگیا ۔ پھر اس اخفائے صدقہ سے تعلّی و ترفع کی جڑ بھی کٹ گئی جو آتشی خلق تھا۔ اور اس طرح استغناء کا ایک چوتھا مقام میسّر آگیا ۔

۹۶ - مادیات سے استغناء ہی تعلق مع اللہ کی بنیاد ہے۔ الحاصل اس مادہ پرست اور مادی نفس کے دور ذیلے، بخل اور حرص تو نفس صدقہ ہی سے ختم ہو گئے تھے اور تین رذیلے، تعلّی، نام آوری اور خود بینی اخفاء صدقہ کی قید سے ختم ہو گئے . . . . تو اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان روحانی اخلاق کی بدولت جو اس نے صدقہ سے حاصل کیے، عالم میں کسی کا غلام نہ رہا اور اسے ہر چیز سے کامل آزادی اور حریت میسّر آگئی ۔ ظاہر ہے کہ جب ایک شخص بخیل نہ رہا سخی ہو گیا۔ حریص نہ رہا قانع ہو گیا ۔ شہرت پسند نہ رہا عزلت پسند ہو گیا، اسے لوگوں کی مدح و ذم کی پروا نہ رہی۔ شیخی پسند اور خود بین نہ رہا بلکہ خود گذار ہو گیا، اسے اپنے نفس کی بھی پروا نہ رہی ـــ اور یہ سب جانتے ہیں کہ ساری کائنات سے بے پروا ہو کر اب اس کا رشتہ نیاز کسی سے جڑ سکتا ہے تو صرف اسی خالق کائنات سے جس کی خاطر اس نے اپنا مال اپنی آبرو اور اپنا نفس سب کچھ تج دیا تھا۔ اور جس کے اخلاق سے اس نے یہ تخلق کیا۔ ان حالات سے مناسبت پیدا ہوئی تو اس غنی عن العالمین سے اور لگاؤ پیدا ہوا تو صرف اسی ذات بے نیاز

سے ہوا جو اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہیں بلکہ ہر چیز اپنے وجود و ظہور میں اسی کی دست نگر ہے۔

۹۷۔ اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق ہی سے روحانی عجائبات و خوارق کا ظہور ہوتا ہے

پس اس صورت میں ضروری ہے کہ ایسے تارک ماسوا اللہ سے غنا کامل کا ظہور ہو اور اس کے تصرفات بلا وسائل زمین تک ہی نہیں آسمانوں تک بھی پہنچنے لگیں اور اس کے ہاتھوں پر وہ سب کچھ ظاہر ہو جسے دنیا کے سارے فلسفی اور سائنسدان مل کر بھی ظاہر نہ کر سکیں، ورنہ کم سے کم غنا کا یہ درجہ تو اسے ضرور حاصل ہو جائے کہ علم یا اعتقاد کے درجہ میں تو وہ ان وسائل کو مؤثر حقیقی نہ سمجھے اور عمل کے درجہ میں ان وسائل وغیرہ کیساتھ کوئی شغف باقی نہ رہے، بلکہ عادت کے طور پر محض حیلہ کے درجہ میں بھی امر خداوندی سمجھ کر انھیں استعمال میں لاتا رہے۔
پہلا درجہ توکل و غنا کا اعلیٰ مقام ہے جس میں ترک اسباب پر پوری قدرت محسوس ہونے لگے۔ دوسرا درجہ ثانوی ہے، جس میں گو یہ قدرت نہ ہو مگر معرفت صحیح ہو جائے اور اختیار اسباب میں غلو و انہماک باقی نہ رہے۔

بہرحال اب پوری طرح کھل گیا کہ — مادہ میں بجز محتاجگی اور ذلت نفس پیدا کر دینے کے کوئی جوہر نہیں کہ اس کے اخلاق کی خاصیت ہی احتیاج و غلامی ہے جس کا ظہور بخل امساک سے ہوتا ہے۔ اور روح میں بجز عزت نفس پیدا کرنے کے دوسرا کوئی جذبہ موجود نہیں کہ اس کے اخلاق کی طبیعت استغنا و غنا ہے

منشا عزت و عظمت ہے، جس کا ظہور فعل الفاق سے ہوتا ہے، جسے صدقہ کہتے ہیں۔

بہر حال مادہ اور روح ان دونوں کے خواص و آثار میں تضاد کی نسبت ہے۔ روح ایک لطیفہ ربانی ہے اور جسم ایک کثیفہ ظلمانی۔ وہ مائل بعلو ہے، یہ مائل بہ سفل۔ وہ انسان کو عرشی بناتی ہے، یہ فرشی۔ وہ اسے سربلند کرتی ہے، یہ سرنگوں۔

۹۸۔ محض سائنس سے غنا پیدا نہیں ہو سکتا! اور جب کہ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ یہی مادی تصرفات جن سے احتیاج اور ذلت نفس کا ثمرہ پیدا ہوتا ہے۔ سائنس کا موضوع عمل ہیں ـــ اور یہی روحانی تصرفات یعنی صدقہ و مجاہدہ جن سے استغناء و عزت نفس کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام کا موضوع عمل ہیں تو یہ نتیجہ خود بخود نکل آیا کہ سائنس تو انجام کار انسان کو ذلت نفس اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور اسلام انجام کار اسے عزت و فلاح دارین کی طرف بڑھاتا ہے۔

پس یہ ہے سائنس اور اسلام کی ماہیتوں کا اجمالی خاکہ۔ جو عرض کیا گیا۔

۹۹ ۔ لطافت روح مذہبی بننے میں مضمر ہے

اور یہ سب جانتے ہیں کہ ربانی بننے کے طریقے اور روحانی شعائر برپا کرنے کے ڈھنگ سکھلانا مذہب کا موضوع ہے، نہ کہ سائنس کا۔ اسی حقیقت کو

دوسرے لفظوں میں یوں بھی ادا کر سکتے کہ لطیف تر اور قوی تر انسان وہی ہو سکتا ہے جو مذہبی ہو اور جس کا اوڑھنا اور بچھونا مذہب ہی مذہب ہو چکا ہو۔ اس لیے حدیث سے جہاں قوت و شدت کا معیار مستفاد ہوا کہ وہ لطافت ہے۔ وہاں حصول لطافت کا طریقہ بھی مستفاد ہوا کہ وہ مذہب ہے جو روحانیت کو مستحکم کر کے لطافت پیدا کر دیتا ہے۔ پس سائنس مذہب سے بے تعلق رہ کر کلمۂ خبیثہ ہے۔ جس کے لیے کوئی ثبات و قرار نہیں، اور مذہب کے ساتھ بحیثیت ایک خادم اور ذریعہ مطلوب کے وابستہ ہو کر بلاشبہ وہ نافع اور کارآمد ہو گی اور کلمہ طیبہ ہی کے ذیل میں آجائے گی جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں۔

لیکن جہاں تک محسوس ہو رہا ہے آج سائنسی جدوجہد ایک حقیقی مقصود کی سی نظر آ رہی ہے۔ لوگ اس پر اسی کی خاطر جھک پڑے ہیں اور نہ صرف یہی کہ اس کے رد و قبول کا معیار مذہب کو نہیں بنایا گیا، بلکہ بیشتر مواقع میں اسے مذہب کے خلاف استعمال کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ سائنس نے مذہب کی بنیادیں ہلا دی ہیں ـــ اور گویا سائنس ایک ایسا مقصود ہے کہ مذہب اس کا وسیلہ تک بھی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ اس کا مقصد قرار پائے۔

بہت ممکن ہے کہ دنیا کے قدیم مذاہب کے لیے سائنس نے کوئی

ایسا ہی تخریبی اقدام کیا ہے۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ دنیا کے جس مذہب کے ایک ایک جزو کے ساتھ سائنس ساتھ رہ کر چل سکتی ہے وہ صرف مذہب فطرت یعنی مذہب اسلام ہے۔ اگر اس کی تفصیلات دیکھنی ہوں تو ایک مستقل رسالہ "تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام" مؤلفہ مولانا طیب مدظلہ دیوبندی کا مطالعہ کیا جائے، جس میں دلائل واضحہ سے دکھلایا گیا ہے کہ سائنس کی تمام ایجادات درحقیقت اسلام کی معنویتوں کا مادی رخ ہیں۔ اور اس دور میں اسلام کی تفہیم اور اس کے اقرب الی الفہم کرنے کے لیے ہی تکوینی طور پر سائنسی ترقیات کا وجود عمل میں آیا ہے۔ پس جو شخص سائنس کو اسلام کا وسیلہ بنا کر استعمال کرے گا وہ اسلام کو قوت پہنچائیگا اور جو اسے مستقلاً مقصود بنا کر عمل میں لائے گا وہ اپنے نفس کو ضعف اور ضرر پہنچائے گا۔ مگر اسلام کا اس سے کچھ نہیں بگڑ سکتا۔

۱۰۰۔ اسلام کی بنیادی حقیقت اب اس تمام مضمون کا حاصل یہ نکل آتا ہے کہ یہ سارا عالم دو حصوں میں تقسیم ہے۔ مادیت اور روحانیت یا سائنس اور اسلام۔ اور روحانیت کی بنیاد بتصریح حدیث دو اصول پر ہے ایک ترک ماسوا اللہ جسے صدقہ سے تعبیر کیا گیا اور ایک اخلاص جسے اعتقاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلے اصول کا حاصل یہ ہے کہ خدا کے سوا دنیا ہو یا اپنا نفس اور ہوائے نفس سب کی وہ الفت قلب سے نکال پھینکنا جو

الفت حق میں خلل انداز ہو۔ اور دوسرے اصول کا حاصل یہ ہے کہ اس ترک ماسوی اللہ میں خالص اسی ایک محبوب حقیقی کے راضی کرنے کا جذبہ کام کر رہا ہو جو اس ارض و سما کی محفل کا خالق ہے۔ اس بارہ میں نہ خود بینی ہو، نہ خود نمائی، نہ خودی ہو نہ خود ستائی +

۱۰۔ سائنس کی جڑ بنیاد اس کے بالمقابل سائنس کی بنیاد جو اسلام کا متقابل ہے، خود بخود ان دو اصولوں کی ضدوں پر نکل آتی ہے۔ ترک ماسوای کی ضد حب ماسوی ہے، اور اخلاص کی ضد نفاق ہے۔ حب ماسوی کا حاصل یہ ہے کہ ہر غیر اللہ اور ہر باطل کی محبت ہو اور نہ ہو تو خدا اور حق کی محبت نہ ہو۔ غیر اللہ کی محبت میں اپنا نفس سب سے مقدم ہے، اس لیے گویا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ محبت اپنے نفس سے ہو، اور نفس کو چونکہ تمام مادی لذائذ سے محبت ہے۔ اس لیے بواسطہ نفس سارے مادی لذائذ سے محبت ہو جس کا نام دنیا ہے۔ گویا حب ماسوا کا حاصل حب دنیا اور حب نفس نکلا —— دوسری اصل یعنی نفاق کا حاصل یہ ہے کہ یہ نفس جاہل بوجہ حقیقت ناشناسی کے انھیں مادی لذائذ کو جن کی صورت آراستہ اور انجام پراگندہ ہے اپنا منتہائے مقصود ظاہر کرنا چاہتا ہے لیکن جبکہ فی نفسہ یہ مادی لذائذ کسی برتری اور انجام کی خوبی نہ رکھنے کے سبب اہل بصیرت کی نگاہوں میں باوقعت نہیں بنتے اور وہ ایسے دنی نفوس کو قابل ملامت ہی

سمجھتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ نفوس اپنے خسیس مطلوبات پر اصول اور شائستگی کا پردہ ڈال کر انھیں معقول باور کرانے کی سعی کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے تمام نفسانی جذبات کو جن سے مذاق سلیم کتراتا ہے۔ کمالات کا لباس پہنا کر سامنے لاتے ہیں تاکہ اپنے ان خسیس مطالبات کو عام نگاہوں میں کچھ باوقعت بنا سکیں۔ مثلاً عام لہو ولعب اور بازاری رقص وسرود کو فنون لطیفہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔ منظم عیاشیوں اور بدکاریوں کو قانونی رنگ میں لے کر تہذیب و تمدن کا عنوان دیتے ہیں۔ استعمار اور جوع الارض کو خوشنما الفاظ میں پیش کر کے ترقی کا عنوان دیتے ہیں۔ جنگی آلات کی بے پناہ خونریزیوں اور تباہی انسانیت کو جنگ حق وصداقت اور قیام امن کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وسائل عیش طرب کی فراہمی کو سوسائٹی کی بلندی اور برتری سے تعبیر کرتے ہیں۔ پرستش اپنے نفس اور ہوا کی کرتے ہیں اور الفاظ کے چکر سے اسی کو حق کی پرستش دکھلاتے ہیں۔ عقیدت واطاعت اپنے جذبات کی ہوتی ہے۔ اور نام سچائی کی عقیدت کا لیتے ہیں ۔

غرض یہ مادی نفوس اچھے عنوان سے فائدہ اٹھا کر اپنی ہوسناکیوں کو چھپانے اور انھیں خوب صورت لباس میں دکھلا کر باوقعت بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں دراں حالیکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نفاق کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ اندر کچھ ہو اور دکھلایا کچھ جائے۔ باطن گندہ ہو اور ظاہر کو آراستہ بنایا جائے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو دھوکہ اور

فریب دیا جائے۔ کیا یہ جو واقعات آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں غلط ہیں؟ یا اختراعی ہیں؟

مادی تمدن کی انھیں خوشنمائیوں اور گندم نما جو فروشیوں کو قرآن حکیم نے زینت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس کی حقیقت یہی ہے کہ اندر کچھ ہو مگر ٹیپ ٹاپ اور سطحی آرائشوں سے اس میں دلفریبی کافی پیدا کر دی جائے۔ ارشاد حق ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ	خوش معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں
النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ	کی۔ عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ	ہوئے سونے اور چاندی کے، نمبر لگے ہوئے گھوڑے
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَ	ہوئے، مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی۔ یہ سب
الْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ	استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی اور انجام کار
الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ۔	خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اس میں شہوت پرستیوں، مالی ہوسناکیوں، اسباب مفاخرہ و ریاست۔ غرض مالی تکاثر اور جاہی تفاخر کو زینت دنیا فرما کر بتلایا گیا ہے کہ ان تمام چیزوں زن، زر، زمین وغیرہ میں محض سطحی عاجل اور ناپائدار لذت ہے، ورنہ ان کی اندرونی حالت تیرہ و سیاہ ہے اور ان سب کی وابستگی کا انجام کدورت اور تلخی ہے اگرچہ ان پر کتنے ہی خوشنما پردے اور دلفریب عنوانات کے لباس پڑے ہوئے ہوں، جس کا حاصل وہی بے حقیقت دکھلاوا ہے، جسے اصطلاحی الفاظ میں نفاق کہتے ہیں۔

اب اگر غور کریں تو سائنس کے ان دونوں بنیادی اصول حب ماسوی اور نفاق کی حقیقت باطل نکلتی ہے۔ نفاق کا باطل ہونا تو اس لیے ظاہر ہے کہ باطل کے معنی ہی یہ ہیں کہ دیکھنے میں بہت کچھ ہو اور حقیقت میں کچھ بھی نہ ہو ـــ اوپر سے چمکتا ہوا اور اندر سے تاریک ہو ـــ پس جبکہ نفاق کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اندر کچھ ہو اور اوپر کچھ ہو ـــ تو نفاق کا باطل ہونا واضح ہے۔

اور عنصر ماسوا اللہ بھی باطل ہی کا ترجمہ ہے ـــ کیونکہ ہر ماسوی اللہ کی ہستی ظاہر ہے کہ اللہ ہی کے وجود سے قائم ہوتی ہے نہ وہ از خود قائم ہے اور نہ از خود موجود ہے۔ اس لیے حقیقتاً ماسوی اللہ کی ذات میں کوئی وجود یا کوئی کمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعہ محض وجود حق اور کمالات حق کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور جبکہ ماسوی اللہ کا خواہ وہ نفس انسانی ہو یا دوسرے موالید عناصر اربعہ ہوں یا دوسرے اجزائے کائنات خود کوئی وجود نہ نکلا تو وہ بظاہر تو موجود ہیں اگر حقیقتاً کوئی ہستی ہی نہیں رکھتے اس لیے کہ کل کا کل ماسوی اللہ بھی اپنی ذات سے باطل ہی نکلا۔

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ — آگاہ ہو کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ہیچ ہے۔

اور جبکہ سائنس کی بنیاد انہی دو باطلوں پر تھی۔ ایک خدا سے قطع ہو کر ماسوا اللہ پر جو آفاقی باطل ہے۔ ایک نفاق پر جو انفسی باطل ہے۔ تو پوری سائنس کی حقیقت بجز باطل ہونے اور باطل پسندی کے اور کچھ نہ ہوئی جس پر سائنس دانوں کا یہ ناز اور شور و شغف ہے کہ اس سے ساری زمین اور آسمانی فضا گونج رہی ہے۔

ہاں اگر اس کے بالمقابل اگر ماسوی اللہ کو ترک کر کے اللہ کو اختیار کیا جائے تو وہ حق ہے اور نفاق کو ترک کر کے اخلاص کو اختیار کر لیا جائے تو وہ بھی حق ہے اور اللہ کے ساتھ اسی مخلصانہ تعلق قائم کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔ تو اسلام کی بنیاد ایسے حق پر نکلتی ہے جس میں باطل کا نشان نہیں۔ اس لیے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سائنس تو ایک شور بے بنیاد اور باطل کا نام ہے اور اسلام ایک حقیقت ثابتہ اور حق کا نام ہے جس کی جڑیں مستحکم اور دائمی ہیں۔ باطل کا کلمہ بے بنیاد۔ حق کا کلمہ اپنی بنیادوں پر ثابت وہ واضح ہے ۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً الخ یہ آیت اور اس کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔

بہرحال اس تحریر سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ سائنس اور اسلام کی درمیانی نسبت کیا ہے اور کھل گیا کہ ان میں وسیلہ و مقصود کی نسبت ہے جو موضوع تقریر کا دوسرا مقصد تھا۔ اور جس کا حاصل یہ ہے کہ سائنس کے کارنامے جب تک مذہب کے لیے بطور وسیلہ استعمال ہوں گے خواہ وہ ترقی کی کسی حد پر ہی پہنچ جائیں ان کا انجام خوش کن ہوگا۔ اور جب اس سے جدا ہو کر خود مقصودیت کی شان لے لیں، یعنی روحانیت ترک ہو کر مادیت محضہ مقصود کی جگہ لے لے گی خواہ کم سے کم بھی ہو۔ جب ہی انجام خطرناک اور ذلت آمیز نکلے گا ۔

۱۰۲ - سائنس اور اسلام کا تقاضا کیا ہے؟ اس سے آپ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ آپ کی ترقی کا میدان کیا ہونا چاہیے؟ جسکے شعور سے آج فضائے دنیا

گونج رہی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی وہی عقل سلیم کر سکتی ہے جس نے ان میں سے ایک کو وسیلہ اور ایک کو مقصود باور کرایا ہے کہ آیا ترقی وسائل میں کی جاتی ہے یا مقاصد میں؟ اور ترقی کی دوڑ راستہ کے لیے ہوتی ہے یا منزل مقصود کے لیے؟ پس اگر سائنس وسیلہ ہے اور شہادت عقل ونقل سے ضرور ہے جیسا کہ ثابت ہو گیا تو پھر عقل ہی کی شہادت سے وہ مطلقاً کبھی میدان ترقی بھی قرار نہیں پا سکتی کہ وہ تو راہ محض ہے منزل مقصود نہیں ـــ اور اگر اسلام مقصود اصلی ہے اور ضرور ہے جیسا کہ عقل ونقل سے ثابت ہو چکا ہے، تو اسی کو دوڑنے اور ترقی کرنے کا میدان بھی بنایا جا سکتا ہے کہ وہ راہ محض نہیں شہر مطلوب ہے جس میں پہنچنے کے لیے ساری جد و جہد تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے ترقی کو روکا نہیں، بلکہ انسان کو دنیا میں بھیجا ہی ترقی کرنے کے لیے۔ ہاں وسائل میں ترقی کرنے کو اضاعت وقت کہا ہے۔ اور مقاصد میں جن کا عنوان خیرات و مبرات رکھا ہے۔ ترقی کرنا نہ صرف روا ہی بتلایا ہے، بلکہ ضروری اور واجب قرار دیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۔ — ہر قوم کے لیے ایک قبلہ مقصود ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ سو تم ایک دوسرے سے بھلائیوں میں سبقت کرو۔

دوسری جگہ نعیم آخرت کا ذکر فرمایا کہ جو تمام خیرات و مبرات کا مقصود اصلی ہے ارشاد فرمایا وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنا چاہیے

پس ایک جگہ سبقت باہمی اور ایک جگہ حرص باہمی کے عنوان سے مسلمانوں کو ترقی کے لیے ابھارا گیا اور مامور کیا گیا ہے لیکن یہ ترقی اسی میدان کی ہے جس کی فطرتاً ہونی چاہیے یعنی مقاصد کی۔ کیونکہ وسائل میں ترقی ترقی نہیں۔ بلکہ بے عقلی ہے اس اصولی حقیقت کے پیش اب آپ اپنا جائزہ لیجیے کہ آپ نے کس طرح اس موضوع کو الٹ دیا ہے، مقصود کو وسیلہ اور وسیلہ کو مقصود۔ بادشاہ کو غلام اور غلام کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ اسلام کو تابع محض اور رسمی اور رسمی کر ڈالا ہے اور سائنس کو مقصود حقیقی اور مطلوب اصلی قرار دے لیا ہے۔ پھر ساتھ ہی اس کے انجام بد کو بھی پیش نظر رکھیے کہ ان حالات میں یہ مادہ کا کمینہ غلام آپ کو حرمان خسران کے کس گڑھے میں لے جا کر گرائے گا۔ جیسا کہ اب تک اقوام کو گراتا آیا ہے۔ اللہ کے نذیر مبین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خالص نمائشی کروفر اور مادیات کی ایسی چمک دمک پر جس کا نام شریعت کی اصطلاح میں زینت و زہرۃ ہے۔ خوف کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰهِ مَا اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الْفَقْرَ وَلٰكِنْ مَّا اَخْشٰى عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِىْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا تُفْتَحُ عَلَيْكُمْ فَتُهْلِكُكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ۔

خدا کی قسم مجھے اپنے بعد تم پر فقر و فاقہ پڑ جانے سے کوئی خوف نہیں، خوف ہے تو اس کا کہ میرے بعد تم پر دنیا کی چمک دمک کھلے گی اور تمھیں اسی طرح ہلاک کر ڈالے گی جس طرح اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔

۱۰۳۔ **مادیات محضہ کی مضرتیں** مادیات کی یہ ہلاکت آفرینیاں پہلے

علم کے میدان میں قدم جاتی ہیں جس سے اعتقادات بگڑتے ہیں اور پھر عمل کے میدان میں چھا جاتی ہیں جس سے ہمت عمل ختم ہو جاتی ہے، علمی میدان اس طرح کہ مادیات خود بے شعور ہیں۔ چنانچہ آگ، پانی، ہوا مٹی میں سے کوئی ایک مادہ بھی عقل و ہوش نہیں رکھتا، ورنہ انسانوں کے ہاتھ اس طرح بے بس ہو کر مسخر نہ ہوتا، اس لیے ان جہالت کے کھلونوں سے رات دن کھیلنا ظاہر ہے کہ جہل سے آگے نہیں بڑھا سکتا۔ نیز یہ مادیات چونکہ خود محسوسات کی انواع ہیں۔ اس لیے ان کا دلدادہ انسان زیادہ سے زیادہ حس ہی کی گہرائیوں تک رسائی پا سکتا ہے اور حس کا تعلق حواس خمسہ آنکھ، ناک، کان وغیرہ سے ہے اس لیے ایک چشم و گوش کا بندہ مشاہدات چشم و گوش ہی میں گھرا رہتا ہے۔ علوم قلب، علوم ارواح اور علم حقائق تک اس کی رسائی ہونے ہی نہیں پاتی۔ اور ظاہر ہے کہ جس علم کی راہ سے آدمی ناواقف محض ہو اور ناواقفی کے ساتھ ادھر کا رخ کبھی بھی کرے تو اس کا مبلغ پرواز بجز اوہام و خیالات اور شکوک و شبہات میں گھیرے رہتے ہیں جو درحقیقت مادیات میں انہماک و شغف رکھنے کا ایک معمولی ثمرہ ہے اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ روحانیات کی طرف رجوع کر کے جو منشا علوم و ادراکات ہیں۔ قلب میں علم کی شمع روشن کی جائے جس سے اوہام و وساوس کی یہ اندھیریاں رفع ہوں ؛

(ماخوذ از رسالہ سائنس و اسلام مؤلفہ مولانا طیب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۱۰۴ - حکمتِ ایمانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں ❊ حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

برادرانِ انسانی! خدا تعالیٰ کے وجود اور وجوب اور اس کی توحید اور دیگر اوصاف سے انکار کرنا اندھے پن کی انتہائی حد ہے، اور تمام نظریوں سے باطل ترین نظریہ ہے۔ بیشک انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اختیاری حصّہ میں اس کو امتحان اور آزمائش کے لیے مختار کر دیا ہے، جو چاہے کرے، اور کر بھی سکتا ہے اور کرتا چلا بھی آرہا ہے اور کرتا رہے گا۔۔ لیکن یہی انسان اپنی زندگی کے غیر اختیاری حصّہ میں وہ اور تمام کائنات جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے بالکل محکوم، مجبور اور عاجز ہے اور خدا کی حاکمیت کے تحت ہے۔ زندگی، موت، بیماری اور تندرستی وغیرہ حالات میں سب انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ کے تابع ہیں، کوئی بھی اپنی بقا کو بڑھا اور گھٹا نہیں سکتا اور نہ اپنی عمر میں پیش آیندہ حالات کو بدل سکتا ہے اور نہ موت کے وقت کو ٹال سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تحت ساری کائنات میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ کوئی بھی ملک اور گوشۂ کائنات اس کے حکم سے باہر نہیں، سب اس کے آگے عاجز اور اس کے آئین میں جکڑے ہوئے ہیں۔۔ جو لوگ منکرین خدا ان واقعات کائناتی کے متعلق خود ساختہ توجیہات پیش کرتے ہیں وہ سب کے سب بے جان تخیلات اور ظنیات باطلہ ہیں۔ ایسے

لوگوں کے پاس جنس ولائل سے کوئی زندہ دلیل نہیں، بلکہ سب کے سب باطل نظریات ہیں جو انہی کے خود تراشیدہ ہیں۔ قرآن میں ہے:

۱ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔	اور اگر تو کہا مانے گا اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں رہتے ہیں، تو تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے وہ تو اپنے خیال پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

۲ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ	کہہ دو تمھارے ہاں کوئی ثبوت ہے تو اسے ہمارے سامنے لاؤ، تم فقط خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تخمینہ ہی کرتے ہو۔
۳ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ۔	بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلایا جسے وہ سمجھ نہ سکے، اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی نہیں۔ اسیطرح جو لوگ ان سے پہلے ہوئے انہوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ سو دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

معلوم ہوا کہ جب تک کسی شے یا انسان کے متعلق پورا علم اور وضاحت حاصل نہ ہو جائے صرف اپنے ظن اور تخمینہ اور محض خیالی باتوں پر چل کر اپنے خود تراشیدہ نظریہ سے اس کو ادا کرنا یا اس کی تکذیب کرنی سنجیدہ اور عقلمند

انسانوں کا طریقہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہرحال آیت نمبر۳ میں اللہ تعالیٰ نے ایک علمی اور عقلی قاعدہ کلیہ عطا فرمایا ہے۔ جو دینی و دنیوی، علمی و عملی، معاشرت و تمدن، انتظام و سیاست تمام شعبہ ہائے حیات میں مشعل راہ ہے، کہ کسی انسان، کسی جماعت کسی ادارہ، کسی قوم، کسی کتاب، کسی مخالف یا موافق۔ غرض کسی شعبہ کی کوئی چیز ہو، اس کے متعلق قبل مکمل تحقیقات کے کوئی کسی قسم کی رائے قائم کرنا درست نہیں۔

کسی انسان، کسی شے یا کسی معاملہ کے متعلق رائے اس کی معتبر ہوگی جس کو اس کی تحقیقات اس پایہ کی حاصل ہوں کہ اس کے تمام متعلقات کا علمی احاطہ ہو، اور ہر حیثیت کی مکمل وضاحت حاصل ہو۔ ورنہ نہیں خواہ وہ کتنا ہی قابل اور بیدار مغز کیوں نہ ہو ــــ یورپ کے ایجنٹوں کی تحریف کو دین سمجھنا گمراہی ہوگا +

آیت نمبر۳ میں جملہ لَمْ یُحِیْطُوْا کے لفظ مَا سے مراد قرآن مجید ہے ــــ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے علم کا احاطہ کرنا امر ضروری ہے۔ معلوم رہے کہ علم اور چیز ہے اور علم کا احاطہ دوسری چیز ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں کم از کم علم صرف، نحو و لغت و بلاغت و تفسیر و حدیث اور اصول فقہ کی مہارت تامہ اللہ کی کتاب کے حاصل کرنے کے لیے ایسی ضروری ہے کہ بغیر اس کے صحیح معنی و مفہوم حاصل نہیں ہوگا ــــ آیت کریمہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ علوم مذکورہ اور نیز جو فنون مہارت پیدا کرنے میں مددگار ہوں گے مثلاً اصول حدیث

اور اسماء الرجال وغیرہ اور علم کلام اور تصوف اور علم فقہ ۔ ان سب کا حصول اسی آیت شریفہ کی تعمیل ہے ۔

پس جو شخص ان علوم کا ماہر نہیں اس کا صرف ترجمہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ مجھ کو قرآن مجید کا علم حاصل ہو گیا ہے سخت ترین غلط فہمی ہے ۔ ایسے شخص کو درس قرآن دینا جائز نہیں ، نہ اس سے درس قرآن حاصل کرنا جائز ۔

نیز ایسے شخص کو قرآن مجید کے مسائل پر قلم اٹھانا یا کوئی تفسیر لکھنا ناجائز ہے اور ایسی تفسیر کو شائع کرنا اور پڑھنا پڑھانا بھی جائز نہیں ؎

ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی ۔ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

۱۰۵ - دہریت کا اجتماعی شکل اختیار کرنا ۔ قرون وسطےٰ سے پہلے انفرادی طور پر خال خال دہریہ خیال کے لوگ چلے آ رہے تھے ، لیکن قرون وسطےٰ کے زمانہ میں عیسائیت پر حریت پسندوں کی فتح یابی نے دہریت کو اجتماعی شکل میں بدل ڈالا ۔ یہ قصہ طویل ہے جس کو دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ۔

بہرحال جو جماعت بھی اپنے لیے کوئی نصب العین متعین کرے وہ صحیح ہو یا غلط ، پھر اس کے لیے یکسانی قول و عمل سے جد و جہد کرے تو وہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہو گی ۔ اسباب کے اختیار کرنے اور عمل میں لانے پر مسببات ہوا ہی کرتے ہیں ۔ اسباب سب کے لیے ایک ہی درجہ کا حکم رکھتے ہیں ۔

قوم دون قوم کی خصوصیت نہیں - مادی ذرائع اور علمی ترقیات کی ضرورت جتنی باطل کو ہے، اتنی ہی حق کو بھی ہے اور شیطان بھی ان کا اتنا ہی محتاج ہے، جتنا ایک کلمۂ حق کا داعی ہے ؛

انسانیت من حیث المجموع یا بالفاظ دیگر بنی آدم کے نوعی ذہن نے ہمیشہ خدا کے وجود کو مانا ہے، اور اسی حد تک اس کے صفات کو بھی تسلیم کیا ہے۔ دنیا میں ایسے ناقص ذہن کے لوگ کم ہی پائے گئے ہیں اور اس دور ایجاد میں بھی کم ہیں جو مطلقاً خدا تعالےٰ کی ہستی کا انکار کرنے والے ہوں۔ باقی رہے مادہ پرست مخالفین مذہب، سو انھوں نے مذہب کے خلاف کائنات اور انسان کی پیدائش اور بقا کی جو نئی توجیہیں پیش کی ہیں وہ اس بات کا نتیجہ نہیں کہ مذاہب کے "جاہل پیشوا" تو کائنات کے اس پار جھانک کر حقیقت حال نہ دیکھ سکے تھے۔ مگر ان سائنسدانان مخالفین مذاہب نے آسمانوں اور زمین کے پردے پھاڑ کر ساری حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے، بلکہ ایسی سب مخالف مذہب تحقیقات کا مدار جذبات، نفس اور اندھی دشمنی پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کوششیں کی گئی ہیں سب کی سب منفی حیثیت رکھتی ہیں، مثبت طریقے پر ان میں کوئی بات نہیں کہی گئی۔

تمام مخالف مذہب نظریات کے علمبردار آزاد خیالی اور استقرائی انداز تحقیق کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے جذبات نفس، قومی خواہشات اور

سامراجی مقاصد اور کمزوروں کو لوٹنے اور دبانے کے اغراض سے مغلوب نظر آتے ہیں۔ اور ان کی خاطر علوم وفنون کی بنیادوں تک بدل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہرحال خدائی کے اثبات کے لیے عقلی دلائل بھی اپنے اندر کافی وزن رکھتے ہیں۔ لیکن دل کسی چیز سے اس وقت تسلی نہیں پاتا جب تک اس سے براہِ راست خطاب نہ کیا جائے۔ مشاہدہ کی آنکھ سے ہم جو کچھ دیکھتے ہیں، دل ان کی صحت پھر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر نظریہ کہے کہ

عالم ایک عظیم الشان کل ہے جس کے پرزے رات دن حرکت میں ہیں۔ ستارے چل رہے ہیں۔ دریا بہہ رہے ہیں، پہاڑ آتش فشاں ہیں، ہوا جنبش میں ہے، زمین نباتات اُگا رہی ہے۔ درخت جھوم رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر انسان کو خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی پُرزور ہاتھ ہے جو ان تمام پرزوں کو چلا رہا ہے۔

تو دل کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ عارف رومی نے وجودِ باری کے اثبات میں کچھ ایسے ہی دلائل و براہین پیش کیے ہیں ؎

(۱) دست پنہاں و قلم بین خط گذار	ہاتھ پوشیدہ ہے، قلم لکھ رہی ہے۔
اسپ در جولاں و ناپیدا سوار	گھوڑا دوڑ میں ہے، لیکن سوار نظر نہیں آتا۔
(۲) پس یقیں در عقل ہر داننده است	ہر عقل مند یقیناً جانتا ہے کہ
اینکه با جنبیده جنباننده است	متحرک چیز کے ساتھ حرکت دینے والا ہے۔

(۳) گر تو آں را مے نہ بینی در نظر
فہم کن اما بہ اظہارِ اثر

اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا تو اس کے اثر کے ظاہر ہونے سے سمجھ لینا چاہیے۔

(۴) تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

بدن جان کے ذریعہ سے حرکت کرتا ہے لیکن جان کسی کو نظر نہیں آتی، بدن کی حرکت سے جان معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

(۵) تن زجان وجاں زتن مستور نیست
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

بدن جان سے اور جان بدن سے چھپی ہوئی نہیں ہے لیکن کسی کے پاس جان کے دیکھنے کا آلہ نہیں ہے۔

صفاتِ باری کے متعلق مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

(۱) مر صفاتش را چناں داں اے پسر
کز وے اندر وہم ناید جز اثر

اس کی صفتوں کے معلوم کرنے کے بارہ میں وہم میں صرف اثر ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲) ظاہر است آثار و نور و رحمتش
لیک کے داند جز او ماہیتش

اس کی رحمت اور نور کے آثار تو ظاہر ہیں لیکن اس کی ماہیت وہی جانتا ہے۔

ہیچ ماہیات اوصاف کمال
کس نداند جز بہ آثار و مثال

اس کے کمال اوصاف کی ماہیتوں کو آثار اور تمثیل سے ہی جانا جا سکتا ہے۔

پس اگر گوئی بدانم دور نیست
ور بگوئی کہ ندانم زور نیست

پس اگر تم جاننے کا دعویٰ کرو تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہو کہ ہم نہیں جانتے تو ہم زور سے منا بھی نہیں سکتے۔

یعنی یہ بحث سرے سے ہی فضول ہے ؛ خدا کی بہ نسبت اس قدر معلوم ہو سکتا ہے

کہ ہے، باقی یہ کہ ــــ وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ اور اس کے کیا کیا اوصاف ہیں؟ ان سوالات کا جواب ادراک و شعور کے دائرہ سے باہر ہے ؛

دہریوں کے استدلالات

ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر خدا ہوتا تو یہ بیشمار قسم قسم کی مصیبتیں پیش نہ آتیں ــــ ہم کہتے ہیں کہ اگر خدا نہ ہوتا تو یہ بے شمار نعمتیں بھی حاصل نہ ہوتیں ــــ پس اگر بیشمار نعمتوں کے پائے جانے کے باوجود بھی خدا کے اقرار سے فرار ہے تو مصیبتوں کی وجہ سے بھی خدا تعالیٰ کا انکار سراسر بغاوت ہے۔ اس رویہ سے سراسر ان کی کم عقلی اور ان کے اندر بغاوت انگیز جذبات کے پائے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ انکار کسی بنا صحیح یا اصول پر مبنی نہیں ہے ــ یہ عالم اضداد اور جہان متقابلات بنا ہوا ہے ع اشیائے رنگارنگ سے ہے رونق چمن!

۱۰۲ - دوسرا رُخ پھر خدا کے انکار کر جانے کے بعد مصائب کو مادہ کی حرکت کی طرف منسوب کرنا پہلی بے عقلی سے بڑھ کر بے عقلی ہے ــ اسباب و مسببات کے سلسلہ کا قیام تو صرف اسی لیے ہے کہ مخلوق اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کرنے کے لیے پہلے سے کوئی تیاری کر سکے ــ اور یہ اسباب صرف علامات ہیں، علل حقیقیہ نہیں۔ مؤثر بالذات خالق کائنات کی ذات مقدس ہے۔ سبب و مسبب علت و معلول میں یکسانی اور یکرنگی ہے۔ یہ اس کی عادت جاریہ کا کرشمہ ہے جو مذکورہ بالا حکمت پر قائم کیا گیا ہے ؛

بہر حال خدا کی ذات مقدس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے اسباب و علل صرف علامات ہیں اور اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے۔ لیکن وہ اس کا پابند نہیں۔ جب چاہتا ہے اس سلسلہ کے خلاف کر کے بھی دکھا دیتا ہے تاکہ اس کا موثر ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ عارف رومی نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

شعر	ترجمہ
۱۔ سنتے بنہادو اسباب و طرق طالباں را زیر ایں ارزق تتق	اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے کام کرنیوالوں کیلئے علل و اسباب اور عادات مقرر کر لیے ہیں
۲۔ بیشتر احوال بر سنت رود گاہ قدرت خارق سنت شود	دنیا کے زیادہ تر واقعات انہیں عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے
۳۔ سنت و عادت نہادہ . . . با مزہ باز کردہ خرق عادت معجزہ	طریق و عادات کو اس نے خوشنما اور پسندیدہ بنایا ہے لیکن پھر معجزہ سے خرق عادت بھی کر دیتا ہے
۴۔ اے گرفتار سبب! بیروں مپر لیک عزل آں مسبب ظن مبر	اے وہ جو اسباب و علل کی زنجیر میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ۔ اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسباب و علل کے بنا دینے سے وہ علۃ العلل اور مسبب الاسباب بیکار رہ گیا ہے
۵۔ ہر چہ خواہد او مسبب آورد قدرت مطلق سبہا بر درد	وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرے۔ اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے

۶ - لیک اغلب بر سبب راند نفاذ
تا بداند طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق ہی دنیا کو چلاتا ہے، تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصولِ مقصد کا راستہ معلوم ہو۔

۷ - چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید
پس سبب در راہ مے آید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے۔ یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں۔

۸ - ایں سببہا بر نظرہا پردہ ہاست
کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں، کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔

۹ - دیدہ باید سبب سوراخ کن
تا حجب را بر کند از بیخ و بن

اس کے لیے ایسی آنکھ چاہیے جو اسباب کا پردہ چاک کر دے، تاکہ حجابات اٹھ جائیں۔

۱۰ - از مسبب مے رسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیکی [illegible] اسی اللہ مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں۔

بہرحال دہریوں نے خدا اور مذہب سے بلا سند انکار کرنے کے بعد مصائب کو مادہ کی حرکت کی طرف منسوب کیا ہے، تاکہ خدا کے کسی تنبیہی فعل کا ماننا ضروری نہ رہے انھوں نے کہا کہ —— انسان اگر دانش و بینش کے ساتھ مادہ [illegible] استعمال کرے، تو مصائب ٹل سکتے ہیں اور کہا کہ مصائب کا سرچشمہ مادہ اور اس کی حرکت ہے اور

ہم مادہ کی طرف رجوع کر کے مصائب کا خاتمہ کر سکتے ہیں جو خدا کے اقرار کی صورت میں ممکن نہیں ۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آفات کا سلسلہ اس سے ختم ہو گیا ؟ یا مصیبتیں دنیا سے جاتی رہیں ؟ کیا پچاس سال جب سے سائنٹیفک ایجادات کا زور ہوا ہے ۔۔۔ اگر یہ لوگ مادہ کی طرح بے شعور نہیں ہیں ۔۔۔ اور کچھ بھی دنیا کی اگلی اور پچھلی تاریخ سے واقف ہیں ۔۔۔ تو بتلائیں کہ دنیا کا امن و سکون ان ترقیات کے پہلے برقرار تھا ، یا اب ہے ؟ صحتیں اور طاقتیں پچاس سال پہلے کی اچھی تھیں یا اب کی اچھی ہیں ؟ دلوں کی بے چینیاں اور اضطرابات آج زیادہ ہیں یا پہلے زیادہ تھے ؟ ۔۔۔ بیماریوں اور نئی سے نئی بیماریوں کے اعداد و شمار آج زیادہ ہیں یا پہلے زیادہ تھے ؟ ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کی کثرت آج ہے یا آج سے پہلے تھی ؟ دواؤں کا استعمال غذاؤں کی طرح آج ہو رہا ہے یا پہلے تھا ؟

پس جس دور کی صحت دواؤں پر رہ گئی ہو ، جس قرن کی طاقت اوزاروں اور آلات پر رہ گئی ہو ، جس دور کی قوت حافظہ اور قوت دماغی پاکٹ بک اور نوٹس پر رہ گئی ہو ۔ جس زمانہ کا فہم و علم پروپیگنڈہ پر دائر ہو ۔ جس دور میں مرض اصلی اور صحت عارضی رہ گئی ہو ۔۔۔ جس دور کی عمریں تک گھٹ گئی ہوں ! اس دور کو یہ خود قابو یافتہ دور کہا جائے گا ! یا انتہائی عاجز اور بے بس و تاریک دور کہا جائے گا ؟

انفسی آفات کو ایک طرف رکھیے۔ آفاقی مصائب ہی کو لے لیجیے کہ ــــ وہ اس دور میں گُم یا کم ہو گئی ہیں یا اپنی سینکڑوں انواع کے ساتھ دنیا میں جم گئی ہیں یا اپنی سینکڑوں انواع کے ساتھ دنیا میں جم گئی ہیں۔ کیا زلزلے آنے بند ہو گئے ہیں؟ کیا دشمنوں کے خوف اور باہمی ہراس سے انسانیت محفوظ ہو گئی؟ کیا عظیم جنگوں سے ہر وقت دنیا کے ملک لرز نہیں رہے؟ کیا مہلک آلات و ایجادات پر خدا کا مال بے دریغ صرف نہیں ہو رہا؟ جس سے ممالک اور لاکھوں انسان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں؟ کیا ہر ملک کا دوسرے کے مقابلہ میں خواب و خور بد مزہ نہیں بن گیا ہے؟ کیا خانہ کشوں کی تعداد آج زیادہ نہیں ہے؟ کیا فصلوں اور پھلوں پر ژالہ باری اور خشک سالی کی مصیبت ختم ہو گئی؟ کیا ٹڈی دلوں کے خطرات کھیتوں کے لیے تشویش افزا نہیں بنے ہوئے جس کے انتظام سے حکومتیں عاجز ہو رہی ہیں؟ کیا موت کے اعداد و شمار میں آج کمی ہو گئی ہے یا زیادتی ہے؟ تعجب ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور کی ان ضرر افزا انواع تباہیوں کے اعداد و شمار جو اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں یا تو ان کی نگاہوں سے اوجھل ہیں یا یہ لوگ خود تجاہل سے کام لے رہے ہیں۔

غرض آج کی سائنٹیفک ایجادات و ترقیات سے آفات و مصائب ہٹ نہیں گئیں بلکہ صورتیں بدل گئی ہیں، اور ان میں متعدد انواع و مصائب کے اضافے بھی ہو گئے ہیں ــــ پس یہ کہنا تو ایک حد تک صحیح ہے کہ مصیبت

مادہ کی حرکت کا نام ہے ـــ مگر یہ کہنا کہ اس کا علاج اسی مادہ کو حرکت میں لاتے رہنا ہے۔ غلط ہے، کہ یہ مرض کو ڈبل مرض سے دفع کرنا ہے جو دفعیہ نہیں بلکہ اضافہ ہے۔ اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ سائنس نے مصائب کو کم کر دیا ہے یا بڑھا دیا ہے اور سائنٹیفک ایجادات نے انسان کو بام ترقی پر پہنچایا ہے یا حضیض ذلت میں دھکیل دیا ہے ـــ بلکہ اگر غور کیا جائے تو وہی ممالک زیادہ تباہی زدہ اور موت کے کنارہ پہ ہیں جن میں سائنسی حکمرانی زیادہ ہے۔

اخبارات میں ان کی داستانیں ہیں کہ وہ خود رو رو کر بیان کرتے ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

ما نہ کردیم ، شما حذر بکنید

ان واقعات میں قرآن کی دی ہوئی اطلاعات کی تصدیق ہو رہی ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ	جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ	بعد اس کے کہ راستہ سیدھا اس کے سامنے
سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ	واضح ہو چکا ہو اور وہ ایمان والوں کے طریقے
وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔	کے خلاف کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو ہم

اس کو وہی راہ سونپ دیں گے جس طرف وہ خود متوجہ ہوا اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور دوزخ برا ٹھکانا ہے۔

حضرات ! پھر اپنے نظریہ پہ (اب وقت ہے) نظر ثانی کیجیے —
اگر آپ ان سائنسی آفات و مصائب کو انسانوں کے گناہوں کی سزا نہیں مانتے
تو انسانوں کے افعال کے ثمرات تو مانیں گے، کیونکہ یہ اختیاری مصائب تو ان کے
اختیاری افعال ہی نے پھیلائے ہیں — تو آخر اس تعبیری فرق سے کیا حاصل
ہوا - کیا حقیقت بدل گئی ؟ اور انسانوں کے افعال پر نیک اور بد ثمرات مرتب
نہ ہوئے ؟ — آپ اگر اسے قہر الٰہی نہیں کہتے جو مذہب کہتا تھا تو ناجائز
افعال کا انجام بد تو کہیں گے - تو اس سے نفس حقیقت پر کیا اثر ہوا ؟ مصائب
بھی باقی رہیں اور ایک حد تک انسانی افعال کا ثمرہ بھی ہوئیں — مگر بہرصورت
خدائے برتر کے وجود سے انکار کرنے نے آپ کی مصائب کا خاتمہ نہ کیا - خدا و
مذہب کو چھوڑ کر دہریت کو اختیار کیا — اس نے بھی خاتمہ مصائب میں کوئی
مدد نہ کی ۔ باغی نہ توانی شد فرمان پذیراں شو !

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ÷ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ ناامیدی نیست ÷ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

امید ہے کہ جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے - اس کو غور و فکر
کی نظر سے دیکھ کر اپنے نظام کو بدلنے کی کوشش کریں گے ؟

وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا الخ (اسی طریقہ عمل پہ ہم نے آباؤ اجداد کو پایا ہے -)
کہہ کر اپنے پہلے لیڈروں یا قائدین کی تقلید پر نہیں جمے رہنا چاہیے - ایسا تو متعصبین

اور جامد مقلدین کیا کرتے ہیں۔ آپ تو حریت پسند اور آزاد ذہنیت رکھنے والے حضرات ہیں ــــ لہٰذا جو اصول آپ کو پہلے اصولوں سے بہتر معلوم ہوں لامحالہ ان کو اختیار کرنا آپ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے ؞

نامعلوم آپ نے جانب دہریت کو کیوں کہ اختیار کیا؟ وہ عقل جو انسان کو دی گئی ہے سوچ و بچار سے فیصلہ دیتی ہے کہ خدا پر بالغیب ایمان لانا اور مذہبی باتوں کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے ؞

بعض لوگ ایمان بالغیب پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمانہ تو مشاہدہ اور تجربہ کا ہے۔ اس میں غیب کی باتوں پر کون ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ ہم روزمرہ ایمان بالغیب کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ ۱ ہمارا نفس خود ہم سے پوشیدہ ہے۔ مگر ہمیں اس پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ ۲ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اندر ارادہ ہے، مگر نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہے۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ ارادہ کوئی چیز ہے۔ ۳ آپ روشنی میں کام کرتے ہیں مگر روشنی کی لہروں کے بعد اس کے برق پاروں یا الیکٹران کی حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں اور نہیں بتا سکتے کہ وہ کیا ہیں۔ مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ الیکٹران موجود ہے ــــ

بہر حال ایمان بالغیب کے اصل پر دنیا کے بہت سے کاروبار چل رہے ہیں۔ اگر ایمان بالغیب کو ایک اصول تسلیم نہ کیا جائے تو بہت سی چیزوں کے متعلق جن کی حقیقت معلوم کرنے کا خود آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ آپ کسی ایسی

رائے پر نہیں پہنچ سکتے جس کی صحت کا خود آپ کو یقین ہو، اور جس کی صداقت کا آپ دوسروں کو یقین دلا سکیں ۔

۱۰۷
اس مشکل سے اگر کوئی چیز انسان کو بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایمان بالغیب ہے ۔ ایک دفعہ جب آپ نے ایک کتاب کو خدا کی کلام تسلیم کر لیا ۔ اور ایک شخص کو نبی مان لیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ علوم الٰہی میں کامل بصیرت رکھتا ہے اور یہ تسلیم کر لیا کہ وہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتا ۔ تو پھر آپ کے لیے امور غیب میں کسی تذبذب کی گنجائش نہیں رہتی اور آپ کا اعتقاد یقین و اذعان کی ایک ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہو جائے گا جسے کسی علوم و اکتشاف حاضرہ اور عمل اور قیاس کی کسی نئی طرح اور حریت فکر سے وضمیر کی کسی گرم بازاری سے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا ۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے متقین کے لیے ۔ اور متقین کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ایمان بالغیب لاتے ہیں ۔

(۱۰۷) ایمان بالغیب سے چارہ نہیں ۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔	یہ کتاب ان متقین کو ہدایت کرتی ہے جو غیب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں ۔

۱۰۸ ۔ نبوت کی شناخت کا معیار !

اب آخر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ایک شخص کو نبی ماننے کا کون سا ذریعہ ہے ۔۔ اس سوال کا تصفیہ دو چیزوں پر منحصر ہے :

(۱) ایک یہ کہ ہم اس شخص کی ذاتی سیرت کو اس سخت سے سخت معیار پہ جانچ کر دیکھیں جس پر کسی انسان کی سیرت جانچی جا سکتی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ہم اس کی پیش کی ہوئی باتوں پر نگاہ ڈالیں جو ہمارے دائرہ علم سے باہر نہیں ہیں اور جس پر قطعیت کے ساتھ ایک حکم لگانا ہمارے لیے ممکن ہے ۔ جب ان دونوں امتحانوں سے ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے صادق القول ہونے میں بے مثل ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی کے تمام عمل اور فکری شعبوں میں خیر و صلاح و حکمت کی ایسی کامل تعلیم دیتا ہے جس میں انسانی عقل کہیں سے کوئی عیب نہیں نکال سکتی ۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے سچا نہ مانیں۔ اور یہ بدگمانی کریں کہ اس نے کسی علم اور واقفیت کے بغیر محض دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے خدا اور فرشتوں اور عرش اور کرسی ۔ وحی و الہام، اور بعثت بعد الموت اور دوزخ و جنت وغیرہ کا اتنا بڑا فریب گھڑ کر رکھ دیا ہے۔

اب تو تحقیقات جدیدہ بھی ایسی باتوں کی تصدیق کرتی جا رہی ہیں۔ موجودہ زمانہ تک سائنس کی ترقیات نے انبیاء علیہم السلام کی کہی گئی بعض باتوں کو منوا دیا ہے۔ اور بعض کو منوا دینے کے قریب کر دیا ہے۔ جوں جوں ترقیات ہوتی جائیں گی کہی گئی صداقتوں کی حقیقت ظاہر ہوتی جائے گی۔

بہرحال [۱۰۹] کسی طریقہ اور نظریہ کا صحیح و بہتر ہونا اس کے ثمرہ اور انجام کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ پس نظریہ دہریت کئی ایک وجوہ سے غلط اور باطل ہے۔

دہریت کے ابطال کی وجوہات

علمی، عقلی، فطری، تاریخی اور تجرباتی تمام وجوہ اس کو باطل قرار دے رہے ہیں۔ مختصراً کچھ وجوہ پہلے بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی وجوہات بھی ہیں، جن کو یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے ؂

بہر حال آپ اشتراکی اصحاب حریت پسند اور عقلیات پرست ہیں۔ امید ہے کہ آپ مذہبی کافروں اور مشرکوں کو تنگ نظروں اور متعصبوں کی طرح

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ نَحْنُ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ (اس طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور ہم انھیں کے پیچھے پیچھے چلتے رہیں گے)

کہہ کر ان حقیقتوں اور صداقتوں سے انکار نہیں کریں گے جو آپ کے سامنے علمی و عقلی طور سے پیش کی گئی ہیں، بلکہ غور و فکر کے بعد قبول فرمائیں گے ؂

۱۱۰۔ دوسرا رخ بطریق دیگر اس بات کو اس طرح بھی سمجھنا چاہیے کہ ساری دنیا میں دو گروہ چلے آ رہے ہیں ؁ ایک خدا پرست گروہ اکثر اور کثیر ہے جو کسی نہ کسی شکل میں خدا کو مانتا ہے اور کسی نہ کسی مذہب کا قائل ہے۔ ؁ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کے منکر ہیں، مادہ پرست ہیں ان کو دہریہ یا مادیئین کے نام سے پکارا جاتا ہے اور یہ بالکل اقل قلیل ہے ؂

ان دونوں گروہوں کے دنیاوی زندگی کے بعد کے حالات پردہ غیب میں مستور ہیں — یہ بات تو بالکل ظاہر ہے، دنیاوی زندگی میں دونوں گروہ تو حق پر نہیں ہو سکتے۔ پس اگر انجام کے اعتبار سے پہلا گروہ حق پر ثابت ہوا

تولامحالہ دوسرے گروہ کو اس زندگی کے بعد مصیبتوں اور ہلاکتوں میں گرفتار رہنا پڑے گا جیسا کہ آسمانی مذاہب بریک زبان اس کی خبر دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور بالفرض (جو عقلاً اور نقلاً محال ہے) اگر دنیا کا انجام دوسرے گروہ کے کہنے کے مطابق ہونا ہو، تو پھر بھی پہلے گروہ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔

اب صحیح الدماغ عقلمندوں کو دونوں گروہوں کے دلائل اور کسی کے حق وناحق پر ہونے سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ کون سے گروہ کے ساتھ شامل ہونا بہتر اور ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے الجھاؤ کے موقع پر وہی جانب اختیار کی جاتی ہے، جس کا انجام خطرہ سے خالی ہو۔ ظاہر ہے ایسا گروہ پہلا ہی ہے نہ کہ دوسرا۔

حضرات یہاں اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی باتیں کھول کر بیان کرنے کے لائق ہیں، لیکن مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے صرف چند اور باتیں بیان کر کے مضمون کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است   بر عناصر حکمراں بودن خوش است

حق !!! موجودہ دور میں کچھ ایسا ہی اجنبی ہو کر رہ گیا ہے کہ اکثر لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے، اور وہ اسے صحیح ماننے پر تیار نہیں ہوتے، لیکن اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل و دانش سے نوازا ہے اور قوت فیصلہ دی ہے تو اس کے لیے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

!!! — زمانہ کی نیرنگیاں۔

حق وباطل اور غلط و صحیح کو پہچاننا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ـــ
حق یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کو اختیار کیا جائے اور نفاق کو ترک کر کے اخلاص کو اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی مخلصانہ تعلق کو قائم کرنے ہی کا نام اسلام ہے ۔ اسلام ایک ایسی حقیقت ثابتہ اور حق کا نام ہے جس کی جڑیں مستحکم اور دائمی ہیں ۔

اور نظام حق وہ ہے جس میں ساری انسانیت کے لیے امن وسلامتی کی ضمانت ہو۔ حق ایسی چیز نہیں ہے جس کو انسان بنا سکیں، بلکہ حق کا وجود خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں چلا آرہا ہے۔ اور منزلہ کتب کے بعد اب صرف[١١٢] قرآن ہی میں پایا جا رہا ہے۔ اور قرآن میں جو کچھ ہے سارے کا سارا حق ہے، بلکہ قرآن میں یہ بھی ہے وبالحق انزلناہ وبالحق نزل۔ قرآن کو خدا تعالیٰ ہی نے حق کے ساتھ اتارا ہے اور حق کے ساتھ نازل ہوا ہے ۔

١١٢) اس وقت حق قرآن ہی میں منحصر ہے۔

اور قرآن تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے۔ اس کو دوسری جگہ ہر ایک معیار سے ظاہر اور ثابت کیا جا چکا ہے ۔

یہ سوالات کہ، کیا واقعی قرآن اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہو سکتا ہے؟ ـــ
اور کیا قرآن کی تعلیمات واقعی ایسی ہیں جن میں ساری انسانیت کے لیے امن و سلامتی کی ضمانت ہو؟

اور کیا تاریخ اس کی زندہ شہادت پیش کرتی ہے؟ ـــ اور دیگر اسی

قسم کے سوالات کا مسکت جواب صرف مصرعہ ذیل میں ودیعت ہے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ضروری ہے کہ چوٹی کے عقلاء، ہر قسم کے جذبات اور ماحولی اثرات سے خالی الذہن ہو کر سادہ اور صاف عقل و فکر سے قرآن حکیم کا غور و فکر سے مطالعہ کریں۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی قرآن مذکورہ بالا سوالوں کا جواب ہے۔ قرآن قومی، زمانی اور مکانی کتاب نہیں ہے، بلکہ بین الاقوامی انسانی اور دائمی اور سرمدی کتاب ہے۔ قرآن کی تعلیمات انسانیت کی طرح عالم گیر اور ہمہ گیر اور دائمی ہیں۔ وہ ہر ایک ملک کے لیے اور ہر قوم کے لیے ہیں اور ہر زمانہ کے لیے ہیں۔

اسی لیے نبی عالمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں ۱۔ قومی اور بین الاقوامی عمومی ـــــ چونکہ آپ کے ذریعہ سے عرب قوم کو دعوت عمومی کے لیے آمادہ اور تیار کرنا تھا۔ اسی لیے قومی حیثیت سے آپ نے اپنی قوم کی عادات اور خصوصیات کا اپنی تعلیمات میں لحاظ رکھا۔ اور چونکہ عمومی حیثیت کے اعتبار سے آپ کی تعلیمات تمام انسانیت کے لیے تھیں۔ اس لیے قرآن مجید کے اعجاز کا یہ ایک نہایت عام فہم پہلو ہے کہ اس میں علوم و معارف اور نصائح و قوانین ہیں، اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق تعلیمات اور ہدایات ہیں۔ اور آپ کو یہ زندہ معجزہ اسی لیے دیا گیا کہ آپ کا دور علمی روشنی کا دور ہو رہا تھا پہلی دنیا عجیب باتوں اور محیر العقول کرشموں سے زیادہ متاثر ہونے والی تھی۔

بعد کی دنیا اور خاص طور سے ہمارا یہ دور علوم و فنون کا دور ہے اور اس زمانہ میں علوم کی قیمت اور وقعت عملی کرشموں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے ۔

اس لیے قرآن کریم کی بین السطور مفہوم کی عالم گیریت اور جامعیت نمایاں ہے ۔

پس السابقون الاولون کی سوسائٹی قرآنی تعلیمات کا نتیجہ تھی۔ اور خلافت راشدہ کے دور میں مسلمانوں کی جو زندگی تھی وہ قرآنی احکام کے مطابق ہی تشکیل ہوئی۔ لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ قرآن اسی زندگی میں محدود ہو گیا ٹھیک نہیں۔ بلکہ یہ صرف مصلحت اور ضرورت وقت کا تقاضا تھا جو مخاطبین کی رعایت سے اسے ایک خاص زمان و مکان کے ساتھ مخصوص کرنا ہوتا ہے ۔

قرآن کریم کے پیرایہ بیان کی محدودیت بھی بعض مقامات میں اسی بنا پر ہے — لیکن اس کے باوجود جا بجا بین السطور مفہوم کی عالمگیریت اور جامعیت نمایاں ہے —— اگر آدمی قرآن کے مطالعہ میں تدبر اور تعمق سے کام لے تو اس پر واضح ہو جائیگا کہ کل نوع انسانی قرآن میں اپنا مافی الضمیر اور مقصد پا سکتی ہے ۔

قرآن مجید بنیادی فکر کا ترجمان ہے اور یہ بنیادی فکر عالم گیر، ازلی، ابدی، اور لازوال ہے ۔ قرآن میں بیشک اس کا جامہ عربی ہے اور "ام القریٰ" اور "من حولها" کو سمجھانے کے لیے ماحول کے لوازم کا خیال رکھا گیا ہے ۔ لیکن مشاہدہ حق کے لیے ہمیشہ سے "ساغر دینا" کی ضرورت پڑتی رہی ہے — اہل نظر جانتے ہیں کہ کہنے والے نے کیا کہا ہے ۔ اور ان کو اس کا بھی علم ہوتا ہے

کہ الفاظ و تراکیب کی سرحد سے بہت پرے معانی کا مقصود حاصل کیا ہے۔

بہرحال آج ۔ قرآن ہی کو حق پہنچتا ہے کہ خود کو خدا تعالیٰ کا کلام کہے ۔

● ــــ آج تک اس کی کوئی بھی کہی گئی بات غلط ثابت نہیں ہو سکی ۔

● ــــ قرآن کا مطالبہ اور چیلنج چلا آرہا ہے کہ اگر کسی کو میرے کلام خدا ہونے میں شک وشبہ ہے تو وہ میرے جیسی ایک ہی سورت بنا کر پیش کرے ۔

● ــــ اس کا دعویٰ ہے کہ میری کوئی بات بھی اپنی جگہ حقیقت و صداقت سے باہر نہیں ۔

● ــــ اس کا چیلنج ہے کہ جو بات میری ضد یا خلاف ہو گی وہ خود غلط ہو گی، یا باطل ہو گی ۔

بہرحال قرآن نے نظامِ زندگی کے جو بہترین نظریے پیش کیے ہیں ان سے ان سے بڑھ کر یا ان جیسا کوئی دوسرا نظریہ نہیں ہو سکتا ۔ یہ قرآن کا ایک ایسا زبردست اور معجزانہ چیلنج ہے جس کا جواب محال و ممتنع ہے۔ قرآن کی باتیں سچائی اور انصاف کی آخری حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کو نہ توڑا جا سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے ۔

کوئی فلسفہ اور کوئی سائنس اور تجربہ و تحقیق ، قرآن کی کسی بات کو خلاف واقع اور خلاف نفس الامر ثابت نہیں کر سکتی۔ اور قرآن نے حقیقت و صداقت کی شناخت اور ان کے اثبات کا جو معیار مقرر کیا ہے ، دوسرا کوئی بھی

معیار ایسا نہیں ہو سکتا ۔

لیکن ہاں مذکورہ بالا دعاوی کی حقانیت اور صداقت کے معلوم کرنے کے لیے پہلے اس بات کا معلوم کرنا اور اس سے واقف ہونا ضروری ہے کہ۔ قرآن کی ترتیب اور طرز بیان اور طریق استدلال کی بنا کن اصول اور کس قسم کے قواعد پر ہے ۔ اور وہ افہام و تفہیم کے بارہ میں کیا اسلوب اختیار کرتا ہے اور اس کا موضوع کیا ہے اور غرض و غایت کیا ہے اور نصب العین کیا ہے جب تک یہ باتیں پہلے معلوم اور متعین نہ ہو جائیں قرآن کے مطالب اور مدعا کا سمجھنا مشکل ہے ۔ ع

چوں از اول الف با تا نخوانی ۔ ز قرآن حرف خواندن کے توانی

قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا قرآن کے مقاصد و حقائق اور جملہ وجوہ سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے جو عربی ادب سے پورا واقف ہو۔

قرآن ہی میں ہے کہ

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ	بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلایا جسے وہ
.... تا عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۔	سمجھ نہ سکے ۔ الخ

(پ ۱۱ ۔ ع ۸)

اس آیت کا ترجمہ اور تشریح اسی مجموعہ میں دوسری جگہ کر دی گئی ہے ۔

اسی لیے قرآن اپنے چیلنج میں ہر قوم و فرقہ کے اہل علم عقلا اور اہل دماغ

منکرین کو مخاطب کرتا ہے۔ عوام اور سطحی النظر لوگ ایسی باتوں کے مخاطب نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ ہمیشہ اپنے خواص اور عقلا کے تابع اور مقلّد ہوتے ہیں ؛

انصاف پسند اہلِ علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ قرآن کی جن بعض باتوں کو آج سے پہلے غلط یا محال قرار دیا جاتا رہا، آج کے فلسفہ اور سائنس اور نئی تحقیقات نے اُن کے وقوع اور امکان کو تسلیم کر لیا ہے ۔ تو یہیں سے سمجھ لینا چاہیے کہ جو باتیں قرآن کی اب تک پرکھی نہیں گئیں وہ بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں، وہ اس کا حق رکھتی ہیں کہ ان کو بھی تسلیم کیا جائے ؛

واضح ہو کہ قرآن اپنے بیان میں اس حکیمانہ اسلوب کو اختیار کرتا ہے کہ انسانوں کو ان کی فطری افتاد اور قلبی رحجانات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تخاطب کرے اور ہر معاملہ میں ان کے حالات کو مطمح نظر رکھ کر سمجھائے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اکثر مقامات میں حقائق سے اغماض کرتے ہوئے استعارات و مجازات کے رنگ میں تخاطب کیا ہے۔ مثلاً جہاں خدا کی حکومت اور اس کے مظاہر شاہنشاہیت کو بیان کیا ہے، وہاں خدا کی عظمت شان کو ایک جسمانی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور کنہہ میں لیس کمثلہٖ شیٔ (اس کی مثل کوئی شے نہیں) ہے ۔ مگر چونکہ انسانی دنیا میں جن مظاہر شوکت اور دبدبہ سے عظمت شان حاکمیت کے جاننے اور پہچاننے کے خوگر تھے۔ انہی مظاہر شوکت سے خدا کی بھی حاکمیت اور شاہنشاہیت کو بیان کیا گیا کہ وہ تختِ عرش عظیم پر

جلوہ گر ہے اور اس کے ستون ہیں اور زبردست فرشتے اٹھاتے ہیں۔ اور اس کی فوجیں ہیں اور خزانے بھی ہیں اور اس کے نظام میں ہر قسم کے محکمے اور دفاتر ہیں اور وہ مالک و حاکم کائنات اپنے فرامین و قوانین جاری فرماتا ہے جیسا کہ دنیا کے بادشاہ کیا کرتے ہیں، یہ اسلوب حکیمانہ بندوں کے فطری تقاضوں کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ خدا کی حاکمیت اور شاہنشاہی انہی مظاہر سے سمجھی جا سکتی تھی۔ ورنہ خدا تعالیٰ کی ذات مقدس نفس الامر میں اپنی کنہہ میں "لیس کمثلہٖ شئی" ہے۔ اس بات کو دوسری جگہ اسی کتاب میں ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ـــــ

بہرحال قرآن کی باتیں عقل و فہم سے باہر نہیں ہیں، لیکن دقیق باتوں کا معلوم کرنا بڑے عقلمندوں اور راسخین فی العلم کا ہی کام ہے۔ قرآن خود کہتا ہے، کہ مجھے بیوقوفوں سے سروکار نہیں۔ اسے عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں ؛

آں کتاب زندہ قرآن حکیم ؛ حکمت او لایزال است قدیم
نسخۂ اسرار تکوین حیات ؛ بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

قرآن کے کلام خدا اور اس کے معجز ہونے کے متعلق ہم نے مجموعہ ۱۵ "عالمی مشکلات کا یقینی حل" میں ص ۱۶۷ سے ص ۲۰۸ تک تفصیلی بحث کی ہے ؛

۱۱۳ - انسانی تمنائیں

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ دنیا کا عیش مدام
وائے تمنائے خام وائے تمنائے خام

یہ مسلمہ بات ہے کہ انسان کی آرزو اور دلی خواہش یہ ہے کہ اس کی زندگی دائم ہو، اور تندرستی ہو، راحت ہو۔ اور اس کی تمنا ہے کہ اس کی تمام خواہشیں پوری ہوتی رہیں، وہ بے فکری چاہتا ہے، آزادی کا طالب ہے۔ اور سلامتی و امن بھی چاہتا ہے۔

معزز ناظرین! آپ اور ہم اس وقت اگرچہ کسی بھی پوزیشن اور حیثیت میں ہوں، لیکن اس یقینی انجام سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک وقت، اس دنیا کو چھوڑ جانا ہے اور ہماری ساری تمنائیں اس دنیا میں پوری نہیں ہو سکتی — یہ ہماری تمنائیں فطرتی اور جائز اور استحقاقی تمنائیں ہیں۔ جس فطرت پر قدرت نے ہم کو پیدا کیا ہے اس فطرت کا ہی یہ تقاضا ہے کہ ہماری زندگی دوام چاہتی ہے پس معلوم ہوا کہ ہم مر کر بھی زندہ رہتے ہیں، بالکل معدوم اور فنا نہیں ہو جاتے۔ عقل اور حکمت بھی چاہتی ہے کہ ہم معدوم اور فانی ہونے والے نہیں، ورنہ ہمیں کتنی ہی حقیقتوں اور مسلمہ نظریوں سے انکار لازم آئے گا اور قدرت کو (خاکم بدہن) بے انصاف اور جانبدار ماننا پڑے گا، جس سے بے حد و شمار خرابیاں لازم

آنے کے علاوہ سلسلۂ نظامِ کائنات کو بے نتیجہ اور لغو ٹھہرانا پڑے گا، جس کو کم سے کم عقلِ انسانی بھی صحیح اور ممکن تسلیم نہیں کر سکتی ــــ مسلّمات انسانیت کے تحت میں آپ کی خدمات میں یہ قابلِ غور و فکر سچّی باتیں پیش کر رہا ہوں لہٰذا آپ بھی فطرتِ اصلیہ انسانیہ میں رہ کر ان باتوں میں غور و فکر کریں اور ماحولی، قومی، زمانی اور خاندانی بلکہ عہدی اور مذہبی خیالات سے بھی اس وقت بلند اور ایک طرف ہو کر سادگیٔ قلب و دماغ سے سوچنا اور بے رنگ عینک سے ان باتوں میں نظر کرنی چاہیے۔

ان میں سے جو باتیں ہماری حدِ عقل و ادراک میں آسکتی ہیں ان کو معیارِ عقلی و ادراک سے سمجھنا ہے ــــ اور جو باتیں ہماری عقل و ادراک سے پرے کی ہیں ان کو یقینی ذرائع سے حاصل کرنا اور عقل کی تجویز سے ہی ان کی تصدیق کرتی ہے۔ اور طمانیتِ قلب حاصل کرتی ہے۔

۱۴۔ پختہ عقیدے کی ضرورت

یہ ساری کائنات جو ہمارے سامنے اور ماحول میں ہمیں نظر آرہی ہے، اور جس کا ہم ہر وقت از خود مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے اور نہ یہ کوئی معمہ ہے، جس کے سمجھنے اور حل کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذہن، دماغ اور قلب کو تکلیف دینی پڑے ــــ پس ہم نے پہلے اس کائنات کو سمجھنا ہے پھر اپنے تعلق کو جو ہمارا کائنات کے ساتھ ہے اس کو معلوم کرنا ہے۔ پھر ہم نے

اپنی حقیقت اور خود شناسی میں غور و فکر کرنا ہے تاکہ کائنات میں جو ہمارا درجہ اور مرتبہ ہے وہ ہمیں معلوم ہو سکے اور ہم اپنے نفس اور خودی کو شناخت کر سکیں انہی باتوں اور حقیقتوں میں سادہ دلی سے غور کرنے سے ہمیں ایک پختہ عقیدے کی طرف رہنمائی حاصل ہوگی جو ہماری موجودہ اور آئندہ زندگی کے لیے محور اور مرکز بنے گا اور اس عقیدہ پر قائم اور مضبوط رہنے سے ہماری تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔

۱۱۵ ـ کائنات میں انسان کا مرتبہ اور مقام

عقیدے کی جڑ و بنیاد اس سے پیدا ہوتی ہے کہ کائنات میں انسان اپنے مرتبہ اور مقام کو معلوم کرے ـــ جب ہم اس سلسلہ میں غور و فکر کرتے ہیں تو انسان کو ساری کائنات میں اشرف و اکرم پاتے ہیں۔ انسان کے اوپر جس قدر بھی جسمانی اور عرضی کلیات ہیں، انسان کے لیے ہیں اور انسان کے بنانے اور سنوارنے میں شریک ہیں، جن سے انسان کا قوام بنتا ہے اور وہ بایں ہیئت کذائیہ نگاہوں کے سامنے آنے کے قابل ہوتا ہے۔ قرآن نے کہا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ تحقیق ہم نے بنایا آدمی اچھی ترکیب میں۔ (خوب اندازے پر)

انسان کے جثہ کا دیکھ لینا علم نہیں، بلکہ اس کی کلی حقیقت کو پا لینا، اور پھر اس کا ان کلیات سے ارتباط معلوم کر لینا علم ہے، جو ہر کس و ناکس کا کام نہیں بہرحال انسان من حیث الکل ان تمام کلیات کا محتاج ہے اور یہ کلیات

انسان کو موجود کرنے والی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو انسان موجود نہیں ہو سکتا ۔۔۔ پس معلوم ہوا کہ کائنات میں سے سارا سلسلہ بالواسطہ اور بلاواسطہ انسان کے لیے ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ کتنا بڑا عظیم الشان سلسلہ انسان کے لیے قائم کیا گیا ہے، اور پھر انسان کو اس میں تصرف کرنے کی قوت اور اختیار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔	زمین کی سب چیزوں کو تمھارے لیے پیدا کیا
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا	ہے اور اس نے آسمانوں اور زمین کی سب
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ ۱۳)	چیزوں کو اپنے فضل سے تمھارے کام لگا دیا ہے۔

پھر انسانیت میں سب انسان برابر ہیں، کوئی انسان بھی ان باتوں میں امتیازی شان نہیں رکھتا۔ انسان ہونے اور (عباد) بندے ہونے میں سب برابر ہیں۔ زمینی اور آسمانی نعمتیں سب کے لیے ہیں۔ زمین کے خزانے اور اس کی پیداوار، آسمان کی تاثیرات اور اس کے فیوض و برکات سب کے لیے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کارند ✿ تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ✿ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

غرضیکہ تمام انسان بلا امتیاز اصل میں، فطرت میں، بناوٹ میں، جسمیت میں اور اقتضائے طبیعت میں سب یکساں ہیں۔ ان باتوں میں کسی کو بھی کسی پر فضیلت اور بلندی نہیں۔ سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور ایک ہی

خاندان کے افراد ہیں۔ قومیت، وطنیت، نسل ورنگ اور زبان وغیرہ اور کسی دنیاوی پوزیشن کے بدلنے سے انسانیت تبدیل نہیں ہو جاتی ۔ خدا کا معاملہ بندہ ہونے اور انسان ہونے کے اعتبار سے سب کے ساتھ یکساں ہے خدا تعالیٰ سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ انسان سب کے سب ایک دوسرے کو اپنے جیسا سمجھیں۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر اور بلند سمجھے ۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے حاکمیت کا حق بھی اپنے لیے محفوظ رکھا ہے جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے ؞

ناظرین کے سامنے صحت عقیدہ کے لیے یہ باتیں پیش کی جا رہی ہیں ۔ یہ عقلی اور مسلمہ باتیں ہیں، جو ہماری حد عقل و ادراک میں داخل ہیں ۔ کوئی بات ایسی نہیں جو ہماری سمجھ سے بلند ہو ــــ انھیں باتوں میں غور و فکر کر کے ہم نے اپنے لیے ایک پختہ عقیدہ اور زندگی کے لیے ایک مسلک متعین کرنا ہے جو ہماری ساری زندگی کا محور اور مرکز ہو ؞

۱۱۶۔ انسانیت کی ساری مشکلات کا حل وحدتِ عقیدہ ہی میں ہے

عقیدہ ایک اختیاری نظریہ ہے یعنی اس کو پورے غور و فکر سے اختیار کیا جا سکتا ہے ۔ انسان کو اس کے لیے مخاطب کیا گیا ہے اور اس کے اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے ۔ یہ چیز توریثی نہیں ہے، کسبی اور اکتسابی ہے ــــ البتہ اس کے اختیار کرنے میں جن باتوں کو ہم نے تسلیم کرنا ہے وہ دو حصوں پر تقسیم ہوتی ہیں ۔

ایک وہ حصّہ ہے جن کا تعلق ان امور سے ہے جو ہمارے علم و عقل سے باہر نہیں بلکہ ہمارے ادراک کی حد میں داخل ہیں ۔

دوسرے وہ امور ہیں جو ادراک حد سے باہر ہیں اور ماوراء ہیں — ان کے متعلق ہماری عقل اور علم ایمان بالغیب لانے کی دعوت دیتے ہیں اور ہماری فطرت ان کی تصدیق کرتی ہے — تو وہ امور بھی اسی اعتبار سے ہمارے علم واختیار میں داخل ہیں ۔

بہرحال عقیدہ وہ چیز ہے جس کو انسان خود سوچ سمجھ کر اختیار کر سکتا ہے ۔ یہ توریثی اور تقلیدی چیز نہیں — البتہ فطرتی چیز ہے — لیکن اس کو اختیاراً اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے ۔

عقیدہ قومی ، نسلی ، رسمی اور فرقہ دارانہ چیز نہیں ، بلکہ فطرتی ، علمی ، عقلی اور اصولی شے ہے اور بین الانسانی مشترک چیز ہے ۔

۱۱۷ - عقیدہ ہے کیا چیز ؟ | اس کو متعدد پیراؤں میں آپ کے سامنے بیان کیا جائے گا ۔

مختصراً اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ انسانی زندگی کا "محور" اور اس کے علم و عمل کا مرکز ہوتا ہے ۔

عقیدے کی ابتدا انسان کی اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے ۔ جب بندہ اپنے آپ پر دھیان کرتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں ، کہاں سے آیا ہوں ، کہاں جاؤں گا ۔

(۲) اس بارہ میں یہ بھی سوچنا ہے کہ میرا دیگر بنی نوع انسان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

(۳) اور یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ۔ باقی مخلوقات کے ساتھ کیا تعلق ہے اور میرا ان کے درمیان کیا درجہ اور مقام ہے۔

(۴) اس میں بھی غور کرنا ہوگا کہ میں اپنے اندر کیا کیا اختیار رکھتا ہوں، اور کن باتوں میں مجبور اور کہاں تک آزاد ہوں۔

(۵) اور اپنے لیے سوچ سمجھ کر کسی مذہب کو بھی اختیار کرنا پڑے گا۔ مذہب کیا ہے اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے۔

۱۱۸ — اسلام کا بنیادی اصل

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!

اسلام کی بنیادی اصل خدا کی توحید ہے۔ اور ایک خدا کے سوا ہر طاقت اور فرماں روائی سے انکار ——— اس نظریہ وحدت کا نتیجہ انسانی وحدت اور مساوات ہے۔ جب تک خدا کی وحدت پر ایمان نہ ہو، اور عمل سے اس کا ثبوت پیش نہ کیا جائے، انسانی وحدت اور مساوات کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ پس خدا کی وحدت کا عقیدہ ہی وہ اصل ہے جس سے نسلی وحدت اور انسانی مساوات کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اور پھر ان سے تمدن اور معاشرت و معیشت کا پائدار نظام قائم ہو سکتا ہے ——— متفرق خداؤں پر ایمان یا ایک خدا کے

ساتھ دوسری طاقت کی شرکت ہمیشہ نسلِ انسانی میں رخنہ پیدا کرتی رہی ہے اور رہے گی اور وحدت کی کوئی اساس قائم نہیں ہو سکے گی، جو انسانی افراد کو ایک لڑی میں منسلک کر دے۔

اسلام نے تمام طاقتوں کا سرچشمہ خدا کی ذات کو قرار دیا ہے، اس کی نظر میں انسان صرف خدا کا خادم ہے۔ اور خدا کی ساری مخلوق انسان کے لیے خادم بنائی گئی ہے۔

۱۱۹ — وحدتِ عقیدہ کا اعلان

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمھیں پیدا کیا اور انھیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے تمھارے کھانے کے لیے پھل نکالے۔ سو کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو — اور اگر تمھیں اس چیز پر شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے، تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس قدر تمھارے حمائتی ہوں،

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۔ (بقرہ ع ۲) بلالو، اگر تم سچے ہو ۔

تشریح: قرآن چونکہ کسی قوم، کسی قبیلہ، کسی ملک اور کسی خاص زمانہ کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے اس نے نہ تو مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے نہ کسی خاص قوم کو، بلکہ تمام انسانوں کو پکارا ہے اور ان سے کہا ہے کہ تم اس ہستی کی عبادت کرو جس نے تمام عالم کی تربیت کی ہے اور جسے رب کہا جاتا ہے۔ اور جس نے نہ صرف تم کو بلکہ تم سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور جب پیدا کرنے والا وہی ہے، تو عبادت بھی اس کی ہونی چاہیے ۔

یہ ہے قرآن کا اعلان جس میں خدا تعالیٰ پر ایمان لانے اور اسی کی عبادت اور پرستش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور استحقاق عبادت کے لیے ہر ایک انسان کے سمجھ میں آنے کے واضح اور روشن دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ اس بات پر بھی ایمان لاؤ کہ یہ قرآن میری نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ اگر تمہیں اس بات میں شک و تردد ہو تو تم بھی کوئی اس جیسی سورت بنا لاؤ۔ پس اگر ساری قوت صرف کر کے بھی ایک چھوٹی سی سورت کا مقابلہ نہ کر سکو تو سمجھ لو کہ یہ انسانی طاقت سے نہیں بلکہ خدائی طاقت سے نازل ہو رہا ہے۔ پھر اس کی مخالفت چھوڑ دو تاکہ عذاب الٰہی سے بچ سکو ۔

حکمت، زمین و آسمان اور بارش اور پھلوں کے بعد قرآن حکیم کے متعلق متصل ہی

ذکر کرنا اس حکمت کے تحت ہے کہ جیسا کہ مذکورہ بالا کاموں کے کرنے والا میرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا! اسی طرح ایسی کتاب کا مصنف بھی میرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ۔

اور جیسا کہ مذکورہ بالا چیزوں سے تمھاری جسمانی زندگی اور راحت کا سامان مہیا کیا گیا ہے، قرآن کو تمھاری روحانی اور دائمی زندگی کا سامان قرار دے کر نازل کیا ہے۔ پس جیسا کہ دنیاوی زندگی کے لیے بارش ہے اسی طرح اخروی زندگی کے لیے قرآنی بارش رحمت ہے اور ہدایت ہے ۔

بہر حال جیسے کہ خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں۔ اس کے قرآن جیسا قرآن بلکہ اسکی ایک سورت جیسی سورت بنانی بھی محال ہے ۔

باقی رہی یہ بات کہ انسان ایسی کلام نہیں بنا سکتا۔ اور قرآن کا اعجاز کس اعتبار سے ہے ۔ اس کے متعلق مفصل بحث ہم نے کتاب مسمی "یہ چیلنج قرآن ساری دنیا کے نام" میں کی ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب میں بھی دوسری جگہ قدرے بیان کیا ہے ۔

اور اس آیت میں وحدت عقیدہ کی دعوت بھی ہے۔ یعنی میں ہی بلا شرکت غیرے تمھارا خالق اور تمھارے پھلوں کا خالق ہوں۔ زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنانے والا ہوں، بارش برساتا ہوں پھر اس سے پھل پیدا کرتا

ہوں اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ میری نعمتیں سب کے لیے ہیں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے تم سب ایک درجہ پر ہو۔ تم ایک ہی ماں باپ کی سب اولاد ہو اصل میں سب ایک ہو، نسل میں ایک ہو، فطرت میں ایک ہو، انسانیت میں اور بشریت میں ایک ہو اور سب ایک ہی خاندان کے افراد ہو —— پس ان وحدتوں میں برابر ہوتے ہوئے تمھیں سے کسی کو حق نہیں ہے کہ دوسرے سے اپنے کو بہتر یا افضل خیال کرے —— باقی مال و دولت، قومیت و وطنیت نسلیت و رنگیت اور کوئی محض دنیاوی پوزیشن و حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ترجیح اور افضلیت کی چیزیں نہیں ہیں اور نہ اوپر کی وحدتوں میں تقسیم و تفریق کا باعث ہو سکتی ہیں۔

۱۲۰۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی مساوات کا عام اعلان!

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (پ ۲۶ - ع ۱۴)	اے لوگو! ہم نے تم کو عورت اور مرد کے جوڑے سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہارے گروہ بنا دیے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ لیکن یاد رکھو خدا کے نزدیک معزز وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ خدا پرست ہے۔ بلاشبہ خدا علیم بھی ہے اور خبیر بھی!

تشریح: اس آیت کے ذریعہ انسانی مساوات کا عام اعلان کیا گیا ہے، اور

اور نسل پرستی، قبائل پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی اور دوسری تمام پرستیوں کے خلاف آخری بات کہہ دی گئی ہے — فرمایا کہ تمام انسان عورت اور مرد کے جوڑے سے پیدا کیے گئے ہیں، اور پیدائش کے لحاظ سے سب کی حقیقت برابر ہے۔ گروہ اور قبیلے صرف اس لیے مقرر کیے گئے ہیں کہ تمھیں ایک دوسرے کو شناخت کرنے میں آسانی ہو۔ اس لیے نہیں کہ تم دوسروں پر بڑائی جتاؤ اور کہتری اور بہتری کا معیار تو انسان کا اپنا کردار ہے۔ پس جو شخص سب سے زیادہ خدا پرست اور راست باز ہو گا اسی کو اعزاز و اکرام ملے گا اور اسی کو برتر اور مقدم سمجھا جائے گا، خواہ اس کا تعلق کسی گروہ سے ہو، پس انسان سب برابر ہیں اور برتری کا معیار انسان کا اپنا کردار ہے۔ تمھیں ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کا حق ہی نہیں۔ تم سب کا ماں باپ تو ایک ہے۔ معزز تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔

۱۲۱ - عقیدہ ایمان باللہ میں اختلافات کی وجہ!

تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

حق شناس جہاں بھی ہوئے اور جس دور میں بھی ہوئے، ان سب نے حقیقت کو ایک رنگ میں دیکھا ہے۔ بیشک انھوں نے تعبیریں مختلف کی ہیں۔ انھوں نے جن الفاظ میں اپنی قومی زبان میں اس حقیقت کی تعبیر کی وہ زمانہ

ماحول اور مزاج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا تھی۔ کم نگاہوں نے اس تعبیر کو اصل سمجھ لیا اور لگے آپس میں لڑنے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان آپس میں ایکدوسرے کے دشمن بن گئے۔ یہی اصل ہے اختلاف عقائد کی۔ لوگوں نے "حبل اللہ" کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے تعصبات کو خدا سمجھ لیا۔ مثلاً خدا اور بندے کے تعلق کو کسی نے بیٹے، اور باپ سے تعبیر کیا، اور کسی نے "حلول" سے۔ الغرض ہر قوم نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق اس ما فوق التعبیر تعلق کو عام فہم بنانے کی کوشش کی۔ مقصود سب کا ایک ہی تھا۔ لیکن تعبیریں جدا جدا ہو گئیں، اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان تعبیروں کی وجہ سے اصل "حقیقت" پر پردے پڑنے لگے۔ آخر قرآن آیا تو اس نے اس تعلق کو اس طرح پیش کیا کہ پہلے توہمات اور گمراہیوں کا سدباب بھی ہو جائے اور ہر ملت اور ہر گروہ خالق اور مخلوق کے باہمی رشتہ کو بآسانی سمجھ بھی لے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے حکیمانہ اسلوب سے اپنی اصلی ذات مقدس کی کنہہ کو "لیس کمثلہ شیٔ" میں ظاہر فرما کر ہر قسم کی بت پرستی اور مظاہر پرستی کا استیصال فرما دیا۔ یعنی دنیا اس عالمگیر تاریکی میں پڑی ہوئی تھی کہ دفعتہً قرآن نے آکر ان تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اور بتایا کہ۔ خدا واحد محض ہے، اور زمان ومکان، جہت واشارہ، تحت وفوق ہر قسم کے قیود وخصوصیات سے مبرا ہے۔ یہ وہ تقدیس وتنزیہہ تھی جس پر

یورپ نے حیرت ظاہر کی اور گبن نے کہا کہ جب زمان و مکان و جہت و اشارہ تمام خصوصیات کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے ۔

ایسی تقدیس کی بنا پر قرآن نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ — خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر دلوں میں نہ آسکے — ہندو ۔ مصری ۔ صابی ، رومن کیتھولک سب خدا کی تصویر کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے ، اس وجہ سے بت پرستی میں مبتلا تھے ۔

لیکن اسلام میں باوجود سینکڑوں فرقوں کے پیدا ہو جانے کے ..... کبھی کسی فرقہ کو آج تک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا ۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ اسطرح کرایا ہے:

۱۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي	تھامنے والا ، نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے نہ
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ	نیند ۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے
يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ	سب اسی کا ہے ۔ ایسا کون ہے جو اس کی
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا	اجازت کے سوا اس کے ہاں سفارش کر سکے ۔
يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا	مخلوقات کے تمام حاضر اور غائب حالات
شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ	کو جانتا ہے اور وہ سب اس کی معلومات
وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا	میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۔

(پ ۲ - ع ۱۶)

وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی اور وہی سب سے برتر عظمت والا ہے ⊙

۲۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں سب چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا امن دینے والا نگہبان زبردست، خرابی کا درست کرنے والا، بڑی عظمت والا ہے۔ اللہ پاک ہے اس سے جو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں، وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا ٹھیک ٹھیک بنانے والا، صورت دینے والا اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے ⊙

۳۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

(پ۱۸۔ ع۱۰)

نور کی مثال ایسی ہے جیسے کسی طاق میں چراغ ہو چراغ شیشے کے قندیل میں ہے۔ قندیل گویا کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارا ہے زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف، اس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے، اگرچہ اسے آگ نے نہ چھوا ہو۔ روشنی پر روشنی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

۴ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۵ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ (پ۳۰)

کہہ دو وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔

اس قسم کے بیسیوں جواہر ریزے جن سے یہ گنج شایگاں جگمگا رہا ہے، تشکک والحاد کی نگاہ کو خیرہ کرنے کے لیے پیش کیے جا سکتے ہیں۔

لیکن کیا کوئی شخص جو ذرا بھی انصاف پسند ہے دعویٰ کر سکتا ہے، کہ خدا تعالیٰ کا وہ تصور جو ان آیات میں غور کرنے سے ذہن انسانی میں پیدا ہوتا ہے۔ شان تجسّم و تمثّل لیے ہوئے ہے؟ یا ان صفات ہیں جو ان آیات میں گنائی گئی ہیں، کوئی صفت ایسی ہے جو مطلقاً انسان میں پائی جاتی ہو؟

اس مسئلہ میں قرآن کا مقصد اصلی مذاہب کی تغلیط نہ تھی، بلکہ دین کا ایک ایسا عالم گیر تصوّر پیش کرنا تھا جو سب کی سمجھ میں آجائے اور اس سے پہلے کی طرح غلطیاں پیدا نہ ہوں ؞

۱۲۲۔ اس عقیدہ کے اثرات اس عقیدۂ توحید کا اثر یہ ہوتا ہے کہ

۱۔ انسان تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔۔۔ اس لیے کہ اس کا خدا زمین و آسمان کا خالق، مشرق و مغرب کا مالک، تمام جہان کو پالنے والا ہے، اس عقیدے کے بعد کوئی چیز بھی اس کو غیر نظر نہیں آتی۔ وہ سب کو اپنی طرح ایک ہی کی ملکیت اور ایک بادشاہ کی رعیت سمجھتا ہے، اور اس کی نظر ویسی ہی غیر محدود ہو جاتی ہے، جیسے خود خدا کی بادشاہی غیر محدود ہے ؞

۲۔ یہ عقیدہ انسان میں انتہا درجہ کی خودداری اور عزت نفس پیدا کر دیتا ہے اس لیے کہ اس پر اعتقاد رکھنے والا جانتا ہے کہ خدا تمام طاقتوں کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی نفع و نقصان پہنچانے والا نہیں۔ کوئی رزق دینے والا نہیں۔ کوئی مارنے جلانے والا نہیں۔ کوئی صاحب اختیار اور با اثر نہیں۔ یہ علم و

یقین اس کو خدا کے سوا تمام قوتوں سے بے نیاز و بے خوف کر دیتا ہے۔ پھر اسکی گردن مخلوق کے سامنے نہیں جھکتی۔ نہ اس کا ہاتھ کسی کے سامنے پھیلتا ہے ÷

۳۔ خودداری کے ساتھ یہ عقیدہ انسان میں انکساری بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کا قائل متکبر اور مغرور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے خدا کا ہے۔ اس کا دیا ہوا ہے۔ جیسے وہ دینے پر قادر ہے، چھین لینے پر بھی قادر ہے ÷

۴۔ یہ عقیدہ رکھنے والا اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ نفس کی پاکیزگی اور نیک عمل کے سوا فلاح و نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایسے خدا پر اعتماد رکھتا ہے جو بے نیاز ہے، کسی سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا، نیک عمل اور پاکیزگی اس کے یہاں قرب و مقبولیت، کا ذریعہ ہے ÷

۵۔ یہ عقیدہ رکھنے والا کسی حال میں مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ ایسے خدا سے تعلق رکھتا ہے جو زمین و آسمان کے سارے خزانوں کا مالک ہے، جس کا فضل بے حد و بے حساب ہے۔ اور جس کی قوتیں بیشمار ہیں۔ یہ ایمان اس کے دل کو غیر معمولی تسکین اور اطمینان سے بھر دیتا ہے، اور ہمیشہ امیدوں سے لبریز رکھتا ہے۔ چاہے وہ دنیا کے تمام دروازوں سے ٹھکرا دیا جائے سارے رشتے ٹوٹ جائیں، تمام وسائل و ذرائع اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ پھر بھی خدا کا سہارا کسی حال میں کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اور اسی بل بوتے پر وہ

ں امیدوں کے ساتھ کوشش کیے چلا جاتا ہے، یہ اطمینان قلب عقیدۂ توحید کے سوا اور کسی عقیدہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

۶ - یہ عقیدہ انسان میں اولوالعزمی اور صبر و توکّل کی زبردست طاقت پیدا کر دیتا ہے، وہ جب خدا کی خوشنودی کے لیے بڑے بڑے کام انجام دینے اٹھتا ہے تو اس کے دل میں یقین ہوتا ہے کہ میری پشت پر زمین و آسمان کے بادشاہ کی قوّت ہے، یہ خیال اس میں پہاڑ کی سی مضبوطی پیدا کر دیتا ہے۔ اور دنیا کی ساری مشکلات اور مصیبتیں اور مخالف طاقتیں مل کر بھی اس کو اپنے عزم سے نہیں ہٹا سکتیں۔

۷ - یہ عقیدہ انسان کو بہادر بنا دیتا ہے۔ بزدل بنانے والی دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک جان اور مال اور بال بچوں کی محبّت۔ دوسرے یہ خیال کہ خدا کے بغیر کوئی اور مارنے والا ہے۔ اور یہ کہ آدمی اپنی تدبیر سے موت کو ٹال سکتا ہے یہ عقیدہ ان دونوں چیزوں کو دل سے نکال دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس عقیدے کا قائل اپنی جان و مال اور ہر چیز کا مالک خدا ہی کو سمجھتا ہے۔ اور اس کی خوشنودی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے نزدیک جان لینے کی قدرت کسی انسان یا حیوان یا توپ یا تلوار یا کسی لکڑی یا پتھر میں نہیں ہے۔ اس کا اختیار صرف خدا کو ہے اس نے موت کا جو وقت مقرر کر دیا ہے اس کو کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا —— یہی وجہ ہے کہ خدا پر عقیدہ رکھنے والے سے زیادہ

بہادر دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے پر ہر ایک تدبیر ناکام ہو جاتی ہے۔ جب وہ خدا کے لیے خدا کے راہ میں لڑنے کے لیے بڑھتا ہے تو اپنے سے دس گنا طاقت کا منہ پھیر دیتا ہے ع

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۸ ۔ یہ عقیدہ انسان میں قناعت اور بے نیازی کی شان پیدا کر دیتا ہے۔ حرص، ہوس، رشک اور حسد کے جذبات دل سے نکال دیتا ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے ناجائز اور طریقے اختیار کرنے سے اس کو روک دیتا ہے ۔۔۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ رزق ۔ عزت، طاقت، نام وری، اور حکومت سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے، وہ اپنی مصلحتوں کے لحاظ سے جس کو جس قدر چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ ہمارا کام صرف اپنی حد تک جائز کوشش کرنا ہے۔ کامیابی اور ناکامی خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ وہ اگر دینا چاہے تو کوئی طاقت روک نہیں سکتی ۔۔ اور اگر نہ دینا چاہے تو کوئی طاقت دلا نہیں سکتی ۔

بہرحال یہ عقیدۂ توحید، انسانیت کے اخلاق و صفات حسنہ کو ابھار کر اس کی زندگی کو ان پر مضبوط کر دیتا ہے ـــــ یہی اعلیٰ نصب العین ہے جو تمام انسانوں کو اپنے میں سمیٹ لیتا ہے ۔

یہ ہے اسلام کا مقصد اور پروگرام ۔! اسلام کو اسلام ہی کے مطالعہ سے سمجھنا چاہیے ۔ موجودہ مسلمانوں کے موجودہ اکثر حالات سے اسلام کی اصلیت

اور حقیقت معلوم نہیں ہو سکے گی۔ اس وقت اکثر مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح غفلت میں پھنس کر دین سے بے خبر ہو رہے ہیں ٭

البتہ خیر قرون کے مسلمانوں میں سے بعض عاشقانِ خدا کے جذبات ایمان کی کیفیت و حالت کو اس موقعہ پر بطور نمونہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ پہلی عزیز و محبوب چیز کے قربان کرنے سے ہی دوسری زیادہ عزیز اور محبوب ترین چیز حاصل ہوتی ہو، تو انسان خوشی خوشی پہلی چیز کو دوسری کے لیے قربان کرتا ہوا نظر آ رہا ہے ٭

۱۲۳۔ انسانی تاریخ کی دلچسپ کہانی اور حیات ابدی کیلیے قربانیاں

انسان کی پوری تاریخ ایک دلچسپ کہانی ہے، حیات اور اسباب حیات کے لیے لگاتار تگ و دو ہے۔ تنعم اور خوشی عیش کے اسباب کی پیہم جستجو ہے۔ راحت و خوش حالی کی مسلسل تلاش ہے۔ یعنی ایک مسلسل تنازع اور کشمکش کی تاریخ ہے جو زندگی اور اس کی راحتوں کے لیے انسان اور انسان کے درمیان ہمیشہ سے بپا ہے ٭

اس جہان میں انسان کو زندگی میں عیش و آرام کی بہت سی چیزیں ملتی رہیں اور اب تک مل رہی ہیں ـــ مگر ان کے ساتھ اس کی سب سے محبوب ترین دو چیزیں یعنی بقائے جوانی و راحت اور دوام زندگی۔ یہ نہ مل سکیں اور دنیا میں یہ مل بھی نہیں سکتیں بلکہ ان گراں قدر محبوب چیزوں کا حصول اس دنیا کے بعد

دوسرے جہاں میں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے تسلسل میں ایسے طویل اور مختصر وقفے بھی ملتے ہیں جہاں انسان دوسرے قسم کے مقاصد کی طرف متوجہ اور ان کا شیدائی اور ان کی راہ میں ہنسی خوشی جان دیتا ہوا نظر آتا ہے اور موت کے مواقع کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش ہو رہی ہے —

یہ وہ زمانے ہیں جن میں ایسی شخصیتیں پائی گئیں جنھوں نے انسانوں کے سامنے ایسے اعلیٰ حقائق پیش کیے — جو دنیا کی زندگی اور اس کے سامان عیش و راحت سے بھی زیادہ محبوب و مطلوب ثابت ہوتے ہیں — وہ ایسے حقائق ہیں جن کے سامنے مادیات و محسوسات کا وجود بھی ماند پڑ جاتا ہے، اور ان اَن دیکھی حقائق کا وجود آدمی کو ان مادیات و محسوسات سے زیادہ واضح اور یقینی محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس بنا پر ہزاروں نفوس بشری ایسے اعتقاد اور یقین کے ساتھ ان مستور حقائق پر جھک پڑتے ہیں جو مادیات و مشاہدات اور تجربیات کے ایمان و یقین سے بدرجہا زیادہ پختہ اور گہرا ہوتا ہے، اور غیبی حقائق کی راہ میں موت کی ایسی حرص ان مومنین میں نظر آنے لگتی ہے کہ شاید زندگی کے پرستار زندگی کے لیے بھی ایسے حریص نہ ہوتے ہوں گے۔

طبائع بشری میں اتنا بڑا انقلاب کر دینے والی ہستیاں انسان کی حُب بقا اور حُبِ دوام کی خواہش کو ایک دوسری دنیا کی طرف پھیر دیا کرتی ہیں۔ جو اس جہان فانی سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور جس کی ابدی زندگی انسان کی

فطرت حریص کے لیے اس دنیا کی محدود و مقید زندگی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ موزوں ہے *

اور یہ وقفے انسانی تاریخ کے وہ لمحے ہیں جن میں انبیاء آئے اور ایمان بالغیب پھیلا، اور وہ روشنیاں ہیں جو تاریخ کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں *

تاریخ کے ان وقفوں میں سب سے زیادہ طویل، زیادہ اثر انداز محیر العقول اور تاریخ پر گہرے اثر چھوڑنے والا وہ وقفہ ہے جو نبی عالم محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے وجود میں آیا ـــ یہ وقفہ ایک ایسا تاریخی موڑ ہے جس نے انسانیت کے ذوق، اس کی خواہشات اور رجحانات میں ایک عظیم تغیر اور انقلاب برپا کر دیا ـــ اس وقفہ میں انسان پر یہ حقیقت کھلی کہ ستاروں سے آگے جہان اور بھی ہے ـــ اس وقفہ کے اثرات نے دنیا کی زندگی کو اس طرح ٹھکرا دیا جس طرح جواہرات کی جستجو میں سنگریزوں اور کنکریوں کو ٹھکرا دیا جاتا ہے ـــ اور اس وقفہ میں لوگ ایسی زندگی سے روشناس ہوئے جو فی الحقیقت زندگی کہلانے کی مستحق ہے۔ اس پر نہ فنا طاری ہو سکتا ہے اور نہ زوال آ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی غم و خوف اس زندگی میں انسان کو ستا سکتا ہے *

شہادت کی موت گو اس زندگی میں حصہ پانے کے لیے شرط نہیں ـــ مگر چونکہ وہ ایک ایسا پل ضرور ہے جو آدمی کو اس تک بلا روک ٹوک پہنچانے میں کبھی خطا نہیں کرتا، اس لیے جیسے ہی لوگوں پر یہ حقیقت کھلی اس پل کو پار کرنے

کے لیے دوڑ پڑے، اور اس پر سے گذر جانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔
ایک[ف] مرتبہ نبی عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ پکار ہوئی کہ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی اٹھ کھڑے ہو اس جنت کی طرف جس کا عرض زمین اور آسمانوں کی برابر ہے، تو اس وقت عمیر بن الحمام انصاری چھوارے کھا رہے تھے، چھواروں کو یہ کہہ کر پھینک دیا کہ کون کھا چکنے کا انتظار کرے، اسلحہ سنبھال دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور خاک و خون میں تڑپتے ہوئے شہادت کے پل پہ سے گذر گئے۔

۲۔ اسی طرح ایک اعرابی رسول اللہ سے آکر بیعت کرتا ہے اور اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اس جگہ تیر کھانے کی بیعت کر رہا ہوں کہ شہادت کے پل سے گزر کر جنت میں جاؤں۔

۳۔ ایک بوڑھا صحابی عمرو بن الجموع جو جنگ سے معذور تھے، انھیں معلوم ہوا کہ حضور عزم جہاد فرما رہے ہیں، تو ہمرکابی کا تہیہ کر لیا۔ ان کے بیٹے نوجوان بھی جہاد میں ساتھ جا رہے تھے۔ انھوں نے روکنا چاہا کہ ہمارا جانا آپ کی طرف سے بھی کافی ہے۔ نہیں مانے۔ بات حضورؐ تک پہنچی۔ حضور نے بھی بیٹوں کی تائید فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ تم تو معذورین میں بھی داخل ہو! جہاد معاف ہے۔ آخر بچوں کی طرح مچل گئے، اصرار سے اجازت چاہی۔ آخر غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔
یہ نشہ بڑوں ہی میں نہ تھا بلکہ چھوٹی عمر کے بچے بھی اسی میں مگن تھے۔

ف۔ موتِ شہادت کے متلاشیوں کے چند واقعات۔ ۱۲

۴ - عمیر بن ابی وقاص رضؓ نونہالوں میں سے تھے۔ ایک غزوہ کے موقعہ پر اسلامی فوجوں میں اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے کہ کہیں حضورؐ نہ دیکھ پائیں اور کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیں۔ اتفاقاً ان پر ان کے بڑے بھائی سعد بن ابی وقاص رضؓ کی نظر پڑ گئی۔ پوچھا تو کہا کہ نبی کریمؐ سے چھپتا ہوں، کہیں بچپن کی وجہ سے واپس نہ کر دیں اور مجھے شہادت کا شوق بے چین کیے ہوئے ہے ـــ لیکن حضور کی نظر اس پر پڑ ہی گئی۔ وہی ہوا جس کا اس کو خطرہ تھا۔ یعنی حضور نے روک دیا کہ تم ابھی بچے ہو، نہیں جا سکتے۔ آخر انھوں نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا ـــ القصّہ حضورؐ نے اجازت دے دی - پس جب ان کے بھائی نے ان کی کمر میں تلوار لگائی تو تلوار کا پرتلہ ان کے چھوٹے جسم پر فِٹ نہ آسکا۔ آخر اس میں گرہ لگائی گئی۔ آخر گئے اور شہادت سے سرخرو ہوئے ؛

۵ - رافع بن خدیج رضؓ کا بھی ایسا ہی قصّہ ہے۔ عمر ۱۵ سال سے کم ہے، قامت سے بھی کم عمری ظاہر ہے۔ مگر شہادت کے شوق سے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر دکھاتے ہیں کہ کم عمری عیاں نہ ہو، مگر ان تدبیروں سے بچپن کب چھپ سکتا ہے۔ لہٰذا حضورؐ ان کو واپس کر دیتے ہیں - آخر ان کا باپ اپنے لختِ جگر کے لیے سفارش کرتا ہے - اللہ اللہ، کیا منظر ہے، باپ اور جنگ کا کھیل کھیلنے کے لیے بچے کی سفارش کہ حضور اس کو جانے دیجیے - آخر اجازت مل گئی ـــ پاس ہی رافع کے ہمجولی سمرہؓ بن جندب یہ تماشا دیکھ رہے تھے؛ ان سے بھی رہا نہ گیا

عرض کیا کہ اگر ان کو اجازت ہے تو حضور مجھے بھی لے جانا پڑے گا۔ میں ان سے زیادہ طاقت ور ہوں، کشتی کرالی جائے ـــــ آخر حضور کے کہنے سے کشتی لڑے۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ پس سمرہ کو بھی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت مل گئی ٭

یہ ہے وہ ناقابلِ تسخیر قوّت جو رسالت کی تعلیمات نے عرب کے مسلمانوں میں پیدا کر دی تھی۔ اس قوّت کے ساتھ جب وہ اٹھے پورے عالم کو زیر و زبر کر ڈالا۔ نصف صدی کے عرصہ میں دنیا پر تسلط جما لیا۔ سرکش اور طاقت ور قوموں کو زیر کر دیا ـــ یہی وہ قوت تھی جس کے سامنے روم و ایران نے اپنی ہزاروں گنا زیادتی قوّت کے باوجود گھٹنے ٹیک دیے۔ اسی قوّت نے مغرب میں بربر مشرق میں ترک و افغان اور علاقہ سندھ میں جاٹوں اور ٹھاکروں کو عربوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا ٭

مسلمانوں کی لڑائی تو خدا کے لیے تھی تاکہ اس کا حکم بلند ہو اور دنیا میں امن و سلامتی قائم ہو۔ کیونکہ دنیا کے عوام (موجودہ اس زمانے کی طرح) وقت کی استبدادی حکومتوں اور طبقاتی جنگوں، قومی اور نسبی امتیازات اور سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی لوٹ گھسوٹ اور جارحانہ خود غرضیوں اور بد اخلاقیوں، اور بے انصافیوں کی وجہ سے قسم قسم کی مصیبتوں میں گرفتار تھے اور اطمینان و سکون مفقود تھا ٭

مسلمانوں کی لڑائی "انسانیت" اور "انسانی" برادری کے لیے تھی، کیونکہ اسلام کا رجحان تمام تعصبات کے خلاف تھا جو نسل و وطن اور قوم کے امتیازات سے پیدا ہوتے ہیں — اور خدا، جماعت کی تنگ نظری و نسلی و وطنی غرور و کبر اور جماعتی برتری کے غلو کو پسند نہیں کرتا۔ اور نہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندوں کو ستایا جائے اور ان پر ظلم کیا جائے اور ان کی آبرو ریزی کی جائے اور نہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ شرارتیں پھیلا کر اور فسادات برپا کر کے اس کے بندوں کو پریشان کیا جائے۔

مسلمانوں کو یقین تھا کہ جنت بھی ملے گی اور خدا بھی راضی ہو گا، اس لیے انھوں نے دنیا کی زندگی اور اس کی عیش و عشرت کے مقابلہ میں شہادت و جنت کی طلب اور خدا کی رضامندی کے لیے تلواروں کی چھاؤں اختیار کی۔

دوسری قومیں دنیا کی زندگی کی ہوس کے لیے لڑتی تھیں کہ جان بچ جائے یعنی انھوں نے اپنی دنیاوی زندگی اور اس کی لذتوں کی حفاظت کے لیے تلوار اٹھائی — فتح و شکست اٹل قانون ہے کہ جو زندگی کو ہیچ سمجھتا ہے اور موت کے خطرے کو دل میں نہیں لاتا۔ وہ جیتتا ہے، اور جسے زندگی پیاری ہوتی ہے وہ مات کھاتا ہے۔

۱۲۴۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی

مناسب ہے کہ انسانی زندگی کے متعلق قدرے تفصیل سے بحث کی جائے۔

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کی فطرت اور جبلّت میں زندگی اور راحت کی محبت بھری ہوئی ہے اور وہ ساتھ ساتھ ان کے بقا اور دوام کا متمنی بھی چلا آرہا ہے۔ لیکن دنیا میں زندگی اور راحت ایک محدود زمانہ تک تو مل رہے ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں بقا اور نہ دوام حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زندگی دنیا کے معاشی دائرہ تک محدود نہیں ہو سکتی۔ زندگی دوام چاہتی ہے اور وہ اس دنیا میں ہی ختم نہیں ہو جاتی اور نہ اس کو ختم ہونا چاہیے۔ فطرت انسانی اس کا تقاضا کرتی ہے اور عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے اور مخبرین صادقین کی جماعت جن کے صدق پر دلائل قطعیہ قائم ہیں، اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کی خبریں دیتے چلے آئے ہیں جس کو زندگی آخرت کہا جاتا ہے ۔۔۔ یعنی یہ سارے کا سارا عالم جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ اور یہ زمین اور آسمان، سب کے سب توڑ پھوڑ کر ختم کر دیے جائیں گے۔ اور اس سارے کے سارے ہنگامہ کو بدل دیا جائے گا۔ اس عالم فانی کے بعد پھر دوسرا غیر فانی عالم قائم ہوگا جس میں تمام انسانوں کو دوبارہ غیر فانی زندگی حاصل ہوگی۔ وہ زندگی اس موجودہ زندگی سے بھی کئی گنا زیادہ باشعور زندگی ملے گی وہ انسانی زندگی اس موجودہ زندگی انسانی سے کامل ہوگی اور غیر فانی ہوگی۔ اُس زندگی میں اس دنیاوی زندگی کے اعمال کے نتائج اور ثمرات پورے پورے دیے جائیں گے اور بیشک ایسا ہونا بھی چاہیے۔ فطرت انسانی اس کا شدید تقاضا کرتی ہے اور عقل سلیم

بھی اس کو تسلیم کرتی ہے ؛

ہم یقیناً دیکھتے اور جانتے ہیں کہ بیشمار نیک اور بُرے اعمال کے نتائج دنیا میں مرتب نہیں ہوتے۔ نیک لوگ نیک ہونے اور نیک کام کرنے کے باوجود اس دنیا میں بے مرام اور نامراد رہتے ہیں۔ اور بہت سے ظالم اور بدکردار دن دونا کر فخر و غرور میں رہ کر عیش و عشرت میں زندگی پوری کر جاتے ہیں اگر نیکی کے ثمرات ضرور نیک اور اچھے مرتب ہونے ضروری ہیں ؛ اور بدوں و ظالموں کو اپنی بدکرداریوں کی سزا پانی ضروری ہے تو بتلایا جائے کہ اس دنیا میں تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہوا ، کیا اس کے بعد بھی کچھ نہیں ہوگا۔ فطرت کہتی ہے کہ ضرور ہونا چاہیے ورنہ بدی ، بدی نہیں ہونی چاہیے اور نیکی کو نیکی بھی شمار کرنے کی ضرورت نہیں — لہٰذا عقل انسانی نے بھی اس کو تسلیم کیا کہ اعمال پر جزا و سزا کا مرتب ہونا ضروری ہے —— یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر انسانی فطرت اور عقل انسان کو حیران چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے آگے اس کی رہنمائی نہیں کر سکتے — فطرت کا سخت تقاضا ہے اور عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ مگر تعیین مقام جزا و سزا سے عاجز ہیں — یہاں پہنچکر عقل حکم کرتی ہے کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کے حل کرنے اور اطمینان حاصل کرنے میں مخبرین صادقین کے فیصلہ پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے اسی مجموعہ صد!! پر عنوان " ایمان بالغیب سے چارہ نہیں " کے تحت اس کے متعلق بحث ہو چکی ہے ؛

جو لوگ ایمان بالغیب پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں، اور یا جو آخرت کے منکر ہیں، یا جو ہر ایک مسئلہ کو اپنے علم و عقل سے ہی حل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، انھوں نے اس مقام پر پہنچکر عجیب عجیب مضحکہ خیز حل پیش کیے ہیں ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا مے رود دیوار کج !

ان سب کی بنا ظنون و نظریات فاسدہ اور تخمینات باطلہ پر ہے۔

۱۔ بعض نے تناسخ یعنی آواگون کو پیش کر رکھا ہے۔

۲۔ دہریہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات کا سارا انتظام ایک اتفاقی ہنگامہ ہے جس کے پیچھے کوئی مصلحت اور مقصد نہیں۔ یونہی بن گیا ہے، یونہی چل رہا ہے اور یونہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی مالک و خالق نظر نہیں آتا ۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا ہے مگر اس کا انسانی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان ایک قسم کا جانور ہے جو اتفاقاً یہاں پیدا ہو گیا ہے۔ کچھ خبر نہیں کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے، یا یہ خود پیدا ہو گیا ہے ـــ یہ ایک خود مختار، غیر ذمہ دار ہستی ہے ۔

۴۔ بعض فرقوں کا یہ اختراعی تخیل ہے کہ فلاں مقدس ہستی ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکی ہے ۔

۵۔ اس کائنات کے اندر حقیقت صرف جھگڑے اور لڑائی کی ہے، جو زندہ رہتا ہے صرف اس لیے کہ وہ طاقت ور ہے۔ اور جو مرتا ہے اور فنا ہوتا ہے وہ اس لیے کہ وہ کمزور ہے اور اسے مر ہی جانا چاہیے۔ اس نظریے کے

تحت مختلف قوموں کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد طاقتوروں نے کوئی خلش محسوس نہ کی، اور یہ سمجھا کہ یہ بالکل قانونِ فطرت ہے۔ اور ہم حق پر تھے ؂

۱۲۵۔ ڈاروِن اور اسی قماش کے لوگوں کا نظریہ !

علمی اور عقلی حیثیت سے اس نظریہ میں جو کمزوریاں ہیں ان سے قطع نظر کرکے اگر دیکھا جائے، فلسفے اور اخلاق اور علوم تمدّن و اجتماع میں داخل ہوکر اس ظالم تخیّل نے انسان کو برباد کرنے کے لیے کیسے شدید فتنے برپا کیے ہیں تو شاید کسی صاحب بصیرت آدمی کو یہ ماننے میں ذرہ برابر بھی تامّل نہ ہوگا کہ ـــــ موجودہ دور میں جن نظریات نے انسان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کی ہے۔ یہ ڈراونیت ان سب کی سرتاج ہے ـــ اس نے انسان کو یقین دلایا ہے کہ تو جانوروں میں سے بس ایک جانور ہے ؂

افسوس وہ انسان جس کو یہ شرف دیا گیا اور مسجودِ ملائکہ قرار دیا گیا ڈارون کہتا ہے کہ بندر سے ترقی کرکے انسان بنا۔ انسان کی توہین و تذلیل اس سے زیادہ کیا ہوگی ـــــ !

اسی کا نتیجہ ہے کہ آدم کی اولاد آج پورے اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں حیوانیت کا برتاؤ کر رہی ہے ـــ اور اس کا یہ اثر ہے کہ انسان اپنی زندگی کے قوانین اور اصول کو کسی برتر ماخذ ہدایت میں تلاش کرنے کی بجائے حیوانیت کی زندگی میں تلاش کر رہا ہے ـــــ پھر یہ ڈارون ہی کا

نظریہ ہے جس نے انسان کے سامنے پورے نظام کائنات کو ایک رزم گاہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے ـــــ اور اس کو بتایا ہے کہ نزاع اور جنگ اور کشمکش میں جو زور آور ہے وہی زندہ اور کامیاب ہے اور وہی صالح اور برحق ہے ـــ بخلاف اس کے جو کمزور ہے وہی غیر صالح ہے اور اس کا مٹنا اور فنا ہو جانا قوانین فطرت کا ایک ایسا نتیجہ ہے جس کو برحق ہونا ہی چاہیے ـــــ آج یہ اسی طرز فکر کی برکات ہیں کہ انسانی افراد سے لے کر طبقات اور اقوام اور ممالک تک سب کے سب دنیا کو حقیقت میں ایک رزم گاہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور فطرت کا تقاضا انھوں نے یہی سمجھا ہے کہ جو طاقت ور ہے وہ کمزور کو فنا کر دے ـــــ !

تنبیہ: یہ پانچوں قسم کے تخیلات یا نظریات جو ناظرین کے سامنے پیش کیے گئے ـــ صرف ان سب کو ایک نظریہ اور تخیل ہی کی وصف حاصل ہے۔ آج تک یہ واقعات اور حقائق ثابت نہیں ہو سکے۔ نظریہ اور واقعہ کا فرق کسی تعلیم یافتہ اور عقل مند انسان پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا ؛

میں ناظرین کو عقل سلیم اور فکر فہیم کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ پانچوں نظریے جو پہلے آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ کیا ان کا صحیح ہونے اور ثابت ہونے پر کوئی مستند کسی قسم کی دلیل قائم ہے۔ اور یہ علم و عقل اور تجربہ کے صحیح معیار کے نیچے درست کیے جا سکتے ہیں ـــ تعجب ہے کہ موجودہ

زمانے میں بھی اس قسم کی باتیں نقل ہو رہی ہیں اور سنی اور دیکھی جا رہی ہیں ۔
یہ ترقی یافتہ وہ زمانہ اور عہد نہیں کہ جو بات بھی نقل در نقل چلی آتی ہو اور اسی کو
کوئی قوم گروہ قبول کیے ہوئے ہو ، اس کو علم و عقل کے معیار پر ناپے اور وزن
کیے بغیر ہی آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے اور اپنے عظیم الشان اور اہم ترین
مقاصد اور سخت ترین مصائب پیش آنے والوں کو ایسے بے تحقیقے نظریوں سے
وابستہ رکھا جائے ، اور کسی شخص کی بات عقلی اور فکری کو صرف اس کی شخصیت
پر اعتماد کر کے قبول کر لیا جائے یہ حقیقت پسندی اور صداقت شعاری نہیں ۔
یہ صرف شخصیت پرستی ہے ! مطلب یہ ہے کہ علمی اور عقلی بات کو جس کو ہم بھی
اپنی عقل و علم پر پرکھ سکتے ہیں ۔ ہمیں ضرور پرکھ کر قبول کرنا چاہیے ۔ البتہ اگر بات ہی
ایسی ہو جو ہمارے علم و ادراک سے بلند ہے تو ہمیں پھر اس کا حل "مخبرین صادقین"
سے جن کو ایسے علوم سے حصہ دیا گیا ہے ، کرنا ضروری اور لابدی ہے ــــــ
یہ مسئلہ جس میں ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں ، اس کا حل انسانی علم و فکر سے باہر ہے ۔

~، نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

~

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند ؛ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مبدأ و معاد اور امور غیب کی باتوں میں انبیاء کی جماعت پر اعتماد کرنے سے
چارہ نہیں ــــــ !

مذہبی پیغمبروں کا نظریہ جو انھوں نے خدا سے علم پا کر پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ

۱ - یہ جہان اتفاقی ہنگامہ نہیں، بلکہ باضابطہ منظم سلطنت ہے۔

۲ - خدا نے اس کو بنایا ہے اور وہ اکیلا ہی اس کا مالک و حاکم ہے۔

۳ - یہ کل نظام جس میں تمام قوتیں نظام تکوینی میں کام کر رہی ہیں، اس کے زیر حکم ہیں۔ کسی کو مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے یا اسی کے اذن کے بغیر کوئی حرکت کر سکے۔

۴ - انسان خدا کی پیدائشی رعیت ہے۔ یہ خود اپنے لیے طریق زندگی وضع کرنے اور اپنی ڈیوٹی آپ تجویز کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

۵ - انسان خود اور اس کی اپنی ملک اور اس کی ساری قوتیں خدا کی ملک اور اس کا عطیہ ہیں۔ لہٰذا ان کو خود اپنے منشا کے مطابق استعمال کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ عطا کنندہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔

۶ - جو اشیا انسان کے گرد و پیش پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ یہ سب خدا کی ملک ہیں۔ انسان کو ان پر بھی اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس قانون کے مطابق حق ہے جو ان کے مالک نے مقرر کیا ہے۔

۷ - انسان کو باہمی تعلقات کے بارے میں خود اصول و ضابطے مقرر کرنے کا حق نہیں، بلکہ خدا کے بنائے ہوئے قانون پہ چلنا پڑے گا۔

یہ ہے انبیاء کا نظریہ کائنات و انسان! یہ مکمل نظریہ ہے۔ اس کے اجزا میں ربط ہے۔ کوئی جز دوسرے سے متناقض نہیں۔ اس سے تمام واقعات عالم کی توجیہہ اور تمام آثار کائنات کی پوری تعبیر ملتی ہے۔ یہ ایک علمی نظریہ ہے۔ آج تک کوئی مشاہدہ یا تجربہ ایسا نہیں ہوا جس سے یہ نظریہ ٹوٹ جاتا ہو۔ پہلے نظریوں کی بنیاد صرف وہم و تخمین پر ہے۔ ان کے لیے جنس دلائل سے کوئی بھی دلیل نہیں۔

۲۶۱۔ اسلام میں جہان آخرت کی اہمیت!

موجودہ دور میں ایسی باتیں جن کا تعلق دور اندیشی اور انجام و نتیجہ سے ہے۔ کوئی سننے کے لیے تیار نہیں۔ آدمی عجلت پسند واقع ہوا ہے۔ وہ انہی چیزوں سے دل چسپی لیتا ہے جن کا فائدہ وہ جلد سے جلد محسوس کر سکے۔ اور جن کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ سکے۔ انتظار کی زحمت برداشت نہیں کر سکتا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ یاس و قنوط کے سمندر میں غوطے کھانے لگتا ہے۔

دنیا میں اس وقت فتنہ و فساد کی فراوانی، شر و شیطنت کی گرم بازاری، اور ناجائز و حرام امور سے دلچسپی جس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ دنیا بڑی تیزی سے تباہی و بربادی کی تاریک غار میں گرتی جا رہی ہے، مگر انسان کا احساس ماؤف ہو چکا ہے۔ وہ بڑی بے فکری سے یہ سارے تماشے دیکھتے رہتے ہیں، لیکن سوچتے نہیں کہ کل کے لیے انھیں آج کیا کرنے کی ضرورت ہے؟

کون نہیں جانتا کہ ظاہری نمائش حیات نہیں بخشتی ہے، چمک دمک تو پیدا کرتی ہے، مگر روح کو تازگی عطا کرے، اس میں جان پیدا کرے، یہ بات غیر ممکن ہے ـــ دنیا کا کوئی قانون جو صرف ظاہر پر اثر انداز ہو، انسان کی سیرت کی تعمیر نہیں کرسکتا۔ ظاہر حال بلاشبہ جاذب نظر ہو سکتا ہے۔ اس کی چمک دمک باعث کشش ہو سکتی ہے۔ مگر اس کی توقع کہ اس کی پرائیویٹ زندگی بھی پاک و صاف ہو گی، اخلاق و اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے اور اس کی سیرت میں بھی پختگی ہو گی۔ ایسی توقع ہے جس طرح کوئی سراب سے پیاس بجھنے کی توقع کرے۔

اسلام اسی وجہ سے ظاہر سے زیادہ باطن پر نظر رکھتا ہے۔ جسم سے زیادہ روح کو پاکیزہ رکھنا چاہتا ہے اور بلاشبہ اس کی حکمرانی جسم سے پہلے روح پر ہوتی ہے۔ اور وہ جسمانی روگ سے پہلے روحانی روگ کی فکر کرتا ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساری اذیتیں اسی لیے اٹھانی پڑیں کہ آپ نے دنیا کے سامنے کچھ ایسے مسائل رکھے جن کا تعلق دوسری دنیا سے تھا جو آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جن کو ہماری نگاہیں نہیں دیکھ پاتیں۔

اسلام انسانوں کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا بھی ہے اور اصل وہی ہے۔ یہ دنیا تو ایک مسافر خانہ ہے، گزرگاہ ہے اور چند روزہ ہے ـــ پھر وہ ذہن نشین کراتا ہے کہ اس مسافر خانہ کی زندگی آزاد نہیں پابند ہے۔ اس دنیا کا معمولی سے معمولی واقعہ جو آدمی انجام

دیتا ہے، وہ درج رجسٹر ہو رہا ہے، کوئی بات، کوئی کام اور کوئی راز عالم الغیب سے پوشیدہ نہیں ہے ۔ پیغمبر اسلام تعلیم دیتے ہیں کہ تم اس دنیا میں رہو اور ضرور رہو، مگر یہ سمجھ کر رہو کہ تم یہاں ایک ذمہ دار کی حیثیت رکھتے ہو۔ تمھاری ایک ایک حرکت پر دفعہ لگنی جا رہی ہے ۔

ایک وقت آنے والا ہے . . . . . جب وہ وقت آئے گا تم پھر زندہ کر کے پیش کیے جاؤ گے اور تمھارے ایک ایک کام کا حساب کتاب ہو گا، اور اسی حساب کے بعد دائمی زندگی ملنے والی ہے۔ لہٰذا اس دنیا میں رہ کر دوسری دنیا سے غافل ہونا اور اپنے کو پامال کرنا پچاس ساٹھ سال کے آرام کے لیے اور غلط آرام کے لیے لاکھوں اور کروڑہا برس کی زندگی برباد کرنا عقلمندی نہیں، بیوقوفی ہے ۔ قرآن پاک میں اس دنیا کو آخرت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی اہمیت جتائی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۔ (سورہ نساء)

(اے نبی) فرمادیں کہ دنیا کی پونجی تھوڑی ہے اور جسے خوف آخرت ہو اس کے لیے آخرت بہتر ہے ۔

ارشاد ربانی ہے

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ (انعام)

دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور ان کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں ۔

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کو ایک دو جگہ نہیں قرآن پاک کی بیسیوں

آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے اور انسانوں کے دل میں یہ بات بٹھانے کی سعی کی گئی ہے کہ جس دنیا پر یہ جان دیتا ہے ۔ وہ نتیجہ کے اعتبار سے اس لائق ہرگز نہیں ہے، کہ اس کی وجہ سے وہ آخرت اور بعد الموت کی زندگی کو فراموش کر دے۔

مسلمانوں کو جب جہاد کا حکم دیا جا رہا تھا، اور انسانی طبیعت کے تحت یہ اسے اپنے لیے بار محسوس کر رہے تھے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور فرمایا :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۔	مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین کو لگے جاتے ہو۔

ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کرایا کہ جس دنیا پر تم جان چھڑکتے ہو، اس کی حالت بس اتنی ہے، دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو جائے ۔ ارشاد ہے :

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ (سورہ نساء)	کیا آخرت کے مقابلہ میں تم کو دنیا کی زندگی پسند ہے (سن لو) آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کا نفع تھوڑا ہے۔

انسان عجلت پسند ہے، اس لیے دور اندیشی کو کام میں نہیں لاتا اور دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کی اس عادت کا تذکرہ کر کے اس کو بتاتا ہے کہ تم غفلت میں ہو کر ایک فانی چیز کے لیے باقی سے منہ موڑتے

ہو۔ ایک پائدار شے کو چھوڑ کر بہت جلد ٹوٹ جانے والے کھلونے پر جان دے رہے ہو

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ حیرت ہے تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ بہتر اور باقی رہنے والی چیز آخرت ہے ؛

دنیا کی چندروزہ زندگی پر ایسی فریفتگی کہ آخرت کا سامان آدمی فراہم کرنا بھول جائے، حیرت انگیز ہے۔ آخرت کی اہمیت پر انسان غور نہیں کرتا کہ وہ کتنی اہم چیز ہے کسی کی عمر زیادہ سے زیادہ سو سال ہے۔ دوسرے کی عمر اتنی زیادہ ہے کہ جس کی انتہا نہیں، پھر اس دوسری زندگی میں من جانب اللہ بڑے بڑے درجات ہیں، آسائشیں ہیں، اطمینان وسکون کی دولت ہے اور زندگی ہی زندگی ہے، اور پھر کمال یہ ہے کہ رب العالمین اسی دوسری زندگی کی کامیابی کا انسان سے مطالبہ کرتا ہے۔

(۱) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ، اللہ آخرت چاہتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۔ بلاشبہ آخرت بلحاظ درجات اور فضیلت بہت بڑی چیز ہے۔

(۲) وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اور بیشک جو پچھلا گھر ہے، وہی درحقیقت زندگی ہے۔ کاش اس کو جانتے ؛

ان آیتوں کو بار بار پڑھا جائے اور سوچا جائے کہ رب العزۃ آخرۃ کی زندگی کی اہمیت کس طرح بتلاتا ہے اور انسانوں کے دل ودماغ سے کس کس خوبی سے

اپیل کرتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا

وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ — اور بلاشبہ آخرت ہی پائدار گھر ہے۔

ان تمام آیتوں کو سامنے رکھ کر اس فیصلہ پر مجبور ہونا پڑے گا کہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی بڑی اہمیت ہے، اور یہ کہ دائمی گھر اور ابدی ٹھکانہ آخرت ہی ہے، وہ ایک ایسا گھر ہے، جہاں سے مفر نہیں۔ دنیا کی چند روزہ زندگی گزار کر دیر سویر دوسری دنیا میں قدم رکھنا ہے، اور پھر یہ کہ آخرت کا انکار رب العزت کی نظر میں بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ — جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے بلاشبہ
اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ — ان کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

کافر مرنے کے بعد جی اٹھنے کو نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔

وَقَالُوْا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا — وہ کہتے ہیں کہ ہماری یہی دنیا کی زندگی ہے
وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۔ — اور بس، اور ہم دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس عقیدے کی بڑی سختی سے تردید کی، کہ تمہارا یہ عقیدہ غلط ہے۔ تم کو مرنے کے بعد پھر یقیناً زندہ ہونا ہے، حساب کتاب دینا ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ تمہارے اس عقیدے کی غلطی تم پر ثابت ہو جائے گی۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا — کافر یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ

قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ -

زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ آپ فرما دیں میرے رب کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تم نے جو کچھ کیا وہ تمھیں بتایا جائے گا اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے +

منکروں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ مر کر جب ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر کیونکر دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں' اپنے ان خیالات پر ان کو بڑا اصرار تھا اور اسے مختلف انداز میں وہ پیش کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام توہمات کا بکثرت جواب دیا ہے، اور مختلف طور پر یہ حقیقت انسانوں کے ذہن نشین کرنی چاہی ہے۔ انسان کا بے بنیاد خیال نقل کر کے جواب دیا گیا ہے +

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ - بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ - (القیامۃ)

کیا انسان یہ خیال باندھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہمیں اس پر قدرت ہے کہ اس کا پور پور درست کر دیں +

اور یہ کون سی بڑی بات ہے، جس کی قدرت یہ ہے کہ جب انسان کچھ نہ تھا اس کو وجود بخشا، اور اس کے اعضا درست کیے۔ اندر کی مشین کے ہر ہر پرزہ کو اپنی اپنی جگہ پر رکھا، سننے، دیکھنے، بولنے، چکھنے اور حس کی طاقت عطا کی۔ گویا انسان کی پیدائش پر سنجیدگی سے غور کرنے سے یہ سارا اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ جو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے۔ تو پھر دوبارہ پیدائش میں شبہ کیسا؟

قرآن نے جس قدر آخرت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے بہت کم مسئلوں کو اس کثرت سے چھیڑا ہے۔ دنیا کا امن وامان، صلح وآشتی اور اطمینان وسکون اس وقت تک میسر نہیں آسکتا جب تک آخرت کے مسئلہ پر یقین نہ کیا جائے آخرت پر یقین کرنے کے ساتھ ہی انسان کی کائنات دل میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ طلبہ امتحان کے نام پر ہی محنت کرتے ہیں، اور جرمانہ وسزا کے قانون ہی کی وجہ سے ڈسپلن رکھتے ہیں۔ پرنسپل کے ہاتھ میں اگر قانون کو نافذ کرنے کی قانونی واخلاقی طاقت نہ ہو تو اودھم مچتی رہے۔

اسلام صرف جسم پر نہیں دل پر بھی حکومت کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے آخرت پر ایمان کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور دنیا کی ناپائیداری پر زور دیتا ہے۔ یہاں اور بھی بہت کچھ بیان کرنے کے لائق ہے، مگر طوالت کی وجہ سے معذوری ہے،

۱۲۷۔ قیامت حق ہے۔ اور وہ قریب آرہی ہے۔

بہر حال یوم جزا وسزا جو قیامت کے نام سے مشہور ہے، اس کا آنا یقینی ہے۔ یہ غیر مذہبی نظریہ بھی اختراع کیا ہوا ہے کہ دنیا قدیم ہے، فانی نہیں ہوگی ــ!

ادھر تمام مذاہب اعلان کرتے آرہے ہیں کہ اس جہان نے آخر ایک دن فنا ہو جانا ہے ــ اب وہ زمانہ گزر رہا ہے کہ حقیقت وصداقت کے چہرے پر جو مکر وفریب وتوہمات کے جعلی پردے ڈالے گئے تھے وہ چاک ہو رہے ہیں؛

اور حقیقت منکشف ہوا چاہتی ہے۔ یعنی اہل مذہب آسمانی کا نظریہ اور عقیدہ ظاہر ہو کر اپنی صداقت ظاہر کر رہا ہے۔ تواریخ و مشاہدات اور تجربات اس بات پر پختہ گواہ ہیں کہ جس چیز کا باقی رہنا غیر مناسب ہو جائے۔ یا اس سے غرض متعلقہ پوری ہو جائے یا اس کا وجود غیر اصلح ہو جائے، اور اس کے وجود و بقا سے افادیت کی بجائے نقصان اور مضرتیں پیدا ہونے لگ جائیں۔ ایسی تمام چیزیں فنا ہو جاتی ہیں یا فنا کر دی جاتی ہیں ـــ یہ وہ مستمرہ قانون چلا آ رہا ہے کہ جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ـــ پس ہر ایک چیز کی طرح یہ دنیائے جہان بھی مع اپنی تمام کائنات کے اسی طرح رہنمائی کر رہا ہے کہ اس کے لیے بھی یقیناً فنا ہے، اور یہ بھی فنا ہونے کی طرف تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ اور اس کے علامات کا ظہور تو نبی عالم محمد رسول اللہ کے زمانہ سے ہی شروع ہو چکا ہے ۔ قرآن میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ قیامت قریب ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ خصوصاً اس وقت تو بڑی تیزی سے ایسے علامات کا وقوع ظہور میں آ رہا ہے۔ یہ عالمگیر فسادات اور ہمہ گیر پریشانیاں بدامنیاں اور بے اطمینان اور بین الاقوامی جنگ و جدال اور بے قصوروں اور بے گناہوں و غیر مجرموں کا قتل عام اور ملکوں اور قوموں کی تباہی و بربادی اور ذخائر زندگی کی تخریب، اسی قسم کی دوسری باتوں کا کثرت سے وقوع پذیر ہونا جن کی وجہ سے دنیا والوں پر زمین تنگ اور زندگی دو بھر ہو رہی ہے، ایسی دنیا کو چھوڑ جانے

پر خدا کی مخلوق خواہش مند نظر آ رہی ہے ۔ اپنے لیے لوگ امن و سلامتی اس میں دیکھ رہے ہیں کہ اس فسادی دنیا کو خیر باد کہہ دیا جائے ۔۔۔ اور دنیا والے ان مفسدوں اور ظالموں سے عاجز آ کر ایک ایسی عدالت اور محکمہ احتساب کے طلب گار ہو رہے ہیں، جو ان کے معاملات میں انصاف سے تصفیہ کرے، اور ان ظالموں کو قرار واقعی سزا دے کر ان کے دلوں کو ٹھنڈا اور خوش کرے ۔

جو انسان دل و دماغ رکھتے ہیں اور اپنے جسم میں بھی جان رکھتے اور جان و آبرو کی حفاظت چاہتے ہیں وہ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر غور و فکر سے بتلائیں اور نیز وہ لوگ جو مخلوق خدا کے ساتھ رحم و کرم اور رواداری کا جذبہ رکھتے ہیں اور امن و سلامتی کے خواہشمند ہیں ۔۔۔ انصاف سے بتلائیں کہ وہ بے ضرر مخلوقِ خدا جنھوں نے کسی پر کوئی زیادتی نہیں کی، اور کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں دی اور نہ کسی کا کوئی نقصان کیا ہے ۔ پھر بھی ان پر ظلم کیے گئے اور برباد کیا گیا، قتل کیا گیا، ان کی بے آبروئی کی گئی ۔۔۔ اور دراں حالیکہ دنیا والوں میں سے بھی کسی نے ان کی دست گیری نہیں کی، اور نہ کوئی ان کا پرسان حال ہوا ۔۔۔ ان کی طرف سے کوئی طالب انصاف بھی نہیں ہو سکا، بلکہ ان کو دنیا میں کوئی ایسی عدالت بھی معلوم نہ ہوئی کہ جس سے انصاف طلب کر سکے ۔!

قیامت یا یوم محاسبہ سے انکار کرنے والے بتلائیں کہ اگر تمھاری سمجھ میں قیامت کا واقع ہونا اور خدائی عدالت کا قائم ہونا اور یوم حساب

کا آنا بعید معلوم ہوتا ہے۔ اور تم اس کو غیر ممکن خیال کرتے ہو۔ اور تمہاری سمجھ جنت اور دوزخ سے انکار کرتی ہے +

تو بتلائیے ان مظلوموں کے بارے میں جن کا ذکر اوپر ہوا، تمہارا کیا فیصلہ ہے۔ کیا وہ تمہارے ہمارے جیسے انسان نہیں ؟ کیا تمہارے نزدیک ان کے ساتھ کوئی بے انصافی نہیں ہوئی ؟ یا یہ کوئی اور قسم کے انسان ہیں، جن کو کسی قسم کا احساس نہیں ؟ یعنی وہ ایسے انسان ہیں جو تمہاری جنس اور نسل و قوم اور خاندان سے نہیں ! یا وہ ایسے انسان ہیں جن میں روح اور جان نہ تھی —— اور نہ وہ عزت کے طالب ہیں۔ اور نہ ذلت سے متنفر —— کیا جو کچھ ان پر مصیبتیں گزریں، ان کو محسوس نہیں ہوئیں ؟ اور وہ اپنے ساتھ کوئی رنج اور حسرتیں اور مطالبات اور جذبۂ انتقام لے کر نہیں گئے —— ؟

کیا آپ لوگ ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں ؟ اگر نہیں اور بالضرور نہیں، تو پھر بتلائیے کہ آپ تو ان کے بارے میں انصاف نہیں کر سکے، اور اب کر بھی نہیں سکتے، تو پھر اگر ان کے لیے آیندہ بھی کوئی فیصلے کا دن نہ ہوا، اور کوئی عدالت قائم نہ ہوئی، تو پھر آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے —— آپ لوگوں کے پاس اگر کوئی تحقیقی جواب یا حل ہے تو پیش کیا جائے — اگر اس کا حل وہی اختراع کردہ پانچ نظریے ہیں، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے تو بس معلوم ہوا کہ علم و عقل و معیار عقلی کا صرف جھوٹا پروپیگنڈا ہی ہے —

آپ اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے اور لوگوں کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے اپنی مطلب اور اغراض براری کے لیے خود ساختہ نظریوں کو بھی یقینیات کے لباس میں پیش کیا کرتے ہیں اور ایسی بیہودہ اور غیر عقلی باتوں کو واقعیت کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے — !

تناسخ: آواگون کے نظریہ کو عقلِ سلیم اور حکمت حقہ ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ اعمال و جرائم شعور و مشاہدہ سے ظہور میں آئیں، اور جزا اور سزا ایسے بے شعوری کے عالم میں بھگتنی پڑے کہ اس کی خبر تک نہ ہو کہ یہ کون سے جرم کی سزا ہے اور کون سے عمل نیک کی یہ جزا اور ثمرہ ہے؟ اور دوسرے کسی شخص کو بھی پتہ نہ چلے کہ فلاں شخص کو فلاں عمل کی یہ جزا یا سزا دی جا رہی ہے اس قسم کے فیصلے تو اس دنیا کے عدالت خانوں میں بھی نہ کبھی سنے گئے اور نہ دیکھے گئے۔ تعجب ان حضرات پر جو اس قسم کی باتوں پر اعتقاد کیے ہوئے ہیں اس قسم کی غیر معقول باتیں مذاہب آسمانی میں نہیں پائی جا سکتیں۔ یہ خود مذہبی لوگوں کی اختراعی نظریات ہیں ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے

پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

مذاہب آسمانی کا یہ فیصلہ ہے کہ جس شعور و احساس سے انسان عمل نیک یا بد کرتا ہے اسی عمل کا بدلہ پانے کے وقت بھی اس کو پورا شعور

اور احساس ہوگا کہ یہ میرے فلاں عمل کا نتیجہ اور ثمرہ ہے ۔ ہر ایک شخص کو اس کی پہلی نوعی اور شخصی شکل و صورت میں بدلہ دیا جائے گا ۔

قرآن کہتا ہے

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَ هُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۔	انسانوں کا حساب قریب ہو چکا ہے اور وہ غفلت میں پڑ کر منہ موڑے ہوئے ہیں +

اور کہتا ہے

اِنَّهُمۡ یَرَوۡنَهٗ بَعِیۡدًا وَّ نَرٰىهُ قَرِیۡبًا ۔	وہ اس کو بعید گمان کر رہے ہیں اور ہم اسکو قریب دیکھتے ہیں ؛

یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو اس نے اپنی تالیف کردہ کتاب قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے اٹل اور اس کے تمام وعدے اور مواعید سچے ہیں ۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ لوگوں کا حساب قریب آتا جا رہا ہے ، اور لوگ اس محاسبہ سے غافل ہو کر منہ موڑے ہوئے ہیں اور فرمایا کہ ــــ یہ لوگ یوم محاسبہ اور قیامت کو بعید سمجھ رہے ہیں ، اور ہمارے نزدیک وہ دن قریب ہے ــــ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ آیات ساڑھے تیرہ سو سال سے پکار رہی ہیں کہ محاسبہ کا دن قریب ہے ۔ لیکن ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت گزر چکی ہے ۔ محاسبہ کا دن اب تک کیوں نہیں آیا ؟ لہٰذا جب وہ دن اب تک نہیں آیا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنیکا ہی نہیں ہے ؟

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ جب سے دنیا وجود میں آچکی ہے اس وقت سے یوم محاسبہ یقیناً قریب آتا جا رہا ہے، جس قدر بھی دنیا کی عمر کا زمانہ گزرتا جا رہا ہے، اسی قدر یوم محاسبہ قریب آتا جا رہا ہے - کیونکہ دنیا کی عمر اللہ تعالیٰ کے نزدیک محدود اور مقرر ہے مگر اس کا علم خدا کے بغیر کسی کو نہیں ہے۔

یہ بات بھی معلوم رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کا ایک دن ہمارے دنوں کے حساب سے ایک ہزار برس کے برابر ہے - قرآن میں ہے:

اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ — خدا کا ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے۔

پس اس آیت کے نازل ہونے کے وقت سے بیشک ہمارے اعتبار ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں ڈیڑھ دن بھی نہیں گزرا اگر آپ کہیں کہ یہ کیونکر؟ تو اس کا جواب یہ ہے، جب بہت بڑا کرہ تیز حرکت میں ہوگا تو جو نقطے یا خطوط مرکز کی جانب کو ہوں گے ان کی حرکت بطی ہوگی اور جو خطوط محیط دائرہ کی طرف ہوں گے ان کی حرکت سریع ہوگی اور مسافات حرکت میں تفاوت ہوگا اگر زمانہ دونوں حرکتوں کا برابر ہوگا - یعنی مرکز کے قریب کے نقطوں کی مسافت کم ہوگی اور محیط دائرہ کی طرف جو نقطے ہیں ان کی مسافت حرکت زیادہ ہوگی - جس قدر وقت میں محیط دائرہ کے نقطے مسافت طے کریں گے - پس اس مسافت کی نسبت

سے زمانہ کی نسبت کو قیاس کر لیا جائے۔ غور سے سمجھو! یعنی خدا کا دن ہمارے
دنوں کے اعتبار سے بمنزلہ مرکز کے ہے۔ اور یہ بھی تو مسلم نظریہ ہے کہ جس چیز
نے یقیناً آنا ہے، وہ دن بدن قریب ہی آتی جا رہی ہے۔ دیکھیے انسان اور
ہر ایک نو پیدا چیز کی مدت عمر مقرر اور معین ہے۔ پس جب وہ مدت پوری
ہو جاتی ہے وہ شے دنیا سے مفقود ہو جاتی ہے۔ اس کی توضیح گھڑی کی چابی سے
سمجھ لینی چاہیے۔ جب چابی ختم ہو جاتی ہے تو گھڑی کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسی پر
ہر ایک چیز بلکہ دنیا کی عمر کو بھی سمجھ لیا جائے +

پس قرآن کا فیصلہ بالکل درست ہے، جو واقعہ یقیناً ہونے والا ہے
وہ روز بروز قریب آتا جا رہا ہے، اگرچہ اس کی قربت میں سینکڑوں برس
گذر جائیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ جس قدر مدت گزر رہی ہے، اس کا وقوع قریب
ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہے کہ جو چیزیں دنیا میں وقوع پذیر
ہوتی ہیں ان کی عمریں مجموعہ دنیا کے اعتبار سے تھوڑی ہیں اور دنیا کی عمر من حیث
المجموع لمبی ہے +

ہاں البتہ پہلے زمانوں سے بعض انسان یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ انسانوں کے
اعمال و اقوال تو دنیا میں ہی فنا ہو جاتے ہیں تو پھر حساب اور محاسبہ کن چیزوں کا
کا ہوگا؟ علیٰ ہذا قرآن نے تو یہ بھی کہا ہے کہ محاسبہ کے دن انسان کے ہاتھ اور
پیر وغیرہ بھی گواہی دیں گے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ اس قسم کی کئی ایک صداقتوں

کو جو مذاہب آسمانی کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، بعید از عقل اور محال سمجھا گیا ۔۔۔ لیکن اب بتدریج ایسے مفروضہ محالات کا زمانہ ترقیات کے ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہونا یقینی ہوتا جا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی کہی گئی باتیں واقع ہونے والی نظر آ رہی ہیں ۔۔۔ اور اقترب للناس حسابھم کے فیصلے کی تصدیق ہو رہی ہے قرآن نے کہا ہے

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (پ۲۶-ع ۱۶)

یعنی انسان منہ سے جو الفاظ نکالتا ہے تو اسے اچکنے والا اچک لیتا ہے ۔

تشریح : یعنی یہ نہ سمجھو کہ الفاظ تو ہوا بن کر اڑ جاتے ہیں اور ان کا خارج میں کوئی وجود باقی نہیں رہتا ۔ اس لیے جو چاہو منہ سے نکالو اور جو چاہو کہو، اس پر باز پرس نہ ہو گی ؛ بلکہ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ۔۔۔ اس کی باتیں فنا نہیں ہوتی بلکہ ان کا ریکارڈ محفوظ رہتا ہے، اور خدا نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ جو بات منہ سے نکلے اسے ریکارڈ کرنے والے ریکارڈ کر لیں ۔

آج ہمارے الفاظ کو گراموفون کے ذریعہ سے محفوظ کر لیا جاتا ہے اور ہم جو الفاظ منہ سے نکالتے ہیں اسے امریکہ اور روس والے سن لیتے ہیں ۔ آج ریڈیو کی طاقت نے قرآن کریم کے ارشاد پر مہرِ تصدیق لگا دی ہے ۔ اس لیے ہر انسان کو سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے ۔ ایسی باتیں منہ سے نکالنی چاہئیں جن میں خیر و بھلائی ہو اور جو ہمارے لیے وبالِ جان نہ بن سکیں ۔۔۔ کیونکہ محاسبہ قریب آ رہا ہے ۔

لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ دن ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہم کو تھوڑی سی مہلت سعی و عمل اور توبہ کے لیے دے رکھی ہے۔ انسان اکڑتا ہے اور مذاق سے پوچھتا ہے کہ وہ دن کب آئیگا اگر اس کو آنا ہے تو کیوں نہیں آجاتا! آخر یہ جہاز کہاں لنگر انداز ہو گیا! انسان کی یہ ذہنی حالت مقتضی ہے کہ اس مذاق کے جواب میں جھڑک اور تہدید کا پہلو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ دیکھو جواب میں اس دن کے آنے کی تاریخ نہیں بتائی بلکہ اس دن ان کی جو حالت ہو گی اس کی تصویر ان کے سامنے رکھ دی اور قرآن نے جواب کا یہ اسلوب اکثر اختیار فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ ذاریات میں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ	پوچھتے ہیں کب ہے دن جزا کا؟ جس وقت
يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۔	وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ چکھو مزہ اپنے
ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ	فتنہ کا۔ یہی وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی
بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝	مچائے ہوئے تھے۔

اسی اسلوب پر یہاں (سورہ قیامۃ) بھی جواب کے لیے ایسا پیرایہ اختیار کیا جو ان کی اس منکرانہ اور متکبرانہ ذہنیت کے لائق ہو، فرمایا

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ۔	لیکن جب نگاہ خیرہ ہوگی اور چاند گہنائیگا
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ يَقُوْلُ	اور چاند سورج یکجا ہوں گے تب آدمی
الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ۔	کہے گا، کہاں بھاگوں؟

یعنی آج تو وہ دن بہت دور نظر آتا ہے اور وہ گھمنڈ کے نشہ میں اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور اس کے لیے جلدی مچائے ہوئے ہیں، لیکن جب وہ سامنے آئے گا تو گھبراہٹ کی بدحواسی میں کہیں گے کہ این المفر کہاں بھاگ کے چلے جائیں۔ پھر اس دن جو ان کی حالت ہوگی اس کی پوری تصویر کھینچ دی۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ۔ (قیامہ)

اور بہت سے چہرے اس دن اداس ہونگے گمان کریں گے کہ ان پر کوئی کمر توڑنے والی مصیبت ٹوٹے گی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی اس ہیئت کی تصویر کھینچی ہے، جو جو اس کے ظہور کے دن لوگوں کے سامنے آئے گی، اور جو نگاہوں کو خیرہ کر دے گی، اور جس کی ہولناکی اور وحشت تمام سرگشتگان غفلت کو جھنجھوڑ کر جگا دے گی۔ باقی رہے یہ سوالات کہ چاند کس گہنائیگا، یا سورج یا چاند کس طرح یکجا ہوں گے تو اس کے . . . . متعلق یہ ہے کہ قیامت کے احوال و معاملات دنیا کے تمام احوال و معاملات کی طرح نہیں ہیں کہ ہم اپنی دنیا کے قوانین و ضوابط پر ان کو ٹھیک ٹھیک تول لیں، ان کے ذکر کا اصل مقصد عبرت و تنبیہ ہے۔ اور اس مقصد کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ان کی اصلی نوعیت و کیفیت کی تلاش میں سرگرداں ہوں، بلکہ بعض اعتبارات سے ان کی اصل کیفیت کے اخفا میں عبرت و تنبیہ زیادہ ہے۔ اس بارہ میں اہل ایمان و ایقان کی راہ یہی ہے۔

رہے منکرین اور اہل شک، تو ان کو جواب دینے کی مناسب راہ یہ ہوگی کہ ان احوال و واقعات کی مناسبت اور قربت قدرت کے ان عام احوال و معاملات سے واضح کر دی جائے، جن سے وہ واقف ہیں ـــ لیکن یہ صرف ایک طرح کی مناسبت اور قربت کا اظہار ہوگا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قیامت کے احوال ٹھیک ٹھیک یونہی یا اسی طرح ہوں گے۔ مقصود صرف یہ دکھانا ہوگا کہ تمہارے جانے بوجھے واقعات فطرت کی روشنی میں احوال قیامت کو مستبعد نہیں کہا جا سکتا۔

مثلاً منکرین کے سامنے اس آیت کے متعلق ہم یوں تقریر کر سکتے ہیں کہ تم تسلیم کرتے ہو کہ اجسام کی حرارت اگر ان کا ماحول ان سے زیادہ ٹھنڈا ہو، آہستہ آہستہ گھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح تم یہ بھی مانتے ہو کہ اجسام درجہ بدرجہ شدید حرارت اور ہوائیت کے درجہ سے سیلان اور پھر برودت اور جمود کی حالت کو پہنچتے ہیں ـــ علاوہ ازیں یہ بات بھی پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ بہت سے اجرام سورج کی طرف جذب ہو کر اس میں جا پڑے۔ پس اگر یہ تمام باتیں تمہارے نزدیک ثابت اور صحیح ہیں تو پھر تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں شک ہے۔ کہ ـــ ایک دن چاند اور ہمارا یہ کرہ زمین بھی سورج کی طرف کھنچ جائیں گے اور چونکہ سورج کی حرارت اس وقت کم ہو جائے گی، اس لیے باوجود سورج سے قرب کے انسان زندہ رہ سکے گا، لیکن آفتاب کی روشنی سے اس کی نگاہیں خیرہ ہوں گی ـــ اسی طرح چاند پہلے تو گہنا جائے گا کیونکہ کرۂ زمین کے قریب

پہنچ جانے کی وجہ سے چاند کی روشنی جاتی رہے گی ۔

چنانچہ حضرت قتادہ اور حضرت حسن سے مروی ہے کہ "خَسَفَ الْقَمَرُ" کے معنی یہ ہیں کہ اس کی روشنی جاتی رہے گی، اور پھر آخر میں اس میں جا پڑے گا جیساکہ خسف کا اصلی مفہوم ہے جو قرآن کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً قارون کے قصہ میں ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ، پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا ۔ اور اس کی وجہ یہ ہو گی کہ اس وقت چاند اپنے مدار سے ہٹ جائے گا ۔ یہ سب باتیں قیامت کے قریب پیش آئیں گی ۔

بہرحال اب اس نظریہ خود ساختہ کو کہ یوم محاسبہ کا آنا بعید از عقل ہے، یا محال ہے دریا برد کر دینا چاہیے، اور تمام مذہبی نظریوں اور صداقتوں پہ ٹھنڈے دل سے ایمان لے آنا چاہیے جو سراسر حقیقتیں ہیں اور صداقتیں ہیں؟ استدلالات عقلی ان صداقتوں کے مقابلہ میں پائے چوبیں سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور نہ عقل ایسی باتوں میں صحیح رہنمائی کر سکتی ہے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ع

کافر نتوانی شد؟ اسلام پذیرا شو!

خدا تعالیٰ ہر انسان کو ہدایت یاب کرے ۔

اِلتماسِ عام

برادرانِ انسانی! یہ نتیجہ تو برآمد ہو کر سب کے سامنے آچکا ہے، کہ انسانوں کے موضوعہ نظریوں اور مادی طاقتوں اور دیگر اسی قسم کے ذرائع سے دنیا میں امن دار اور سلامتی بخش نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ اور معلوم ہو گیا کہ امن و سلامتی کا قیام محض اچھی چیزوں کے بنانے اور فراہم کرنے سے نہیں ہو سکتا، بلکہ ان کے استعمال کرنے کے لیے اچھے انسانوں کی بھی اشد ضرورت ہے۔ پس مشکلات کا پیدا ہونا اور ان کا بڑھنا صرف اس وجہ سے ہے کہ چیزیں تو سب پہلے سے بھی اچھی ہیں، مگر ان کے استعمال کرنے والے انسان اچھے نہیں ہیں۔

جس نظام میں افراد کی مشکلات کا کوئی علاج نہ ہو، اور انسان کے روحانی امراض کا کوئی مداوا نہ ہو ــــ یعنی جو نظام معاشرے کی اصلاح کا بیڑا نہیں اٹھاتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پہلے کئی مرتبہ بیان کیا گیا ہے کہ اچھے انسان اور مصلحین مذہب ہی سے پیدا ہوتے اور بنتے ہیں ــــ یعنی جو جماعت ضبط و اطاعت اور آئین شناسی کی درسگاہ ــــ (مذہب آسمانی) میں اپنے نفس کو مسخر کر لیتی ہے تو وہ خارجی کائنات اور اس کی قوتوں پر فتح حاصل کر کے ساری دنیا میں نظامِ امن و سلامتی قائم کر سکتی ہے۔

اس کا نمونہ قرونِ خیر میں مسلمان ثابت کرکے دکھا چکے ہیں۔ قریب چودہ سو برس ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے حیوانیت کی یاس انگیز تاریکی میں انسانیت کے چراغ جلائے، بغض وعناد اور کینہ فساد کے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا ۔۔ محبّت کی بنیاد رکھی اور الفت کی عمارت اٹھائی۔ تعصّب، انتشار اور نفاق کے ہاتھوں مجروح زندگی کو زندگی بخشی۔ آدمی کے عریانی کو پیراہن اخلاص عطا کیا اور اور سب کو اخوت کا نا قابل فراموش درس دیا۔ عجمی وعربی، ترکی وشامی، اور اسود وابیض کی بساطِ امتیاز الٹ کر رکھ دی، بہت سی اقوام اخوتِ مساوات کے گرد جمع ہوگئیں، بکھرے ہوئے دانے ایک ہی تار میں پرو دیے گئے ۔۔ عمل وکردار کی شمعیں دور دور تک روشن کردیں ؎

ہر کہ تسخیر مہ وپروین کند خویش را زنجیری آئیں کند

اسوقت انسانوں کے مشکلات میں گھر جانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کائنات کو سمجھنا پہلے چاہا۔ پہلے اپنے آپ کو شناخت کرنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اب امریکہ اور روس نے من مانے وہمی منصوبوں کی کامیابی کے لیے سیّاروں میں پہنچنے کے لیے آسمانی فضاؤں میں بھی سیر شروع کردی ہے ۔۔ حالانکہ زمینی مخلوق اس وقت پہلے سے بھی زیادہ مشکلات میں مبتلا ہے ۔۔ آج دنیا میں انسانوں پر ہر جگہ ظلم کیا جاتا ہے، پہلے اس ظلم کو ختم کرنا چاہیے ۔۔ کیا دنیا کے مزدوروں کا بندوبست ہوگیا، اور سرمایہ داری دنیا سے مٹ گئی۔ معاشی مساوات قائم ہوگئی، قومی ملکیت نے

ھٓ امریکہ اور روس کی سیر گردول ۱۲

طبقہ بندی ختم کردی! ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی　　　　که با آسماں نیز پرداختی!

چاند اور دیگر سیاروں میں اگر کوئی مخلوق ہے تو ہمارے سائنسدان کا کیا رشتہ!
ان کے ہمارے پر اور ہمارے ان پر کیا حقوق؟ اور ان سے ہمیں کیا خطرہ اور خوف؟ ان کی
دنیا الگ ہماری دنیا الگ! ہم یہ تو نہیں کہتے کہ پہنچنا ناممکن یا ممتنع ہے۔ ممکنات
میں تو بہت سی چیزیں داخل ہیں، مگر بعض ایسی ہیں کہ ان کا ایقاع اور تحصیل انسانی
طاقت سے باہر ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں　　　　کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

یہ کیا، انسان تو اپنی ہمت و عقل سے اس سے بہت کچھ زیادہ کر سکتا ہے ـــ
انسان کو بہت بلند مرتبہ اور وسیع الہمت بتایا گیا ہے۔ بڑے بڑے حیرت افزا کار
نمایاں کر سکتا ہے۔ سَخَّرَ لَكُمْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ
فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ (ان آیات کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے)

مذاہب آسمانی نے اس قسم کی ترقیات کو غیر ممکن قرار نہیں دیا لیکن در خور اعتنا
نہیں سمجھا۔ انسان بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ اور نہ نبی
و رسول خود بن سکتا ہے اور نہ قرآن حکیم جیسی بالمقابل کتاب تصنیف کر سکتا ہے اور
اسلام جیسا نظام وضع نہیں کر سکتا۔ اور نہ النبی الخاتم محمد رسول اللہ جیسی تعلیمات پیش کر سکتا ہے
چونکہ سائنسی ترقیات اور کارناموں کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور زندگی آخرت

میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ لہٰذا مذاہب آسمانی نے اہتمام سے ان کے متعلق بحث نہیں کی، بلکہ اس قسم کے کارہائے نمایاں کو کھیل و تماشوں میں شمار کیا ہے ارشاد ہے

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا	یعنی دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہی ہے
لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ	البتہ آخرت کی زندگی بہترین زندگی ہے
لَهِيَ الْحَيَوَانُ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔	کاش یہ لوگ جانتے ۔

وہ مذہب جو سائنس کے مطابق نہ ہو جھوٹا ہے۔ اور وہ صحائف آسمانی جو حقائق فطرت کے مخالف ہو، ایمان پر کوئی حق نہیں رکھتے . . . کہ سائنس کی ہر حقیقت خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اور صحیفہ آسمانی خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ خدا کے کام اور اس کے کلام میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ دونوں میں اگر تضاد ہو تو ممکن نہیں کہ دونوں سچے ہوں۔ پس جس کی سچائی عقل سلیم کے نزدیک جو معیار یقین ہے مسلم نہ ہوگی وہ باطل ہوگا ۔

۔ سائنس اور مذہب کا اختلاف محض غلط فہمی ہے

مذہب کی بنیاد ما فوق العادت پر ہے، لیکن وہ عقل کے خلاف نہیں، چونکہ عقل محدود ہے اور غیر محدود خدا تعالیٰ کو دیکھنے اور سمجھنے والا دل ہے ــــ عقلی استدلال سے اس کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خیال ما فوق العادت عقل سے باہر ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق دل سے ہے۔ دماغ سے نہیں ۔ اور یہ ایک

ایسا وجدان قلب ہے جس سے غیر محدود کے محسوس کرنے کی قوت ہے۔ عقلی استدلال و براہین اس کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہیں، جس میں پہلے سے یہ وجدان ہے اور خدا تعالیٰ کو مانتا ہے، جو نہیں مانتا اس کے لیے تمام دلائل بیکار ہیں ___ لہٰذا اہل مذہب کو سائنس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر زمین گردش کرتی ہے، تو آسمان پھرتا ہے، تو مذہب پر اس کا کیا اثر؟ اگر زمین کے اندر سے نئے نئے آثار متحجرہ نکلیں اور ان سے انسان کی قدامت پر روشنی پڑے تو مذہب کو اس سے ڈرنے کی کیا وجہ؟ اگر کشش ثقل نے سائنس میں انقلاب پیدا کیا اور بہت سے مسائل عالم کو حل کیا تو بہت مبارک ہے۔ مذہب اس سے کیوں خائف ہو؟ ___ اور نظریہ ارتقاء انسان کی ترقی کے اصول بتاتا ہے تو بتائے، مذہب کیوں اس سے گھبرائے۔ جب مذہب کی حالت ایسی مستحکم اور قوی ہے، تو پھر اہل مذہب کو کیوں اہل سائنس سے لڑیں اور جھگڑیں ؛

اب رہی سائنس کی مذہب سے مخالفت، سو یہ بالکل بیجا اور محض ہٹ دھرمی ہے اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ سائنس جس کی بنا عقل پر ہے مذہب کے سمجھنے سے قاصر ہے؛ صرف عقل ہی ایک خصوصیت انسانی نہیں، بلکہ دوسری قوتیں بھی ہیں ___ انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتیں کچھ کم نہیں ہیں ___ عقل وہیں تک کام دیتی ہے، جہاں تک سلسلہ علت و معلول کا تعلق ہے ___ لیکن جہاں اس کے سوا کچھ اور بھی ہے تو وہاں روحانی عمل شروع ہو جاتا ہے ؛

الحاصل چونکہ مذہب کی بنیاد مافوق العادت پر ہے جو عقل سے بالا ہے اس لیے سائنس وہاں نہیں پہنچ سکتا ۔ اور اپنی نادانی اور نافہمی سے اس پر حملے کرتا اور اس کے ماننے سے انکار کرتا ہے ۔ ایک بات اس کے ہاتھ لگ گئی ہے ؟ جب اسکی سمجھ میں باتیں نہیں آتیں تو وہ صاف کہہ اٹھتا ہے کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے ۔ گویا تمام قوانین فطرت اس کے دیکھے بھالے ہیں اور وہ ان سب پر حاوی ہو چکا ہے ۔ اول تو اس کرہ کی جس پر ہم آباد ہیں، بساط ہی کیا ہے ۔ دوسرے جو چند قانون فطرت ہمیں معلوم ہیں بالکل محدود ہیں اور وہ صرف مادی حالت سے متعلق ہیں ۔ عقل خود محدود ہے اور سائنس جس کی بنیاد اس پر ہے اور بھی محدود ہے ۔ اسے غیر محدود کا علم یا معرفت کیسے ہو سکتی ہے ۔ وہ مادی سے آگے نہیں بڑھ سکتا ۔ اگرچہ اس کے متعلق بھی اس کا علم بہت محدود ہے ۔ پھر اس محدود علم اور ایک طریقہ علم پر اس کے یہ دعوے ہیچ ہیں ۔ اور بغیر اس کوچہ میں قدم رکھے جو مادہ سے بالا ہے اور بغیر اس تحقیق و معرفت کے جو اس دائرہ میں داخل ہوئے بغیر نہیں ہو سکتی اس کا انکار ناقابل سماعت ہے ۔ ایسی صورت میں سائنس کا مذہب کا منکر یا مخالف ہونا سراسر نادانی و نافہمی ہے ۔ اہل سائنس کو زیادہ عالی ظرف، وسیع النظر اور زیادہ حوصلہ و تحمل اور زیادہ تحقیق و تجسس سے کام لینا چاہیے ۔ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ کہہ دینا کہ آفتاب کا وجود ہی نہیں اور جب دوسرے اس کے ہونے کی

شہادت دیں تو انھیں جھٹلانا سائنس اور فلسفہ کے اصول کے خلاف ہے مگر باوجود کثرت واقعات و دلائل وہ اپنے انکار پر مصر ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعصب اور ان کی ہٹ دھرمی مذہبی تعصب اور ضد سے کہیں بڑھی ہوئی ہے +

اہل مذہب کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہادات اور الہام ربانی کو گڈمڈ کر دیتے ہیں، اور جہاں ان کی رائے پر بھی حملہ ہوا تو اسے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مذہب پر حملہ ہے !

لیکن صرف اہل مذاہب ہی غلطی پر نہیں، بلکہ اہل سائنس بھی اسی غلطی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اہل سائنس اہل مذاہب کے اجتہادات اور راؤں کو الہام ربّانی سمجھتے ہیں، اور اس لیے ان راؤں کو غلط ثابت کر دینے سے وہ سمجھتے ہیں کہ الہام ربّانی غلط ثابت کر دیا۔ زیادہ تر خطرہ "نیم حکیم" اہل سائنس سے ہے جنھوں نے کبھی آنکھ اٹھا کر دوسری طرف نہیں دیکھا اور جو سائنس کے قیاسات کو بھی یقینیات سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب سائنس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا، اور ان میں ہمیشہ مخالفت رہے گی، اگرچہ اہل سائنس جنھیں خدا تعالیٰ نے اعلیٰ دماغ دیا ہے یہ سمجھتے جاتے ہیں کہ مذہب اور سائنس میں کوئی مخالفت نہیں۔ اور وہ اس مادی عالم سے پرے ایک عالم کے بھی قائل ہوتے جاتے ہیں ۔

پس اگر آپ خلوص و **ہمیں گویم و باز گویم ہمیں** اخلاص سے انسانوں کی بہبودی اور بھلائی چاہتے ہیں تو آپ صاف دل ہو کر خدا تعالیٰ پر ایمان لائیں اور مذہب کو بھی تسلیم کریں اور پھر خدا تعالےٰ کے بتلائے ہوئے فطری اصول کو جو مذہب اسلام میں محفوظ ہیں جن کی خوبی مسلمہ کل ہے بروئے کار لائیں ـــــ پس جب آپ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے من مانے منصوبوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں خواہ کیسے بھی ہوں تو آپ خدائی اصولوں کو اپنے ہاتھ سے لاگو کرینگے

الغرض آئندہ مستقبل میں اگر کوئی نظام کامیاب ہو سکتا ہے تو، وہ صرف مذہب اسلام ہی ہے - یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم یورپین اور غیر یورپین مذہبی قوموں اور حکومتوں کا رجحان اسلام کی طرف پڑ رہا ہے، اور وہ اسلام کی امن پسندی اور اس کی عالمگیریت اور اس کی انتظامی وسعت اور اس کی روحانی قوت و برکت سے واقف ہوتی جا رہی ہیں ـــــ اور ان کو موجودہ مشکلات کا حل اسلامی نظام ہی میں نظر آ رہا ہے، اور وہ طوعاً و کرہاً اس کو اختیار کرنے کے لیے جبراً نہیں بلکہ اختیاراً مجبور ہو رہی ہیں ؎

- ایں نہ جبر ایں معنی جباری است

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت جباریت کا ظہور ہو رہا ہے۔ جبار کا معنی ہے "زیادہ زبردست" جو اپنا ارادہ بالجبر بھی سب پر جاری کر سکے، اور جس پر کسی دوسرے کا ارادہ نہ چل سکے (لیکن اللہ تعالیٰ نے خود ہی لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ

فرما کر اس بات کو ظاہر کر دیا ہے کہ دین کے قبول کرانے کے لیے کسی غیر مسلم پر جبر نہیں کیا جائے گا) — پس یہاں جبّاریت سے دوسرا معنی مراد لیا جائیگا یعنی جس پر دوسرے کا ارادہ نہ چل سکے۔ اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ جس کی پکڑ سے کوئی نہ بچ سکے اور اس پر کسی کا ہاتھ نہ بڑھ سکے !

مظہرِ جبّاریت پس مظہر جبّاریت بمعنی مذکور دینوں میں سے دین محمدی اور انبیاء کرام میں النبی الخاتم ہیں، اور کتب منزلہ میں سے قرآن حکیم ہے — لیکن یہاں صرف پہلی بات یعنی دین محمدی کا بیان کرنا مقصود ہے، جس کی اہمیت، اور ضرورت، اور اس کی عظمتِ شان کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی کلام میں کئی ایک جگہ بیان فرمایا ہے ؛

(۱) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔	تحقیق دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے ؛
(۲) ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا۔	اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اس کو تمام دینوں پر۔ اور کافی ہے اللہ گواہی کے لیے ؛
(۳) اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ	آج تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور تمہارے پر اپنی نعمت تام کر دی ہے، اور

رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا — اسلام کو تمھارے لیے دین پسند کیا ہے۔

(۴) وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ — اللہ تعالیٰ اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے۔

ان آیات کی تشریحات دوسری جگہ کر دی گئی ہیں، جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ — یہ دین شان مظہر جبّاریت لیے ہوئے ہے۔

کوئی شپرہ چشم یا متعصب اور معاند خواہ تسلیم نہ کرے مگر حقیقت یہ ہے اور واقعات و تواریخ زندہ اس کی تصدیق کر رہی ہے کہ — جب سے دین محمدی (الاسلام) کا دنیا میں ظہور ہوا ہے غیر مسلم قومیں اپنے مذاہب میں ترامیم اور حکومتیں نظاموں کے لیے اسلام سے خوشہ چینی کرتی چلی آ رہی ہیں اور جنھوں نے کسی حیثیت سے اسلام کا مقابلہ کیا انھیں نے یا تو شکست کھائی یا پھر اس دین میں جذب ہو گئیں — !

براداران انسانی ! آپ سے چند سوالات ہیں !

ا - کیا عدل، سچائی، ہمدردی، ایفائے عہد، نیک کرداری، شرم و حیا، دیانت و ایمانداری، حسن معاملہ، صبر و قناعت، ایثار، اپنی اور دوسروں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت اور کمزوروں کی امداد و اعانت — اور دوسری اسی قسم کی معروفات جو انسانی فضائل اور فواضل سے شمار کی جاتی ہیں — کیا ان کو رواج دینا چاہیے ؟ اور کیا ان کی حفاظت کرنی چاہیے ؟

اور ان کے بالمقابل

(۲) ظلم، کذب، بیرحمی، عہد شکنی، بدکرداری، بیحیائی، بے شرمی، بددیانتی، بے ایمانی، بدمعاملگی، فریب کاری، چوری، دغا بازی، ناحق خون ریزی، بے عزتی، بے غیرتی، سود خواری، ناجائز نفع اندوزی، بلاضرورت ذخیرہ اندوزی وغیرہ منکرات جو انسانیت کے لیے نقصان رساں اور تباہ کن ہیں۔ کیا ان چیزوں سے معاشرہ انسانی کو پاک کرنا اور ان سے روکنا چاہیے ــــ ؟

غالباً ان سب سوالوں کا جواب آپ کی طرف سے اثبات ہی میں دیا جائے گا ــــ !

اس کے بعد پھر یہ حیرت افزا سوال آپ کے سامنے پیش ہے کہ کیا موجودہ نظامات جن کو حکومتیں چلا رہی ہیں ان کے ذریعہ ان معروفات کا رواج اور ان کی حفاظت کیونکر اور کہاں تک ہوئی ؟

کیا یہ واقعات نہیں ہیں کہ خود یہ حکومتیں ہی معروفات سے روکنے اور منکرات کے رواج دینے میں سرپرستی کر رہی ہیں ؟ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اور یہ باتیں آپ کے علم سے باہر نہیں !

تا تہہ و بالا نہ گردد ایں نظام !
دانش و تہذیب دیں سودائے خام !

اشتراکیانِ روس کی خدمت میں آخری التماس!

برادرانِ انسانی! اگر واقعی آپ ساری دنیا میں امن اور نوع انسانی کی بہبودی چاہتے ہیں، اور مذہب کو صرف اس لیے ہی ترک کیا تھا کہ وہ اس راستہ میں رکاوٹ ہے، تو آپ کی خدمت میں پھر پہلی گزارش کو لوٹاتے ہیں کہ مطلق مذہب کی مخالفت کو ترک کر دیا جائے۔ پھر اس ہمہ گیر مذہب کو (جو آپ کے نظریہ سے وسیع تر نظریہ رکھتا ہے، اور فطرت انسانی کا صحیح ترجمان بلکہ عین فطرت ہے اور آپ کی منصوبہ بندی سے بہتر اصلاحی اسکیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور وہ مذہب اسلام کے نام سے دنیا میں مشہور چلا آرہا ہے، اور یہ مذہب جامع المذاہب بھی ہے اور نسبتاً آپ کے افکار و نظریات کے قریب بھی ہے بین الاقوامی حالات اور زمانی مقتضیات کے تقاضوں میں غور و فکر کر کے اپنے لیے اسلام ہی کو منتخب کر لیا جائے۔ ہماری التماس یہی نہیں ہے کہ اشتراکی نظام کو کلیتہً توڑ پھوڑ دیا جائے، بلکہ مقصد اس کو اسلامی نظام کے مقرر کردہ سانچوں میں ڈھا کر اچھی شکلوں میں تبدیل کرنا اور پھر ان کے اظہار کے لیے راستوں کا مقرر کرنا ہے۔

اس کا بہترین نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیائے اسلام سب کی سب اور

تمام اسلامی سلطنتیں اور ریاستیں غیر مشروط آپ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گی اور ایشیائی دنیا پر آپ کی قیادت و سربراہی قائم ہو گی اور یورپ کے رقیبانہ جذبات و خیالات ختم ہو کر ہر ملک و مملکت آپ کے ساتھ دوستی کے خواہش مند ہوں گے

کار ایں است، غیر ایں ہمہ ہیچ

؎

ایں کار دولت است بہ بیں تا کرا دہند

؎

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

حضرات! اگر پیش کی گئی باتوں کو تکلیف گوارا کر کے علم و عقل اور دیگر ہر قسم کے تنقیدی معیار سے جانچیں گے اور غور و فکر سے مطالعہ کریں گے، تو ان کے لیے اور ساری دنیا کے لیے بہتر حل پائیں گے۔ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق اپنی گذارشات کو جو سراسر حقائق پر مبنی ہیں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے — جو کچھ پیش کیا گیا ہے جانبداری یا محض حسنِ عقیدت پر مبنی نہیں ہے — جیسا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سورج روشن ہے اور اس کا فیض تمام دنیا کو پہنچ رہا ہے،

اس شخص کے ایسا کہنے کو کوئی شخص بھی حسن عقیدت یا جانبداری پر محمول نہیں کر سکتا ؎

گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

؎

مے تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول
آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

ابو احمد عبد اللہ لودھانوی
مہتمم
دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ
سنہ ۱۳۷۸ھ

"ضمیمہ متعلقہ اعجازِ قرآن"

اِسلام ایک انگریز محقق کی نظر میں!

(۱)

پچھلے دنوں ایک کتاب (تاریخ کے حادث) انگریزی میں شائع ہوئی ہے، جس میں بڑی تحقیق اور کاوش سے ان اقوام کے مذہبی خیالات، عقائد، رسوم، علم الاصنام، اوہام پرستی اور ایک ان دیکھی ہستی کے تصورات پر بحث کی گئی ہے۔ جو زمانہ تاریخ سے پہلے گذر چکی ہیں، جن کے حالات کا سراغ کتبوں، قدیم اوزاروں، برتنوں، مقابر اور دوسری چیزوں سے نکالا گیا ہے۔ مصنف نے اپنے دائرہ تحقیق کو مشرق وسطےٰ تک محدود رکھا ہے، لیکن اس میں مشرق کے تمام مذاہب و ممالک کا ذکر آگیا ہے مذاہب کے تذکرہ میں جہاں یہودیت و عیسائیت کے متعلق بحث کی گئی ہے، وہاں اس کتاب میں اسلام اور اس کے تاثرات کا بھی ذکر آگیا ہے۔ آغاز میں مصنف نے ضرورت سمجھی ہے کہ مدتوں سے اسلام کا تعارف کرائے۔ اس عجیب و غریب مگر پرتاثیر مذہب کی تعلیم کو بے نقاب کرے۔ چنانچہ مضمون کے تعارفی حصہ میں اپنے خیالات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے"۔ بہت سے لوگ اسلام کو مذہب کی حیثیت سے جانتے ہیں، مگر بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے تحریک کے نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ مختصر سے مختصر الفاظ میں اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اسلام دنیا کے

تمام مذاہب میں نرالا ہے۔ وہ ایک تاریخ بھی ہے۔ اور ایک زبردست تحریک بھی۔ اس میں سیاست بھی ہے اور اجتماعیت بھی۔ اسلام کا سنگِ بنیاد قرآن نفسیات کی پہلی کتاب بھی ہے اور روحانیت کی آخری کتاب بھی۔ اور دین و دنیا کا ایک ایسا مرکب ہے، جو درحقیقت دنیا کے تمام مذاہب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس کا مصنّف اسلام کے عقیدے کے برخلاف اگر کسی انسان کو ہی مان لیا جائے تو اپنے زمانے کا ہی نہیں، بلکہ بہت سے زمانوں کا ایک زبردست معلّم ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کا وہ مصنّف ایک برہانی اور عقلی دماغ کا انسان ہے۔ وہ اپنے ہر مضمون میں اس بات کی بڑی احتیاط کرتا ہے کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل نہ ہو۔ وہ بار بار عقل کے اعتماد پر زور دیتا ہے عقل سے کام نہ لینے والوں کو حیوان ٹھیراتا ہے اور عقل ہی کو کسوٹی بتلاتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ انسان وہم پرستیوں سے دور رہے اور خرافات کا کوئی شائبہ اپنے خیالات میں نہ آنے دے۔ اس کا اندازِ فکر اس حکیم سے ملتا ہے جو کائنات پر غور کرتا ہے اور اس سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ قرآن کی یہ خوبی پہلے تو انسان کو حیرت میں ڈالتی ہے اور پھر اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور آخر اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔

آگے چل کر مصنف لکھتا ہے۔ مورخین کو اس بات کے سمجھنے میں بہت زیادہ تکلف سے کام لینا پڑا ہے کہ عرب وحشی انسانوں نے بغداد، قرطبہ (اسپین) میں علوم و فنون کی بنیاد کس طرح ڈالی۔ عربوں کے علمی ذوق کے محرکات کیا تھے۔ کسی نے کوئی وجہ بیان کی

کسی نے اتفاق کہہ کر اپنا فرض ادا کر دیا اور کسی نے یونانی علوم کو اس کا محرک بنایا۔ حالانکہ یونانی علوم کی طرف رغبت وہی قوم کر سکتی ہے جس میں پہلے سے عقلی علوم کا ذوق پیدا ہو چکا ہو، لیکن اگر یہ مورخ قرآن سے بھی واقف ہوتے تو انھیں اس قدر دور از کار اسباب تلاش کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وجہ صاف ہے۔ قرآن نے عقل کی افادیت پر زور دیا ہے۔ اور اسلام نہ صرف یہ کہ عقل کا مخالف نہیں ہے، بلکہ عقل کا زبردست مویّد ہے۔ اب بات بالکل صاف ہے کہ جس قوم کا مذہب عقلی اور برہانی ہو، وہ سائنس اور علوم کی مخالف نہیں ہو گی، بلکہ مذہبی حیثیت سے سائنس کی سرپرستی کرنا اس کا فرض ہو گا۔ اگر قرآن عقل کی افادیت کا قائل نہ ہوتا تو مسلمان بھی علم کی سرپرستی کبھی قبول نہ کرتے اور اسپین کی راہ سے یورپ میں علم کی شمع کبھی روشن نہ ہوتی۔

اس کے بعد کتاب کے مصنف نے اسلام کی بعض خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتا ہے "ہماری دنیا میں فنونِ لطیفہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ آرٹ ہماری سوسائٹی کا ایک عظیم جزو بن چکا ہے۔ مگر دنیا کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ قرآن میں آرٹ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے جمالیات میں زندگی گزاری ہے اور جن کو اسے ترقی دینے پر فخر ہے وہ یقیناً اسلام سے مایوس ہوں گے کہ اس میں ان کے ذوق کی یہ چیز نہیں ہے لیکن داد دینی پڑتی ہے، قرآن کے مصنف کو کہ اس نے سیرت کی ان تمام برائیوں کو چیلنج دیا ہے جو آرٹ کے نام سے آج ہماری سوسائٹی کو گمراہ کر رہی ہے۔ اور اس اصلاحی تنقیدی قرآنی تحریک کی قدر اس وقت معلوم ہو گی جب ایک طویل زمانہ گزر جانے

کے بعد آرٹ کی برائیاں زندگی کی سطح پر آجائیں گی اور ہماری نئی نسلوں کو گھن لگا دیں گی"
ہمارا آرٹ کیا ہے؟ زندگی کی بے راہ روی، اخلاق کی کجی، ذوق کی شدید گی، جنسی انارکی، ہوس کی آرزو پرانی برائیوں کو چھپانے کی ایک ترکیب۔ قرآن نے بت پرستی کی تردید اور مذمت کرکے آرٹ کی آدھی عمارت کو مسمار کر دیا ہے۔ کیونکہ آرٹ کا بہت بڑا حصہ قدیم زمانے کے بتوں اور تصویروں کی ایک شرمناک یادگار ہے اور ان جنسی تعلقات کی یاد دہانی کرتا ہے جن پر جمالیات کا خول چڑھا ہوا ہے۔ قرآن حسن فطرت کا آئینہ تو ہے، فحش کاری کا معلم نہیں ہے ——— ہماری سوسائٹی میں آجکل فنون لطیفہ کی بڑی قدر ہے۔ لیکن وقت آئیگا کہ آرٹ کی برائیاں ظاہر ہوں گی اور قرآن کے مصنف کی پیش بینی ایک حقیقت بن کر سامنے آجائے گی۔ مصنف نے اسلامی ارکان پر جس انداز سے تبصرہ کیا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ قرآن نے جن فرائض پر روشنی ڈالی ہے انھیں پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے مصنف نے دین اور دنیا کو سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نماز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے، جس سے زندگی میں ایک دوامی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ ایک، ان دیکھی ہستی سے تعلق پیدا کرنا اور اس کے ذریعہ دنیا کے ساتھ اس کے مناسب حال سلوک کرنا نماز کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اور خیال میں نہیں آسکتا کہ اس سے بہتر عبادت کا کوئی اور طریقہ ہو سکتا ہے۔ جب ایک شخص مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا ہے تو وہ صرف خدا ہی کو تصوّر نہیں کرتا، بلکہ خدا کی ساری مخلوق سے اپنے رشتہ کی تجدید کرتا ہے۔ حج کے آئینہ میں بھی

دین اور دنیا دونوں کا عکس پڑتا ہے۔ اور اس فریضہ میں سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو ایک جامع تصوّر کی غایت ہے۔

کوآپریٹو سوسائٹیاں زمانہ حال کی پیداوار ہیں۔ مجالس امداد باہمی کی تحریک بالکل جدید ہے، لیکن قرآن کے مصنّف نے زکوٰۃ کی مد قائم کر کے وہ تمام اغراض حاصل کر لیے ہیں جو آجکل کی سوسائٹیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ اخلاص و ایثار ہے۔ غمخوار و ہمدردی ہے، لیکن امداد باہمی کی تحریکات اس کے روح سے خالی ہیں۔ قرآن نے زکوٰۃ کو تجارت سے بالاتر رکھا ہے، وہ ایک ایسی صداقت ہے جس کا مفہوم زمانہ حال کی کسی تحریک میں نہیں پایا جاتا۔

اسلامی روزہ کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس میں انسانی کمزوریوں کی پوری رعایت رکھی گئی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ روزہ کی دوسری شکلیں اس شکل کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ قرآن کی سیاست پر مصنف نے طویل بحث کی ہے اور آخر میں لکھا ہے، قرآن کو دوسری مذہبی کتب پر یہ تفوّق حاصل ہے کہ اس میں سیاست اور اصول حکمرانی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ان اصولوں میں اس قدر زور اور طاقت ہے کہ پڑھنے والا فوراً متاثر ہو جاتا ہے۔ قرآن نے سیاست میں ذرا کمزوری نہیں دکھائی۔

سیاست کے ہر جزو میں وہی زور اور تاثیر ہے جو اس کا فطری تقاضا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے خوفِ خدا، اخلاق، خدمتِ خلق اور تصوّرِ آخرت سے سیاست کو بیگانہ نہیں رکھا، اور یہی وہ چیز ہے جس سے موجودہ عہد کی سیاست

(بقیہ بر صفحہ ۱۴۹)

سلسلہ تبلیغ و اشاعت نمبر ۱۶

جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

اشتراکیانِ روس ــ اور ــ مادہ پرستوں

کو

دعوت اسلام

حصہ اول

اس کتاب میں علمی و عقلی اور دیگر مسلمہ معیار سے ثابت کیا گیا ہے

کہ

- آسمانی مذاہب اور سائنس کے درمیان تضاد نہیں ہے ؛
- اور مادی طاقت، روحانی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ ہے !
- اب مادی طاقتوں سے امن قائم نہیں ہو سکے گا ؛
- اور چیلنج کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی نظام اور جامع المذاہب مذہب کے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے ؛
- اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایسا نظام اور مذہب صرف اسلام ہی ہے
- اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ سورج روشن ہے، اور اس کا فیض تمام دنیا کو پہنچ رہا ہے، تو کوئی بھی دانا اور بینا اس کو جھٹلا نہیں سکے گا ــ اور نہ سورج کے حق میں اس کے قول کو حسنِ عقیدت اور جانبداری پر محمول کرے گا ؛
- اسی طرح اسلام کو بھی اس کتاب میں سورج کی تمثیل میں حسّی، علمی و عقلی اور مسلمہ تاریخی معیار سے پیش کیا گیا ہے ؛

مرتبہ

ابو احمد عبد اللہ لودھانوی گوجرانوالہ

مغربی پاکستان

عبد الواجع ناظم شعبہ نشر و اشاعت پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور سے طبع کرا کر دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت ۳ روپے